

نظامہ الروالرن
 مشرقیہ علمہ مشاق محمدی علیہ رحمۃ اللہ
 پاسبان ملت خطیب
 ایک مبسوط تحقیقی و تاریخی کتاب



خطیب مشرق

حیات و خلدما

مولانا ناصر انجم مصباحی
 استاذ دارالعلوم عنبریں نوازہ آباد



دارالمصنفین دارالعلوم غریبانہ آباد

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب

خطیب مشرق حیات خدا

مصنف

مولانا ناصر انجم مصباحی

کاتب

احسن الخطاط مولانا عبد المنان برتقی

سی و سرق

سر دار صاحب منہاج پور الہ آباد

ناشر

لمصنفین دارالعلوم عربیہ اسلامیہ

مطبع

چارمنگ آفسٹ پرنٹرز انڈیا شاہ خیل الہ آباد

بار اول

گیارہ سو ۱۹۹۲ء

قیمت ۳۰ روپیہ

غوثیہ پبلشرز مرزا غالب ڈالہ آباد

ملک کے تمام سنی مراکز و کتب خانوں سے

یہ کتاب حاصل کی جا سکتی ہے

فہرست ابواب

- ① ————— اہتدائی حالات ۱۷
- ② ————— عادات و صفات ۳۵
- ③ ————— تدریسی خدمات ۵۹
- ④ ————— خط کا بہت ۶۹
- ⑤ ————— دارالعلوم غریبانہ الہ آباد ۸۳
- ⑥ ————— ادبی خدمات ۹۷
- ⑦ ————— مناظرہ ۱۲۵
- ⑧ ————— جماعتی تنظیمی سرگرمیاں ۱۴۹
- ⑨ ————— اختتامیہ ۱۹۳
- ⑩ ————— خطیب مشرق، ابواب علم و دانش کی نظر میں ۲۱۳

تہذیب
 اپنے ان تمام اساتذہ اور بزرگوں کی بارگاہ میں جنکے فیضانِ علمی
 اور سائے عاطفت نے مجھے کسی لائق بنایا۔ (وہ جن کے الطاف و
 عنایات کے دروازے مجھ پر ہمیشہ کھلے رہے۔)

مثلاً
 نائب مفتی اعظم ہند حضور مفتی شریف الحق امجدی صاحب قبلہ اعظمی
 بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی
 محنت کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری صاحب قبلہ اعظمی
 شیخ التفسیر حضرت علامہ عبد اللہ خاں عزیزی صاحب قبلہ، گوڑہ
 جامع معقول و منقول حضرت علامہ عبد الشکور صاحب قبلہ پلاموں
 ماہر علوم و فنون حضرت علامہ نصیب الدین صاحب قبلہ پلاموں
 ادیب شہیر حضرت علامہ حسین اختر مصباحی صاحب قبلہ اعظمی
 شیخ الادب حضرت علامہ افتخار احمد قادری صاحب قبلہ اعظمی

و غیر ذلک

اَہَامَ اللّٰہُ مَا ظَلَا لَہُمْ الْعَالِیْنَ فِیْ وَضْعِہُمُ الْعَالِیْنَ

نثار کرنے کو لائیں کہاں سے تجھ پہ خوشی
 یہی ہیں کچھ غنیمت پنہاں بچے بچائے ہوئے

نیا زمند : ناصحہ انجم مصباحی
 خادم التدریس دارالعلوم عربیہ اسلامیہ آباد
 خواتین ————— 604425

ہدایہ تشکر

عزت مآب حضرت الحاج شیخ سلطان اختر
صاحب رضوی رئیس مجلس کے ہم شکر ہیں کہ ہماری
صدا ان کی بارگاہ میں صد البصیحہ ثابت نہیں ہوئی۔ یہ
کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے انھیں کی
رہین منت ہے۔

عزت مآب حضرت پاسبان ملت علیہ الرحمۃ و
الرضوان کے عزیز ترین دوست ہیں۔ سچ پوچھئے تو انھوں
نے اس کتاب کو چھپوا کر اپنی دوستی کا حق ادا کر دیا۔ اب موصوف
دارالعلوم غریب نواز کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔
پروکار کا عالم اس خاندان کے کوہر آسیب روزگار
سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین
بجاء سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

انوار احمد نظامی

ناظم اعلیٰ دارالعلوم غریب نواز
الہ آباد یوپی

تقریظ

شراح بخاری، مفتی اعظم ہند، حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب قادیان برکاتہم
صدر دارالافتاء الجامعة الاسلامیہ مبارکپور

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَلِيَّ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى حَبِيبِهِ خَيْرِ

آپ کے ہاتھوں میں "خطیب مشرق" علامہ شتاق احمد نظامی صاحب
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوانح کے چند اوراق ہیں جنہیں عزیز گرامی جناب مولانا
ناصر نجم مصباحی زید مجدہم استاذ دارالعلوم غریب نواز نے بہت محنت اور
عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب ایسے وقت میرے پاس لائے کہ
میں اختلاف اور دوران سر کی وجہ سے کسی کام کے لائق نہ تھا۔ مگر چونکہ یہ
الآباد سے اس کتاب پر میری رائے لکھوانے کے لئے شدر حال کر کے آئے تھے
اس لئے ہمت کر کے جستہ جستہ کہیں کہیں سے میں نے اسے پڑھا۔ عنوانات
دیکھے اور ان کے تحت واقعات و شواہد پر ایک اچھٹی ہوئی نظر ڈالی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے پیش نظریہ کہہ
سکتا ہوں کہ جناب مولانا ناصر نجم مصباحی صاحب نے اپنی وسعت بھر اس کی
پوری کوشش کی ہے کہ خطیب مشرق کی زندگی کے اہم پہلو اور ان کے حلیہ جمال
کے تابناک نقوش اچھی طرح اجاگر ہو جائیں۔ اور میرا اندازہ ہے کہ وہ اس میں
بہت حد تک کامیاب ہیں۔

اگر کسی کے حالات پر پہلے سے لکھی ہوئی کتابیں موجود ہوں تو انکی
سوانح عمری مرتب کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ بخلاف کسی نامور آفاق گیر

شخصیت کی ابتدائی سیرت نگاری کے — چند کتابوں کو سامنے رکھ کر ان کو جمع کر دینا۔ اتنا مشکل نہیں جتنا یہ کہ کسی شخص کی داستانِ حیات جو پوری دنیا سے متعلق ہو جس کا رابطہ ایک عالم سے ہو جو مشائخ و اساتذہ کا بھی محبوب ہو، معصروں میں بھی عزیز ہو جو اپنے چھوٹوں کا ملجا و ماویٰ ہو جو کروڑوں افراد کا مرجع عقیدت ہو جس نے ملک کو لے کر لے کر فیض کا دریا بہائے ہوں۔

اس خصوصی نکتے پر جب نگاہ ڈالی جائے تو مولانا ناصر انجم مصباحی زید مجاہد کا یہ کارنامہ بہت عظیم کارنامہ نظر آنے لگتا ہے۔

الفضل للمتقدم

علامہ نظامی نام تو ایک فرد واحد کا ہے مگر حقیقت میں وہ فرد واحد نہ تھے۔ پوری انجمن تھے جو اپنے جلو میں علم و فضل، سیاست و تدبیر، ارشاد و تبلیغ، کردار و گفتار، عزم و محکم اور جد مسلسل کی ایک نیا آباد کے ہوئے تھے۔ پیدا تو الہ آباد میں ہوئے مگر ان کے فیض کا بادل پوری دنیا پر مسلسل نصف صدی تک برستا رہا۔ شہر تو شہر قصبات تو قصبات دیہات تک جن سے بہرور ہوئے تھے جس کے کام کی نوعیت ایک دو نہ ہو وہ ہر میدان کا شہسوار اور ہر طبقے کا قائد ہو، ایسی ہمہ گیر پوسے آفاق میں پھیلی ہوئی، پورے آفاق پر چھائی، ہر ذی شخصیت کی پہلی سوانح نگاری کے لئے سوانح نگار کو کچھ پڑیلے پڑے ہوں گے۔ کتنے مفت سر کرنے پڑے ہوں گے یہ وہی جان سکتا ہے جس نے اس میں کبھی قدم رکھا ہو گا۔ میں تو نہیں کہہ سکتا کہ فاضل سوانح نگار نے علامہ نظامی صاحب کے توارث کا حق ادا کر دیا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ انھوں نے علامہ نظامی کی خدمت میں عقیدت و خلوص کا ایسا تحفہ پیش کیا ہے جو سب

پر بھاری ہے۔
 بلکہ ہم اہلسنت پر عائد ایک فرض کفایہ کو ادا کر کے سبکدوش کرنا
 ہے۔ یہ ان کا ہم سب ہی پر احسان ہے کتاب آپ کے پیش نظر ہے اسے
 پڑھئے تو آپ کو خود یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے
 وہ مبنی برحقیقت ہے جس طرح یہ کتاب علامہ نظامی صاحب کی پہلی
 سوانح عمری ہے اسی طرح سوانح نگار کی پہلی تصنیف ہے مگر اس کے
 باوجود انشیں اسلوب بیان حسن ترتیب، موضوع پر سیر حاصل
 گفتگو وغیرہ صوری و معنوی اعتبار سے یہ کتاب بہت سے نقش ثانی
 سے درجہا بہتر ہے۔

میری دعا ہے کہ قادر و قیوم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے
 صریقے اور طفیل میں اس کتاب کو عوام و خواص سب میں مقبول بنائے
 اور مصنف کو اس کی بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔
 علامہ نظامی صاحب کی سیرت مرتب ہو گئی اور وہ بہت جلد
 منظر عام پر آ بھی جائے گی۔ یہ ان کے عقیدت کیشوں پر ایک فرض
 تھا جو ادا ہو گیا۔ مگر مجھے دو باتیں خصوصیت سے عرض کرنی ہے۔
 علامہ نظامی صاحب کی بے شمار یادگاروں میں سے ان کی دو سب
 سے عظیم و اہم یادگاریں ہیں۔ ایک دارالعلوم غریب نواز دوسرے ان کی تصنیفات
 انھوں نے یکے دتہ دارالعلوم غریب نواز قائم فرمایا، زمین خریدی
 سے منزلہ فلک بوس عمارت بنوائی اور انتہائی قابل ذی استعداد مخلص
 قناعت پسند مدرسین بھی ہیلا کئے جس کا نتیجہ ہے کہ دارالعلوم غریب نواز
 تشنگان علوم دینیہ کا مرتب عقیدت ہے اس دارالعلوم کے فارغ علماء
 حفاظ اور قراء ملک کے گوشے گوشے میں علم دین کی نشر و اشاعت میں

مرصوف ہیں میری یہ آرزو ہے کہ ان کا یہ باغ صبح قیامت تک یوں
 ہی پھولتا پھلتا رہے۔ اور علامہ نظامی کا یہ چشمہ فیض رہتی دنیا تک
 تشنگانِ علوم دینیہ کا مرجع رہے۔ اب تک کے حالات سے میں پر امید
 ہوں کہ اس میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ علامہ نظامی صاحب کی مردم شناس
 نظروں نے اس کی نظامت کے لئے جناب مولانا انوار احمد نظامی مدظلہ
 کا انتخاب بلاوجہ نہیں کیا تھا۔ اب ان کے بعد ان کے جوہر کھل رہے ہیں
 اللہ کا شکر ہے کہ انھوں نے علامہ نظامی صاحب کی امانت کا پورا پاس و
 لحاظ کیا۔ اور ان کے بعد بھی اس کی آن بان شان کو جوں کا توں رکھا اور
 انشاء اللہ آئندہ بھی یہی ہوگا۔ مجھے ان سے کچھ نہیں کہنا ہے البتہ علامہ نظامی
 صاحب کے کرداروں عقیدتمندوں سے کہنا ہے کہ علامہ نظامی صاحب
 کی بارگاہ میں آپ کا انتہائی وقیع تحفہ یہ ہوگا کہ دارالعلوم غریب نواز
 ان کی امیدوں کے مطابق دائم باقی رہے۔

علامہ نظامی صاحب کی تصنیفات سے شکایت کی حد تک
 بے اعتنائی برتی جا رہی ہے ان کی طباعت بند ہے میری اپیل ہے کہ ان
 کے ارادتمند اس طرف خصوصی توجہ دیں اور ایسی سبیل پیدا کریں کہ انکی اشاعت
 کا غیر مختتم سلسلہ قائم ہو جائے تصنیفات میں ان کے خون جگر کی آمیزش تو ہے
 ہی یہ نکتے اعلیٰ دماغی و ذہنی کاوشوں کے درشاہوار ہیں انھیں ضائع کرنا
 ایک طرح سے علامہ نظامی صاحب کو ضائع کرنا ہے اسلئے اس سے تغافل
 برتنا کسی طرح روا نہیں ہو سکتا۔ مایوسی کے دعا ہے کہ علامہ نظامی،
 صاحب کے متوسلین میری اس صدا کو صد البصرانہ ہونے دیں گے

اللہ عزوجل توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین
 محمد شریف الحق امجدی

۱۲ صفر ۱۴۱۳ھ / ۱۴-۸-۱۹۹۲ء

رائے گرامی

بحر العلوم قائد ملت حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قلم
اعظمی صدر المدارسین فی ارسال علوم اہلسنت شمس العلوم گلو سنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵ نحمدہ و نصلی علی سیدنا محمد
خطیب مشرق، پاسبان ملت حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی
الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ عالم، شعلہ بار مقرر اور مقبول ترین مصنف
انھوں نے ایک عظیم الشان دارالعلوم کا منصوبہ بنایا، خود ہی اس کی ابتدا
کی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے درجہ کمال تک پہنچایا۔ اور اسی پریس نہیں مدت لعل
پورے ہندوستان میں بہت سے دارالعلوموں کے سرپرست، نگران اور
مربی تھے۔

”سنی تبلیغی جماعت“ کے تو وہ فاؤنڈر تھے۔ اہلسنت و جماعت کی
دیگر بے شمار تنظیمی، سیاسی، مذہبی سوسائٹیوں میں سے کسی کے صدر، کسی کے سکریٹری
اور دیگر ذمہ دار عہدوں پر عمر بھر فائز رہے۔

اخیر میں انھوں نے بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا تھا۔
جس کا پھیلاؤ ہندوستان ہی کی طرح وسیع و عریض تھا۔ رحمۃ واسعۃ موفورہ۔
ان فضائل اور فواہل کے ساتھ ساتھ قدرت نے انھیں متعدد ہی
خوبیاں بھی عطا کی تھیں۔ خلقت وہ نہایت دل کس شخصیت کے مالک تھے اور
قدرت نے انھیں تسخیر قلوب کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ اپنے بزرگوں
کے ساتھ حسن ادب اور نیاز مندی ان کی جبلت تھی۔ اور چھوٹوں کی بھیڑ کیا۔

اور شفقت سے اپنے ساتھ سیٹے رہنا ان کا وصف خصوصی تھا اور معاصرین میں وہ ہمیشہ مرغوب و محبوب رہے۔ حَفَہُ اللہ بالغفران واسکنہ محبوب الجنان۔ تقریباً نصف صدی تک وہ سنی جلسوں کے افق پر چھائے رہے اور اخیر عمر تک لمحہ بھر کے لئے بھی ان کا سورج غروب نہ ہوا۔ اس طرح وہ اپنے کردار سے ثابت کر گئے کہ بقائے دوام اور قبول عام کے لئے کسی قسم کی مہمت اور صلح کلیت کی ضرورت نہیں۔ تصلب فی الدین کی دولت ہی فتح و کامرانی کی کلید ہے۔ ان کا سانحہ ارتحال بلاشبہ ایک عظیم خسران ہے۔

وما کان قیس فقد ہا فقد واحد و لکنہ بنیان قوم تھہدما

لہ ما اعطى و لہ ما اخذ و لا نقول الا ما یرضی ربنا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

حضرت مولانا ناصر انجم مصباحی صاحب نے (جو مولانا مرحوم کی آغوش تربیت کے پروردہ، اخیر زندگی میں انھیں بہت قریب سے دیکھنے والے ہیں) نیز مولانا انوار احمد صاحب نظامی مہتمم دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے قریبی عزیز ہیں جو حضرت خطیب مشرق کی زندگی بھر کے رفیق اور تمام جدوجہد میں ان کے ہمدم و ہمقدم رہے) آپ کی سیرت پر ایک متوازن کتاب تالیف فرمائی ہے۔ کتاب کو میں کہیں کہیں سے دیکھ سکا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ کتاب حضرت مولانا کی حیات سے متعلق سارے ہی عنوانات کی جامع ہے اور ایجاز و نخل و اطناب مل سے پاک صاف ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی ایک سلجھی ہوئی تحریر ہے۔

مولانا ناصر انجم مصباحی ہم تمام اہلسنت و جماعت کے شکر یہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہم سب نبیوں کے سر سے حضرت مرحوم کا یہ قرض اتارنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور اس کے نفع کو عام و تمام کرے۔

۱۳۴۳ھ

عبدالمنان اعظمی شمل لعلوم گھوڑی ضلع منو۔ ۸ افر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ

حرف آغاز

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انسانی معاشرہ کی رہبری کے لئے ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی قائد اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے منصوبہ شہود پر آتا رہا۔ اور انسانیت کے تاریک ماحول کو شمع ہدایت بن کر روشن کرتا رہا۔ خواہ وہ انبیاء و رسل کی مقدس جماعت ہو یا صحابہ و تابعی اور محدثین کا مبارک طبقہ، فقہاء امت کی قابل احترام ہستیاں ہوں یا اولیاء اللہ اور علمائے متجربین کا نورانی قافلہ اور اسی کے ساتھ اس کا بھی لحاظ رکھا گیا کہ جس دور کا انسان جس طرح کی گری میں مبتلا تھا اس کے استیصال کے لئے کسی ایسی ہی شخصیت کا انتخاب کیا گیا جو حالات اور تقاضوں کے مناسب ہو اور جو اپنی حکمت و دانائی، اور فراست و بصیرت سے اس گری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔

چنانچہ جس وقت ہندوستان کی بددین اور گمراہ جماعتیں مسلکِ اعلیٰ حضرت پر ہزاروں بے بنیاد الزام لگا رہی تھیں اور علمائے حق پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑیں ہو رہی تھیں۔ کبھی میلاد و قیام پر حملہ، کبھی عرس و نیکار کا استہزاء، کبھی ختم نبوت سے انکار، کبھی علم غیب نبی سے انحراف و غرض کہ فسق و نفاق، توہین رسول، تحقیر اولیاء، امکانِ کذب باری تعالیٰ، جیسی بدعقیدگی اور گمراہی کا ایک سیلاب خوش عقیدہ مسلمانوں کو اپنے گرداب میں لے لینا چاہتا تھا ایسے پر فتن حالات میں قوم کا ایک سیاح، ملت کا پاسبان، علم و فن کا آفتاب شمالی ہند اتر پردیش کے افق سے نمودار ہوا جسے دنیائے عقیدت و محبت مشتاق احمد نظامی سے جانتی پہچانتی ہے۔

حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی درس گاہ علم و فن کے فیض بخش مدرس بھی تھے۔ اور خطابت کے رمز آشنا تکلمو الناس علی قدر عقولہم کے مصداق بے بدل خطیب بھی، میدان مناظرہ کے برق رفتار شہسوار بھی تھے، توضیحات کے پختہ کار ژرف نگار اور فکر انگیز تاجدار قلم بھی، جماعت کے دوران دلش، روشن ضمیر اور انقلاب آفرین مفکر بھی تھے تو قوم و ملت کی تعمیر کے بے ریا معمار اور نقیب بھی، محفل شعروادب کے مسند نشین بھی تھے تو یارانِ نکتہ داں کے میرِ مجلس بھی حق کے لئے شبنم کے قطروں کی مانند حساس و نرم بھی تھے تو باطل کے لئے آتش فشاں پہاڑ بھی، ایثار و قربانی کے پیکرِ جمیل بھی تھے تو ناقابلِ تسخیر جرأت و ہمت کے حامل بھی، غرض کہ صوف کی ایک زندگی میں کسی زندگی کا جمع ہو گئی تھیں گویا باری تعالیٰ نے انہیں حالات اور تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کیلئے رنگ برنگی صفات اور نوع بنوع محاسن کا مجموعہ بنا دیا تھا۔

جب وقت کا یہ مجاہد ملت کا پاس بان اپنی ہمہ گیر صفات سے لیس ہو کر رزم گاہ حق و باطل میں اترا تو اپنی پوری مبارک زندگی میں ہر خطرہ ہر رکاوٹ سے بے پروا ہو کر کسی جہتوں سے دین و سنیت کا مردانہ وار دفاع کیا۔ اور اس انداز سے تبلیغ دین متین کی، اور اس سوز و درد مندی سے اسلامی ایمان و عہد اور عشق رسول کے مشن کو فروغ دینے کے لئے سرفروشانہ و جانبازانہ کارنامے انجام دیئے کہ وہ تاریخ کا ایک زریں باب بن گیا۔

اپنی تمام تر علمی، فکری اور فنی صلاحیتوں سے باطل پرست کی مغرور گردنوں کو اپنے قدس سر میں جھکا دیا، باطل شکنی اور احقاق حق میں وہ مقام حاصل کیا۔ جہاں پہنچ کر پوری کائنات ادری نے اپنی جبین عقیدت خم کر دی، ان کی زبان قلم نے مذہب کے دامن تقدس پہ رینگتے ہوئے جرأتیم کو دور کرنے میں خرد دینی کا کام کیا اور نہ جانے ملت فروشی کی کتنی جہرانہ ذہنیت کو بے نقاب کیا، ان کے

ایمان و عقیدے کی دولت کو دنیا بھری تجوریوں سے بھی نہ خرید سکی نہ ہی باطل قلم کی نوک پلک اور شمشیر باطل کی دھارا انھیں دبانے میں کبھی کامیاب ہو سکی مگر کی فکر کو اپنا ہمدرد و ہمقدم بنایا، اپنے جلو میں عشق رسول کی خوشبو لے کر اسلامیات ہند کے دل و دماغ کو ہلکایا، اور ان کی ذات بابرکات سے نہ جانے کتنے انسان قعر ضلالت و گمراہی سے نکل کر اوج ہدایت پر پہنچے۔

وقت کی ایسی ہمہ گیر شخصیت کی تاریخ ساز زندگی اور کارناموں پر یہ فقیر راقم الحروف کچھ خامہ فرسائی کرے گا سوچا بھی نہیں تھا لیکن الجامعۃ الانشوریہ مبارکپور سے فراغت کے بعد برسوں سے میں دارالعلوم غریب نواز الہ آباد میں علمی خدمات انجام دے رہا ہوں خوش قسمتی سے اس درمیان میں نے نہ صرف ان کی زندگی کو قریب سے دیکھا بلکہ ان کی بہت سی خداداد صلاحیتوں کو بھی محسوس کیا۔ ان کی شبانہ روز کی علمی، تبلیغی اور فکری کاوشوں اور جانکاہیوں کے بے شمار لمحات دیکھے! اسلئے میں نے محسوس کیا کہ اگر وقت کی ایسی اہم ترین اور باکمال ہستی کو صفحہ قرطاس پہ نہ لایا گیا اور اسلام کے صفحہ تاریخ سے نظر انداز کر دیا گیا تو یہ ہماری ہی نہیں پوری قوم و جماعت کی بہت بڑی بد نصیبی اور ناحق شناسی ہوگی دراصل تاریخی نقطہ نظر سے علامہ نظامی کی زندگی مسلمانوں کے لئے بنیادی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ اسلام و سنیت کی عظیم المرتبت شخصیت حضرت خطیب مشرق علامہ شتاق احمد نظامی کی صرف تاریخ و واقعات اور ان کی سوانح عمری ہی نہیں بلکہ ہمارے لئے ان کی علمی زندگی کے وہ تابناک نقوش ہیں جن کی یاد نہ صرف یہ کہ مدتوں ہمارا حوصلہ بڑھاتی رہے گی بلکہ ہماری مردہ رگوں میں حرکت و عمل کی برقی لہر دوڑاتی رہے گی اور جن کی سمجھت گیر پالیسی ہر جماعت کے حق میں زیر دست و پیر ہوگی۔ کرم گستر علامہ بدر القادری مصباحی بالینڈ کا یہ جملہ اسکی اہمیت کا صحیح تصور پیش کرتا ہے :-

ان کا تامل و محض محفوظ رکھنے کے لائق ہے

زیر نظر کتاب خطیب مشرق کا وجود مسعود اسی داعیہ کا ثمرہ ہے میری بساط ہی کیا کہ میں اپنی اس مختصر تحریر میں ایسی اہم جہت شخصیت کی تاریخ کو گھیر سکوں البتہ میں نے اس کی ترتیب میں کثرت سے صرف نظر کرتے ہوئے کیفیت کا زیادہ لحاظ رکھا ہے تاکہ علامہ نظامی کی زندگی اور کارناموں کی زیادہ سے زیادہ تفصیلات اپنے اندر سمو سکے اور ان کے لئے بہت سے عنوانات کا ماخذ بھی بن سکے، یہی وجہ ہے کہ اس میں جتنی بھی روایات و واردات پیش کی گئی ہیں وہیں ان کے ماخذ و مراجع بھی ذکر کر دیئے گئے ہیں تاکہ وہ عقل و نقل کی کسوٹی پہ کھرے اتر سکیں۔ میں یہ دعویٰ غلط تو نہیں کر سکتا کہ میری یہ کتاب علامہ کی حیات و خدمات پر حروف آخر کی حیثیت رکھتی ہے البتہ اس کتاب کو پڑھنے والا اپنے ایک محسن و پاسبان کو مشتاق احمد نظامی کے پیکر میں اپنے روبرو و ضرور پائے گا جس نے جوانی سے بڑھاپے تک قوم و ملت کی خدمت گزاری کے لئے خود کو وقف کر دیا تھا۔

کرم فرمائی و ذرہ نوازی ہے۔ شارح بخاری حضور مفتی شریف الحق امجدی صاحب قبلہ اور استاد گرامی بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی کی جن کی بارگاہ میں یہ کتاب لے کر میں حاضر ہوا تو انھوں نے اپنا قیمتی وقت دے کر نہ صرف یہ کہ اس کتاب کو دیکھا بلکہ اصلاح و نشاندہی کے ساتھ اپنے گرانقدر خیالات و تاثرات سے بھی سرفراز کیا جن سے اس کتاب کی وقعت و اہمیت میں چار چاند لگ گیا۔ ان بزرگوں کا مجھ پر یہ ایسا احسان ہے جسکے صلہ کے لئے میری کم مائیگی حیران ہے۔

عمر بریں لطف گر جاں نشا نم رواست
یہاں میرے عم مکرم اور مشفق و مہربان ناشر العلوم، مؤید دین و ملت

حضرت مولانا انوار احمد نظامی، مستم و ناظم دارالعلوم غریب نواز کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر ایک ایسا فریضہ ہے جس سے میں چند الفاظ شکر کے ذریعہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

خطیب مشرق کی ترتیب کیلئے جوان کی ہمدردانہ و مخلصانہ ترغیب و رہنمائی مجھے حاصل رہی اور اس کی طباعت و اشاعت کی ذمہ داری ارالمصنفین دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کی جانب سے قبول کر کے ایک ایسا بوجھ ہلکا کر دیا۔ جس کے اظہار شکر کے لئے چند رسمی الفاظ کا سہارا لینا کافی نہ ہو گا۔ ان کی یہ خرد نوازی و حوصلہ افزائی ہمیشہ میرے دل پہ نقش رہے گی۔

بڑی ناشکری ہوگی اگر ان سطوروں میں مخدوم محترم مولانا سید اکمل اجلی نائب سجادہ میں دائرہ شاہ اجل الہ آباد کا ذکر نہ کیا جائے جنہوں نے مشفقانہ جذبوں کے ساتھ اپنے وقت کا ایک حصہ میرے لئے وقف کر دیا۔ یوں ہی میں ممنون و مشکور ہوں فاضل محترم احسن الخطاط مولانا عبد المنان برکاتی صاحب کا جنہوں نے اس کی کتابت میں فنکارانہ کردار کا مظاہرہ کیا۔

مجھے قارئین کرام کے اخلاق کریمی سے یہ امید ہے کہ زیر نظر کتاب "خطیب مشرق" کی ترتیب میں آپ کو جو خامیاں محسوس ہوں ان پر طعنہ زنی ہونے کے بجائے پوری سنجیدگی کے ساتھ ان سے ہمیں مطلع فرمائیں گے۔ تاکہ آئندہ اشاعت میں ان کا ازالہ کیا جاسکے۔

جہاں بھولوں بتا دے تو بہک جاؤں ہدایت کر
جو مولغرض تو مجھ کو تھام میرا مہرباں ہو کر

خلوص کارِ ناصر الخیر مصباحی
خادم دارالمصنفین استاد دارالعلوم غریب نواز۔ الہ آباد
۲۸ صفر ۱۴۱۳ھ / ۲۸ اگست ۱۹۹۲ء



اُبْتُدائی حالات



کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی،
کس بے کمال ہیچ نہ گردد عزیز من

سراپا



ولادت



نام و نسب



تعلیم و تربیت و اساتذہ



ذہانت اور ذوق علم



ہم عمروں میں سبقت کی چنگاری



فراغت



نکاح



سیرِ ایا

ز فرق تابعیت دم ہر کجا کہ می نگرم
کر شمسہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است



سُر — بڑا۔ مدور

چہرہ — بیضوی اور نورانی۔ گولائی لئے ہوئے۔

حسن صورت اور حسن سیرت کی کھلی تفسیر۔

پیشانی — چوڑی، بلند، چمکتی و مکتی ہوئی۔ جس پر اسلام کی عظمت
کی لکیریں روشن تھیں۔

چشم — سیاہ و سفید، بے داغ۔ نظریں جھکی ہوئیں جو حقائق کی
گہرائی تک پہنچنے میں بے مثال تھیں۔

بینی — اونچی۔ جس نے دین و ملت کے ہر مورچے پر اسلام دشمن عناصر
کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔

لب — پتلے۔ سرخی مائل

دہن — باعث دل فراخ

زبان — جو تاحیات توجید و رسالت کے متن کی حاشیہ نگاری
کرتی رہی اور جس کے لئے کہیں پتھر اور کہیں پھول برسائے۔

آواز — گھن گرج اور گھنک دار جب نکلتی تو اہل ایمان کے لئے
لالہ کے جگر کی ٹھنڈک اور باطل کے لئے دہکتا ہوا انگارہ
پیدا کرتی۔ اور اگر تیور میں آتے تو ایسی غراہٹ کہ گویا:

نکلا ڈکارتا ہوا ضعیف کچھار سے
بہرے بہرے حسین سرخی کی جھلک تھی۔
رخسار۔۔۔ بستر سل کچھ گھنی سیاہ و سفید۔

ریش — مٹر سل کچھ گھنٹی سیاہ و سفید۔

ریس — کشادہ جس پر گھنے بال

دَلّ ————— عینہ ————— مسادہ میں پرے ہوں

صاف و شفاف نجسیت الہی اور عشق رسول کا گنہگار نہیں

تکلیف اور مصائب کو طاعت کے تحت دیکھ کر قہر و غضب سے

دل — صفات و سفاقت، سلیقہ، ہی اور سچی رسوں کا بچہ نہیں
قوم کا درد اور مسلک و ملت کی تعمیر و ترقی کی فکر تھی۔

تقدم — راہ لہی پر گامزن۔ اور ہر منزل پر محتاط۔

شد۔ مائل بہ دراز

بدن — متناسب — چھریرا۔

فکری اساس۔ فلسفیانہ محققانہ جو اپنی خدا داد ذہانت و طباعی کی بنیاد

میر۔ یارانِ نکتہ داں کا میر مجلس تھا۔

لباس — دوپلیہ ڈوپي سفید کرتا کلی دار گھٹنوں سے نیچے تک۔

پاجامہ کھلتا ہوا سوتی صدری برسوں کی سلی ستلائی جس

کی جیب میں آل انڈیا ٹائم ٹیبل اور کاغذات کا پلندہ

لنگی نارنجی یا عنبابی رنگ کی سوئی۔

عصا۔ لکڑی کا منقش۔ یا ”بینت“ کا۔

پاپوش۔ جے پوری ناگرہ۔

یہ ہے اس نابغہ روزگار مہستی کا سراپا جو اپنوں کے
ریشم سے بھی نرم اور غیسروں کے لئے سیف مسلول تھا۔

بھی نرم اور غیسروں کے لئے سیف مسلول تھا۔

نه شود نصیب دشمن که شود بلاء تیغ ۷

سر دوستاں سلامت کہ تو خجسته آزمائی

ولادت

بالائے سرش زہوشمندی
فی تافت ستارہ بلندی

الہ آباد کو ہمیشہ سے مذہبی حیثیت حاصل رہی۔ یہ بیک وقت مذہبی مقام بھی رہا۔ اور گہوارہ علم و ادب بھی۔ دو دریاؤں کے نیچ آبادیہ خوبصورت شہر اپنی نوع بنوع صفات کے باعث ہمیشہ باعث کشش رہا۔

تاریخ قدیم کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا پرانا نام ”پریاگ“ تھا جس کے معنی ہما بھارت میں ”قربان گاہ“ کے بتایا گیا ہے۔ رامائن وغیرہ میں پریاگ کی عظمت و تقدس کے گیت گائے گئے ہیں۔ ہندو دھرم کے نقطہ نظر سے یہ مقام تمام استھانوں پر فضیلت رکھتا تھا مغلیہ بادشاہوں کے زولے میں جلال الدین اکبر نے اس کو از سر نو آباد کیا اور اس کا نام ”الہ آباس“ رکھا جو عہد شاہجہانی میں الہ آباد ہو گیا۔ گنگا اور جمنا کا ملاپ اور تیسرے دریا کا زین سے نکلنے والا مقام ”سنگم“ کے نام سے مشہور ہوا۔

اہل ہندو یہاں غسل کرنا باعث نجات حتیٰ کہ خودکشی کرنا بھی سرمایہ افتخار تصور کرتے ہیں۔ اسی سنگم کے بالمقابل عہد اکبر کا ایک آہنی قلعہ ہے جس کی دیواروں پر گنگا اور جمنا کی لہریں سرچڑھتی رہتی ہیں۔ نہ جانے یہ کس کے غم میں ماتم کر رہی ہیں اور کب تک ماتم کرتی رہیں گی۔ یہ قلعہ بھی عہد مغلیہ کی تعمیر صنعتوں کا ایک نمونہ ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ قلعہ سے زمین دوڑا ایک سرنگ دلی لال قلعہ تک جاتی ہے۔

اکبر نے شہر الہ آباد کی بنیاد ڈالی اور سنگم کے قریب یائے جمنا کے کنارے ۱۵۸۳ء میں یہ قلعہ تعمیر کیا۔ اور مع پریاگ کے اس شہر کا نام الہ آباس کر دیا۔

اب دریا کے مغربی علاقہ اور کٹرے کے بیچ میں یہ مقام اہمیت کا حامل ہوا۔
شاہجہاں نے بھی اس علاقے پر خاص نظر رکھی۔ اس کے بیٹے داراشکوہ نے
دارالخیمہ کی بنیاد ڈالی اور پھر اس مقام کی اہمیت بڑھتی گئی۔

حضرت شاہ محب اللہ آبادی جیسے عظیم المرتبت بزرگ اور شیخ کبیر
نے اس علاقہ کے مشرقی حصے کو اپنی تبلیغ کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ حرقہ الوجود
کے ماننے والے اور اپنے دور کے قطب تھے۔ صدر پور ضلع خیر آباد میں ایک
فاروقی خاندان میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب حضرت شیخ گنگو شکر سے ملتا ہے
شیخ نظام الدین فاروقی ابوسعید گنگوہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ پیر طریقت کے
حکم پر الہ آباد کو وطن ثانی بنایا۔ اور حضرت محی الدین ابن عربی کے عقیدہ کو
ترویج دی۔ اور لاتعداد کتابیں لکھیں۔ لے

اس شہر کو متعدد اولیاء اور صوفیاء کرام نے اپنے قدم مہمنت لڑنے
سے سرفراز کیا اور تبلیغ کی مثالیں قائم کیں۔ یہاں کے چبہ چبہ پران بزرگوں کی
خانقاہوں کے قیام نے گہرا اثر ڈالا۔ اور دیکھتے دیکھتے یہ ظلمت کدہ بقعہ نور
بن گیا۔ الہ آباد کی تعریف میں سید شاہ محمد اجل الہ آبادی رقم طراز ہیں: لے

عجب شہر و عجب وادی عجیب، بود و لچرپ از فت زریبا
مقام اولیاء اللہ اینجا است کہ ذکر حق بہ ہر رنگ کو چہ غوغا است
الہ آباد کی قدیم آبادی دریا کے گنگا کے مشرقی جانب ایک جگہ
”پرستھان پوری“ کے نام سے مشہور تھی جو اب جھونسی قدیم کے نام سے مشہور
ہے۔ یہاں ایک خود مہاراجہ اور اس کے ورثا راج کرتے آئے تھے عہد
خلجی میں اس سرزمین پر سب سے پہلے تشریف لانے والے بزرگ حضرت
سید شعبان الملت ہیں جنہیں حضرت مخدوم سید شاہ منہاج الدین نے
جھونسی کی طرف بھیجا۔ اور آپ نے یہاں آکر راجہ نہر لونگ سے جمائیا
اور اپنی انگلیوں کے اشارے سے راجہ کے قلعہ سمیت پوری جھونسی کو ان
لے مرآۃ الغیال، تذکرہ اہرود و اہر۔

ریا۔ ۷۰
حضرت سید شعبان الملت ۶۶۰ھ میں بھکر کی سرزمین پر پیدا ہوئے
آپ سید محمد کی اولاد میں سے تھے حضرت مخدوم رکن الدین اور حضرت شیخ
منہاج الدین حسن اور مخدوم بہار سے اکتساب فیض کیا اور خلافتیں پائیں ۷۸۵ھ
میں آپ نے وصال فرمایا۔ عہد خلجی میں جھونسی کی سرزمین سے اسلام کی بڑی تبلیغیں
ہوئیں۔ ۷۰

جہاں اب عہد رفتہ کی قدیم عمارتوں کے کھنڈرات اور اجڑے ہوئے
نشانات پائے جاتے ہیں حضرت شعبان الملت ہی کی طرح حضرت سید شاہ
تقی الدین بھی مشہور روزگار بزرگ اور ولی ہیں جو اپنے والد کے مرید اور حضرت
نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے خلیفہ بھی ہیں۔

حضرت شاہ مدار نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا الحمد للہ! دریں
دیار یکے کی دیدیم“ اور حضرت ملا گنج نے آپ کی شان میں شعر لکھا ہے
اے تقی الدین توئی سیفِ خدا
سرِ عدوے را بکن از تن جدا

۸۲۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ ۷۰
قلعہ کی شمالی جانب ایک بلند ٹیلے پر آپ کا مزار مقدس ہے اور آپ کے
خانوادے کے دیگر بزرگوں کے بھی مزارات ہیں۔

وسط شہر میں ایک وسیع باغ ہے جو ”خسرو باغ“ سے مشہور ہے۔ اس
کی نسبت امیر خسرو دہلوی کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ شہزادہ خسرو کی طرف ہے۔
یہ باغ میں چند مقبرے ہیں جنہیں خسرو اور ان کے متعلقین کی قبریں ہیں۔
اسی تاریخی شہر کے مغربی حصے میں عارف باللہ حضرت منو علی شاہ

۷۰ منع الانسا، فضائل التقی قلی، مفتاح التواریخ ۲، مرآة الحیال، تذکرہ جواہر روزاہر
۷۰ فضائل التقی قلی، مفتاح التواریخ۔

فی اندر غنہ کا مزار بیدار دیکھئے۔ آپ کی عویل عمری کا ذکر گزشتہ تذکرہ میں
 مذکور ہے۔ آپ کی عمر کو تین سو و دس سال کی جاتا ہے۔ اور آپ کو حضرت سید
 عزت الاعظم بیکانہری اندر غنہ کا حقیقی بھائی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ سلاطین
 و قہارین کے معروف بزرگوں میں سے ہیں اور شاہ دولہا کے خلیفہ فقیر
 مت پرچہ میں آپ کا روضہ مزاج خلافت ہے۔ جو دائرہ شاہ منور علی

عبدورحمن بن عبدالمطلب نے اپنے والد کو دیکھ کر فرمایا: "اے خداوندی! یہ میرا بیٹا ہے۔" (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۳)

حضرت ابو موسیٰ غنیہ غازی پور میں ۳۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علمِ
 ہرے کتاب فیض فرمایا۔ اور حضرت میر کاظمی سے بیعت کی۔ آپ سے
 سنی عقائد پر کلام تھا۔ آپ نے دائرہ کھنچ کر اپنی خانقاہ کے حدود
 کو مقرر فرمائے۔ آپ سے خانقاہ میں دائروں کے نام سے منسوب و مشہور
 ہیں۔ آپ کے بعد حضرت شیخ محمد نجفی، پھر آپ کے بیٹے شاہ محمد ناصر
 علیہ السلام حضرت شاہ محمد اہل البیادہ پھر حضرت شاہ ابو المعالی پھر
 علامہ اعظم البیادہ اور پھر شہید البیادہ کے بعد حضرت سید شاہ احمد
 علی سجادہ نشین بنے۔ ان کے بعد ان کے فرزند مولانا سید شاہ محمد افضل
 دائرہ شاہ اہل البیادہ کے موجودہ سجادہ نشین ہیں۔ ا۔

دائرہ میں کبھی بارہ دائروں کا وجود تھا جنہیں مشہور دائرہ اس طرح
دائرہ شاہ اجل، دائرہ شاہ محب اللہ، دائرہ شاہ منور علی، دائرہ شاہ
اللہ، دائرہ شاہ محمدی،
دائرہ شاہ محمود وغیرہ۔

۱۔ حضرت اشعرؒ، شکر الکریم، نور اللہ رفیع، مخزن کائنات وغیرہ۔

دائرہ شاہ اجل کے بانی شیخ محمد افضل الہ آبادی ہیں ۸۸۰ھ میں آپ نے مسیروں اور ۱۰۹۲ھ میں اپنی خانقاہ بنائی تھی۔ مولانا سید افضل جلی اس دائرہ کے سجادہ نشین ہیں اور سلسلہ سجادگی قائم و دائم ہے۔ موصوف اور یہاں کے نائب سجادہ نشین مولانا سید اکمل جلی سے ناچیز راقم السطور کو بڑی عقیدت ہے اس خانوادے سے دین کی بڑی خدمتیں انجام دی گئیں۔ اس دائرہ کے بارے میں میری نگاہ سے بہت سے ماضی گزرے۔ آج بھی یہ دائرہ روحانی اور ادبی مرکز بنا ہوا ہے۔

اسی طرح خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ چک بھی غیر معمولی شہرت کی حامل ہے جس کے سجادہ نشین حضرت سید شاہ عزیز احمد صاحب حلیمی ابوالعلائی ہیں جو اپنے دور کے جدید عالم اور حکیم ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی درجہ خلیق و خوش مزاج بھی ہیں۔ ان کی بذلہ سنجیوں کے بہت سے جملوں کے تذکرے علامہ نظامی کی تصنیفات میں ملتے ہیں جو بانداز تردید و تغلیط انھوں نے پیش کئے ہیں۔ الحمد للہ! یہاں حضرت سید شاہ عبداللہ اور حضرت شاہ عبدالعلیم علیہما الرحمۃ والرضوان کے مزارات اقدس بھی ہیں۔ اور یہاں سے سلسلہ ابوالعلائیہ کی تبلیغ بھی جاری ہے۔

اسی الہ آباد سے متعلق قصبہ کٹر ابھی ایک بستی تھی جو مسلمانوں کے شمالی ہند میں اولین فتوحات کے زمانہ سے ہی اسلامی تہذیب معاشرت کا مرکز بن گئی۔ کٹر میں سب سے پہلے عالم جن کا پتہ چلتا ہے وہ سید قطب الدین محمد حسنی ہیں آپ غزنی میں ۸۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ناسازگار حالات کے باعث قطب الدین التمس کے زمانے میں ترک وطن فرما کر ہندوستان آئے۔ ہندوستان عالم صاحب ولایت اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت غوث پاک کے مرید تھے۔ سلطان ناصرین محمود کے عہد میں ۶۷۶ھ مطابق ۱۲۷۸ء آپ راہی ملک بقا ہوئے۔

اسی کٹرہ سے متعلق ایک اور سستی مانک پور ہے۔ عہد تغلق میں یہاں

لے

مولانا جلال الدین مانک پوری کا پتہ چلتا ہے۔ لے
اسی شہر الہ آباد کی شمالی جانب قصبہ پھول پور ہے جہاں انکو (۱۶۷۵)
فیکٹری ہے یہاں بھی شرفاء و نجبا کی آبادیاں ہیں جس کے مضافات میں دگر ٹھ
بابو پورہ وغیرہ شہرت کے حامل ہیں ایسے ہی علاقوں میں ایک چھوٹا سا مردم خیز
موضع ہے یوں تو خالص دیہات ہے مگر نام بہت خوبصورت یعنی "سرائے غنی"
ہے۔ علامہ مشتاق احمد نظامی کی ولادت اسی موضع میں ایک روایت کے
مطابق ۱۹۲۹ء میں ہوئی۔ لیکن ص ۱۹۲۲ء ہے جیسا کہ موصوف اپنی

کتاب خطبات نظامی میں لکھتے ہیں :
مجھے اچھی طرح یاد ہے کسی موقع پر کسی کو بتاتے ہوئے والد مرحوم

نے ۱۹۲۲ء فرمایا تھا۔ لے

بہر حال یہ کسے خبر تھی کہ "سرائے غنی" کبھی اپنے نام کا اثر دکھائے
گا اور ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اپنی آغوش کے پروردہ طفل نوخیز پر
ایسی بارش کرم فرمائے گا کہ ہر اعتبار سے مالا مال کر دے گا۔ یہی نہیں سرائے
غنی سے نکال کر شہر تک پہنچائے گا۔ اور پھر وہی پروردہ کرم شہر سے صوبہ اور
صوبہ سے ملک اور ملک سے براعظم ایشیا تک چھا جائیگا۔ لیکن حضور مجاہد
مولانا حبیب الرحمن اڑیسہ، دورانِ تعلیم ہی فرماتے تھے کہ

"مشتاق سے الہ آباد میں کام لیتا ہے۔"

ایک دلی کی حقیقت آشنا نگاہوں نے علامہ کے اندر مخفی جوہر کو دکھ
لیا تھا اور پھر دلی کی بات خالی کب جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دیکھتے دیکھتے
کورودہ علاقے کا یہ نو نہال ملت اسلامیہ کے افق پر آفتاب و ماہ تاب
بن کر چمکا اور مشتاق احمد نظامی کے نام سے مشہور ہو کر فاضل علوم مشرقیہ ہو گیا۔

لے آئینہ اودھ، تذکرہ علمائے ہند۔ ۲ خطبات نظامی ص ۱۶۔

نام و نسب

آپ کا نام مشتاق احمد ہے لیکن معقولات
و منقولات کے جید عالم شمس العلماء حضرت
علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ سے شرف
تلمذ حاصل ہونے کی بنیاد پر آپ نے ”نظامی“ کی نسبت پسند فرمائی اس طرح سلطان المشائخ
حضرت نظام الدین محبوب الہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی شرف انتساب ہو جاتا ہے۔
آپ مسلک گامی حنفی رضوی ہشربا قادری اشرفی اور نسباً ملک زادہ تھے سمرانی
ملک زادوں کی بستی ہے اور اس کے ارد گرد دیگر موضوعات میں بھی ملک برادری کے
زمیندار اور رؤسا آباد ہیں۔ ملک زادہ ہونے کے اعتبار سے آپ کا خاندانی پیشہ زمینداری
ہے۔

ملک برادری سے متعلق مولانا سید مناظر حسن گیلانی کی رائے سے اندازہ ہوتا ہے
کہ ملک برادری کا دینی و دنیاوی اعتبار سے کیا مقام ہے وہ اس برادری کے مشہور و معروف
عالم حضرت شاہ محب اللہ بہاری کے سلسلے میں رقمطراز ہیں :
”محب اللہ جو اپنی نسبت بہاری سے ظاہر ہے کہ بہار سے تعلق رکھتے ہیں مولانا
نے ”سبحۃ المرجان“ میں لکھا ہے کہ کٹر انامی گاؤں جو محب علی پور پر گنہ سے صوبہ بہار میں
تعلق رکھتا ہے پیدا ہوئے۔ اور بہار کی ایک شریف قوم ”ملک“ جس کی اس زمانے
میں بھی اس صوبہ میں معقول تعداد ہے اور دین و دنیاوی ہر حیثیت سے مسلمانوں میں امتیاز
رکھتی ہے نہ صرف قدیم بلکہ جدید تعلیم یافتوں کا بڑا طبقہ بہار میں ملک ہی قوم سے تعلق
رکھتا ہے۔ اپنی کتاب سلم و مسلم جو بقول مولانا شبلی درس نظامیہ کے نصف نصاب
کو اپنے نیچے تقریباً دو سو سال اس نے دبائے رکھا۔ قاضی، حمد اللہ، ملا حسن، ملا امین
شرح سلم، بحر العلوم یہ درس نظامیہ کی مشہور کتابیں سلم ہی سے تعلق رکھتی ہیں لیکن بظاہر
اسی چیز نے ملک ملا محب اللہ مرحوم کو محمود اقران بنادیا۔ یوں تو اپنے زمانے میں دنیاوی
حیثیت سے ترقی کر کے اس آخری نقطہ پر پہنچ کر ہے جو ملاگیری کے پیشہ کرنے
والوں کی معراج کمال تھا۔ یعنی شاہ عالم ابن اورنگ زیب نے برسر حکومت آنے کے

بقول مولانا آزاد صدارت مجموعہ ممالک ہندوستان کے منصب جلیل پر مرفراز کیا جو
ہندوستان میں شیخ الاسلامی کے عہدہ کے مرادف تھا۔ لہ

ایسے ہی ملک العلماء حضرت مولانا طفر الدین علیہ الرحمہ جو اعلیٰ حضرت کے
خلیفہ اور ممتاز شاگرد ہونے کے علاوہ بخاری شریف کے شارح بھی ہیں وہ بھی
ملک ہی قوم کے ایک ممتاز فرد ہیں اسی لئے انہیں "ملک العلماء" کا خطاب دیا گیا۔
حضرت ملک العلماء نے "سوانح اعلیٰ حضرت" میں ملک قوم کا شجرہ نسب بھی
قلیند فرما دیا ہے۔

تعلیم و تربیت اور اساتذہ

آپ کے والد ماجد ملک زادہ الحاج
محرم علی علیہ الرحمہ ایک اسکول کے معلم
تھے اور عارف حق حضرت سید شاہ

ظہور حسام علیہ الرحمہ مانپوری سے شرف بیعت حاصل تھا۔ آپ ایک درویش صفت
بزرگ نہایت منکسر المزاج، انتہائی خود دار اور متقی و پرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ
بلند ہمت اور عزت و سخاوت جسے خصائل و فضائل کے بھی حامل تھے خدمت خلق
کے تحت موثر اور مجرب تعویذ بھی لکھتے تھے۔ آپ کا مزار مبارک الہ آباد ہی میں
واقع ہے جو ولی برحق قاضی صدر الدین علیہ الرحمۃ کے مزار سے بالکل متصل ہے۔
علامہ نظامی علیہ الرحمہ آپ کے اکلوتے بیٹے تھے جن کی ابتدائی تعلیم آپ ہی کی نگرانی
میں اپنے گاؤں ہی میں ہوئی اور اپنے والد ہی کے زیر سایہ رہ کر اسلامی شعائر و
آداب سے آراستہ ہوئے۔

درجہ چہارم میں کامیابی کے بعد آپ کو عربی تعلیم دلائی جائے یا انگریزی؟
اس معاملے میں آپ کے والد ماجد نے اپنے پیرومرشد سید شاہ ظہور حسام علیہ الرحمہ
کی خواہش کو مقدم رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے آخری رائے یہ دی کہ اس کی
عربی تعلیم و تربیت کے لئے حضور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن علیہ الرحمہ کے
آغوش تربیت میں دیدیا جائے۔ اور مدرسہ میں داخلہ سے پہلے سیدی سرکار

لہ مقالات شبلی - ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت -

سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے آستانہ اقدس کی زیارت کرائی جلسے۔ چنانچہ حکم کے بموجب رجب المرجب ۱۲۹۶ھ میں آپ کو اجیر شریف لے جایا گیا۔ اور اسی سال ماہ شوال المکرم میں اتر پردیش کی بہت سی قدیم درسگاہ "مدرسہ سحانیہ" میں حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے۔

اس زمانے میں مدرسہ سحانیہ کا تعلیمی معیار بہت اچھا تھا اور ان دنوں حضور مجاہد ملت اس کے صدر المدرسین تھے۔ اور حضرت علامہ نظام الدین صاحب قبلہ بھی وہیں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے حضور مجاہد ملت نے ابتدائی عربی قواعد کی تعلیم کے لئے آپ کو مختلف اساتذہ کے حوالے کر دیا۔ حضرت مولانا عبد اللہ صاحب قبلہ مراد آبادی سے ابتدائی عربی قواعد کی تعلیم حاصل کی اور اس کی تکمیل امام النور حضرت مولانا عبد القدوس صاحب بھدر کی سے کی۔ حضرت مولانا حکیم محمد احسن بہاری سے قانونچہ، موجز، شرح اسباب، نفیسی وغیرہ پڑھی۔ اور حضرت مولانا سید عبد القدوس ہی سے متنبی، حماسہ، ہدایہ، علم العروض والقوافی وغیرہ کتابوں کا درس لیا۔ اس کے علاوہ امام رازی کی نہایت الایجاز، رنات الطرب جیسی کتابیں آپ نے حضرت مولانا محمد عمر صاحب قبلہ سے پڑھی۔ یوں ہی اقلیدس وغیرہ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب بجنوری نے آپ کو پڑھائی۔

اسی اثنا میں آپ نے درس نظامیہ کی متعدد کتابیں حضور مجاہد ملت سے پڑھیں مثلاً قصیدہ بردہ شریف، کنز الدقائق اور شرح جامی وغیرہ کے مطالعہ کے لئے انھیں کے پاس جاتے رہے حضور مجاہد ملت کو آپ کی تعلیم و تربیت کا بے پناہ خیال رہتا۔ علامہ کی لگن کو دیکھ کر اس قدر خیال فرماتے کہ آپ کو بعد نماز بھی پڑھاتے تھے پڑھاتے وقت اسلاف کے اصول کے مطابق سطروں پر انگلیاں پھیرتے لیکن آپ کی زیادہ تر تعلیم شیخ المعقولات مولانا مفتی نظام الدین صاحب قبلہ الہ آبادی کی مرہون منت ہے۔

ذہانت و ذوق علم

آپ کی باضابطہ تعلیمی زندگی بیس بائیس سال سے آگے نہیں بڑھی۔ تعلیم کی جو رفتار عام طور پر ہوا کرتی ہے۔ اس سے آپ کا معاملہ مختلف

رہا۔ یہی وجہ تھی کہ کم عمر میں وہ فارسی عربی کے مبادیات سے آگے بڑھ چکے تھے۔ نحو اور معقولات آپ کا پسندیدہ فن تھا آپ کے علمی ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ ہر علم و فن کی کتاب سے اس کی مختصر متن کو یاد کر لیا کرتے تھے چنانچہ اس زمانے میں آپ کو کافیہ، تہذیب، الیساغوجی، نورالانوار کا متن منار اس طرح اور دوسری کتابوں کے متن زبانی یاد تھے۔ اور ان کے اقتباسات سے نہ صرف ساتھیوں کو بلکہ ایسے اساتذہ کو بھی حیران کر دیتے۔ اگر کوئی آپ سے معمولی کتابوں کے سوالات کرتا تو آپ انھیں منطق کے قضیوں اور اصولوں کی روشنی میں جوابات دے کر شہر کر دیتے۔ اس شوق و ذوق اور تعلیم کی دولت نے آپ کے دل و دماغ کو حقیقت آشنا کر دیا جس کی وجہ سے حضور مجاہد ملت دوران تعلیم فرمایا کرتے تھے کہ ”مشتاق سے الہ آباد میں کام لیتا ہے“

مدتوں کی باتیں آپ کے حافظے میں محفوظ رہتیں۔ بعض اوقات گفتگو کے درمیان آپ کی زبان پر زائد مطالعہ کے نقوش اس طرح ابھر آتے گویا ابھی ابھی کتاب دیکھ کر اٹھے ہوں۔ کبھی کبھی تو اساتذہ آپ کی بے باکی سے جھنجھلا اٹھتے پھر ہر بان ہو کر انعام و اکرام سے حوصلہ افزائی فرماتے۔ چنانچہ آپ کے استاد گرامی حضرت شمس العلماء کا بیان ہے :

مولانا مشتاق احمد نظامی بچپن ہی سے بہت حساس اور ذہین واقع ہوئے تھے ان کی ذکاوت نے ہی مجھے ان کا گرویدہ کر لیا تھا اور میں یہ چاہنے لگا کہ ہر مجاہد ملت نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے میں انھیں وہ سب کچھ دیدوں۔ اس سلسلے میں میں باری تعالیٰ سے صمیم قلب سے دعائیں اور سعی بلیغ بھی کرنے لگا۔ اور انھوں نے بھی میری خدمت میں کوتاہی نہیں کی۔ اس کا نمایاں اثر یہ ہوا کہ ان کی

تعلیمی ترقی میں چارچاند لگ گیا۔ اور ان میں ایک خاص بات یہ پیدا ہو گئی کہ درس کے دوران میں جس کتاب کی جیسی تقریر کرتا تھا انھوں نے بعینہ نقل کرنا شروع کر دیا۔ طلبہ نے جب میری توجہ کو ان کی طرف مبذول ہوتے ہوئے دیکھا تو رشک کرنے لگے۔ چند روز کے بعد جب مجھے اس کی اطلاع ملی تو میں نے ان کے ساتھیوں میں یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص آئندہ جمعرات کو پوری ”تہذیب“ زبانی سنا دے گا تو میں اسے ایک سیر مٹھائی کھلاؤں گا۔ (یہ سب لوگ اس وقت تہذیب پڑھتے تھے) جمعرات آنے کو ابھی تین چار روز باقی رہ گئے تھے۔ ان کے تمام ساتھیوں نے کوششیں کرنی شروع کر دیں۔ اور سردھڑ کی بازی لگا دی تاکہ یہ انعام میرے ہی حصے میں آجائے۔ جب جمعرات کا دن آیا اور میں نے ”تہذیب“ سننا شروع کیا کوئی پ، کوئی پ، کوئی پ، تک پہنچ کر سب نے دم توڑ دیا۔ اور یہی ”مشتاق احمد نظامی“ تھے جنھوں نے بسم اللہ کی بے منت کی ت تک بے جھجک سنا دیا۔

پھر وعدہ کے مطابق میں نے ایک سیر مٹھائی منگائی اور مشتاق احمد نظامی کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے سب ساتھیوں کے ساتھ انعامی جشن منایا اس کے بعد میں نے ان کے ساتھیوں سے کہا کہ ”مشتاق“ کی اسی ذہانت اور محنت نے مجھے ان کا گرویدہ کر لیا ہے۔

علامہ اپنی ذہانت و طباعی
کی بنیاد پر اپنے اساتذہ کے
نور نظر اور ہر دل عزیز و

ہم عصر میں سبقت کی چنگاری

تھے ہی اس کے علاوہ آپ کو اپنے ہم عصروں میں جو سبقت حاصل تھی وہ اظہر من الشمس ہے! اس سلسلے میں جہاں بہت سے واقعات و شواہد ہیں وہیں آپ کی تعلیمی زندگی کے اس واقعہ سے بین ثبوت ملتا ہے جو راقم السطور سے آپ کے استاد گرامی حضرت شمس العلماء مفتی نظام الدین صاحب نے بیان فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:

” علامہ کی تعلیمی زندگی کا ایک وہ دور تھا جب کہ وقت کے ممتاز علماء
 بورڈ کے امتحانات میں شرکت معیوب سمجھتے تھے حضور مجاہد ملت بھی انھیں
 تھے اور مولانا نظامی چونکہ میرے اور حضور مجاہد ملت کے ماتحت تھے اسلئے
 اس عیب سے یہ لوگ بھی بچتے تھے۔ اتفاق سے ایک روز مدرسہ مصباح العلوم ہو
 حکیم فخر صاحب مرحوم کے زیر نگرانی چل رہا تھا وہاں کے لڑکوں سے حضرت
 مولانا مشتاق نظامی اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہو گئی تو ان لوگوں نے
 ان لوگوں پر حملے اور آوازیں کسنے شروع کر دیئے اور یہاں تک کہہ دیا کہ درس
 نظامیہ والوں میں درس عالیہ یعنی بورڈ کے امتحانات لینے کی صلاحیت ہی نہیں
 ہوتی۔ اس جملے سے مولانا مشتاق نظامی کے خون میں حرارت و چمک اری پیدا
 ہو گئی نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے طے کر لیا کہ ہم بورڈ کے امتحان میں ضرور شریک
 ہوں گے۔ چنانچہ بغیر ہم لوگوں کے مشورے کے مولانا مشتاق اور ان کے
 ساتھیوں نے مدرسہ مصباح العلوم ہی سے عالم کا فارم تو بھر دیا لیکن انھیں
 اس کا خوف بھی دامن گیر رہا کہ خدا کا خواستہ اگر (حضرت مولانا) نظام الدین
 صاحب نے ناراض ہو کر تعاون سے انکار کر دیا اور ہم لوگ امتحان میں ناکام
 ہو گئے تو مصباح العلوم کے لڑکوں کو طنز کرنے کا مزید موقع ہاتھ آجائے گا۔
 بالآخر کئی روز کی کشمکش کے بعد مولانا مشتاق نے جب ہم لوگوں
 کو فارم بھر دینے کی اطلاع دی اور اپنی معذرت پیش کی تو ہم نے کئی روز تک
 سبق پڑھانا بند کر دیا لیکن پھر ان سے قلبی تعلق نے اپنا غصہ ٹھنڈا کرتے
 پر مجبور کر دیا اور پڑھانا شروع کر دیا اس زمانے میں عالم کے درجے میں
 تفسیر بیضاوی تھی تفسیر بیضاوی کی سورہ بقرہ مکمل، ملاحسن، مختصر المعانی
 وغیرہ ساری کتابیں میں نے پڑھا دیں۔ یہ لوگ خوش خوش امتحان میں شرکت
 ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال پورے اتر پردیش میں صرف چار
 لڑکے فرسٹ (اعلیٰ) آئے تھے جن میں پہلا نام مشتاق نظامی کا تھا۔ اور

دوسرا مولوی غلام کریم کاجوان کے ساتھی تھے۔
 ان کے اس جذبے کو دیکھ کر ہم نے یہ محسوس کیا کہ یہ اپنے معاصر و مقابل
 کے کسی طرح بھی پیچھے نہیں رہنا چاہتے بلکہ ہمیشہ آگے بڑھتے رہنے کے عادی تھے۔

فراغت ابھی درس نظامیہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ اسی میں
 میں اپنے درس عالیہ (یو پی بورڈ) کے متعدد امتحانات
 میں بھی شرکت فرمائی۔ چنانچہ سب سے پہلے ۱۹۴۴ء میں "عالم" کے امتحان میں امتیازی
 نمبروں سے کامیابی حاصل کی اس کے بعد ۱۹۴۵ء میں "منشی" ۱۹۴۶ء میں "فاضل" اور
 ۱۹۴۷ء میں "کامل اور اعلیٰ قابل" کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اور
 اسی سال درس نظامیہ کے تمام درجات اور علوم و فنون سے فراغت بھی حاصل
 ہوئی۔

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا نظام الدین صاحب نے اپنے
 فیوض و برکات سے آپ کو بھرپور نوازا اور معقول و منقول کی ساری کتب میں
 پڑھائیں۔ آپ کی ذہانت و لیاقت کو دیکھ کر ان دونوں اساتذہ نے آپ پر
 بڑی ریاضتیں کیں۔ اور آپ کو درس نظامی کچھ اس انداز سے پڑھایا کہ آپ کو
 اس پر دسترس حاصل ہو گئی۔

اساتذہ کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ یہ باصلاحیت طالب علم آگے چل کر
 بڑے کارنامے انجام دے گا چنانچہ ان حضرات کے انداز سے درست ثابت ہوئے
 اور اپنی فراغت کے بعد علامہ نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیے جن پر اہل اللہ آپا
 ہی کو نہیں پوری دنیا بے سنیت کو فخر ہے۔

نکاح علامہ نظامی علیہ الرحمۃ کی تعلیم و تربیت جاری ہی تھی کہ اسی
 دوران آپ کے والد گرامی نے آپ کے عقد و نکاح کا معاملہ
 اٹھایا۔ چنانچہ آپ کے ماموں ملک الحاج عبدالرؤف صاحب

مرحوم جو حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے خصوصی مریدوں میں سے تھے جنکی وفات
 ۳۱ ستمبر ۱۹۶۱ء میں ہوئی حضور مجاہد ملت کے مریدوں میں حاجی صاحب رحمہ
 کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ سفر حجاز پر روانگی سے پیش تر سلطان پور حبیل میں
 حاضر ہو کر حضور مجاہد ملت کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے تھے۔
 آپ کا نکاح انھیں کی صاحبزادی محترمہ زبیدہ خاتون کے ہمراہ اسلامی
 رسم و رواج کے ساتھ منعقد ہوا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ شادی میں اس قدر سادگی اور شریعت کا اس
 قدر پاس و لحاظ تھا کہ گویا یہ تقریب مسلمانوں کے لئے سنگ میل ثابت ہوئی
 آپ کی اہلیہ انتہائی دیندار، تعلیم یافتہ، نماز و روزہ اور تلاوت کلام الہی کی پابند
 ثابت ہوئیں گھر کے جملہ امور و فرائض آپ نے ولے مہمانوں کے محرم اور گھر کے
 درجنوں افراد کے کھانا کھلانے کا نظم و نسق کا بوجھ انتہائی خوش اسلوبی اور
 خندہ پیشانی سے برداشت کرتیں۔ یوں تو اللہ نے آپ کو کوئی اولاد نہیں
 دیا تھا لیکن گھر کے تمام بچوں پر سے بڑھ کر شفقت و محبت فرماتیں۔ یہی وجہ
 ہے کہ گھر کے تمام بچے آپ کو ”لالی جان“ کہہ کر پکارتے ہیں۔ تا دم تحریر
 موصوفہ حیات ہیں۔ اللہ آپ کا سایہ کرم تادیر سلامت رکھے۔

میں بارہا اس نظریہ کا اظہار کر چکا کہ اس وقت مسلک اہلسنت کو
 سب سے زیادہ نقصان تبلیغی جماعت سے پہنچ رہا ہے ضرورت
 ہے کہ اس کے مقابل سنی تبلیغی جماعت جیسی متوازی جماعت قائم
 کی جائے تاکہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے کے مطابق تبلیغی جماعت کے
 زہریلے جراثیم کی صحیح اور بھرپور مداخلت ہو سکے۔

(علامہ نظامی)



عادائے توصیف



حکومت ہی کرتے ہیں جنکے اخلاق اچھے ہوں۔



صفات حسنہ



تصلب فی الدین



احترام سادات



اساتذہ و اکابر سے عقیدت



سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے "امام" کا خطاب



حضرت مفتی اعظم ہند عقیدہ کا حیر انگیز کوشش



اخلاص



خردہ نوازی



اسیر حبیب



صفات حسنہ

اخلاق و عادات اس کیفیت کا نام ہے جس کے پیدا ہو جانے کے بعد انسان اعمال صالحہ کو انجام دینے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا بلکہ وہ اسی

طرح لطف اور سکون پاتا ہے جیسے اپنے فطری امور انجام دینے کے بعد پاتا ہے اور اس کیفیت کا تعلق انسان کی طرز زندگی سے ہوتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ نیک عادات و صفات کے بغیر کسی بھی شخصیت کا نہ کوئی وقار قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی قول و فعل قابل تقلید ہو سکتا ہے۔ اسی سے ہم علامہ نظامی کو ان کی خصلت و عادات کی روشنی میں سمجھیں اور جانیں۔

حقیر راقم الحروف ۱۹۸۵ء سے دارالعلوم غریب نواز میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے۔ میں نے ان کے بہت سے عادات و خصائل کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا۔ زندگی میں بے پناہ سادگی، حقہ، بٹری، سگریٹ پان، تمباکو، چائے کسی بھی چیز کی عادت و علت نہیں تھی۔ معاملات ہمیشہ صاف پڑوسیوں سے نیک برتاؤ، بازار سے گریز، اور کتاب و قلم کی رفاقت پسند فرماتے تھے۔ آج عموماً بڑے لوگ اپنے معاشرے کے عام لوگوں سے ربط ضبط رکھنا کسر شان سمجھتے ہیں۔ نتیجہً وہ خلوت پسندی، اور خشک مزاجی کا شکار ہو کر متکبر ہو جاتے ہیں لیکن علامہ نظامی میں ایسی کوئی صفت نہیں تھی وہ اس قدر جلیل القدر ہوتے ہوئے بھی اپنے معاشرے کے چھوٹے بڑے ہر فرد سے مربوط و منسلک تھے۔ پھر ایک ایسی ذات جس کا مقصد زندگی ہی معاشرے اور سماج کی قیادت و اصلاح ہو اپنے معاشرے سے بھلا کیسے الگ ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ تعلق مع الخلق بھی تعلق مع اللہ کے لئے ہی تھا۔

معمول تھا کہ راستے میں ملنے والوں سے سلام کرنے میں پہل فرماتے۔ جب کبھی کسی کی زبانی پیغام بھجئے تو سلام ضرور کہلاتے۔ مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے جب تک دوسرا خود نہ کھینچ لے۔

ملنے والوں سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے۔ کانفرنسوں یا عام مجالس میں اگر لوگ احتراماً کھڑے ہو جاتے تو اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے گفتگو کے وقت اہل مجلس کی ہر بات توجہ سے سماعت فرماتے اور خود بھی گفتگو فرماتے تھے لیکن خلاف موضوع بہت کم بات کرتے تھے۔ آپ کی ہر بات میں ایک فکر جھانکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ باتوں میں اس قدر صلاوت و شیرینی، گہرائی و گہرائی اور زبان و ادب کے لحاظ سے اتنی فصیح و بلیغ ہوتی کہ ہر شخص کا جی چاہتا کہ آپ تکلم فرماتے رہیں اور سب سنتے رہیں۔

آپ کی ایک عادت یہ تھی کہ مجلس کے ہر فرد پر اس انداز سے یکساں توجہ فرماتے تھے کہ ہر شخص یہ محسوس کرتا کہ حضرت سب سے زیادہ مجھے چاہتے ہیں۔ اور کوئی یہ محسوس نہیں کرتا تھا کہ کسی کو اس پر آپ نے فوقیت دی ہے۔ اس اخلاقی کمال نے آپ کی شخصیت میں غیر معمولی مقناطیسیت پیدا کر دیا تھا جو آپ سے ایک بار ملنا وہ بار بار ملنے کا متمنی ہوتا اور قریب قریب تر ہوتا چلا جاتا تھا البتہ کچھ ہی لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے مستثنیٰ کئے جاسکتے ہیں جنہیں خود طبعی حسرت ہے۔ تمام دینی اداروں بالخصوص دارالعلوم غریب نواز کے اساتذہ کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ فرماتے تھے۔ تقریر و تبلیغی دورے پر روانگی یا واپسی پر اسے اساتذہ کو یاد دہانے اور موسمی پھلوں اور تحائف سے پر تکلف ضیافت فرماتے۔ اور یہاں کے طلبہ سے تو اس قدر محبت فرماتے کہ اپنی دولت کا بیش تر حصہ نادار طلبہ کی کفالت پر صرف کرتے رہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو کھیلنے کو دتے دیکھ کر زیر لب کراتے اور حسب فرمائش ٹافی، چاکلیٹ، اور اسٹیکس کریم وغیرہ جیسی مرغوب اشیاء سے ان کے لذت کام و دہن کا سامان ہوتا فرماتے تھے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں علامہ نظامی کا طریقہ یہ تھا کہ حق جہاں آیا وہاں خود جھک

تصلب فی الدین

گئے اور دوسروں کو بھی جھکانے کی کوشش کی وہ اپنے عقائد و افکار میں اکابر و اسلاف کے مطابق اس درجہ سخت اور بے لوج واقع ہوئے تھے کہ بال برابر بھی ادھر ادھر ہونا کفر و زندقہ تصور کرتے تھے اس معاملے میں وہ کبھی بھی کمزور اور نرم پالیسی کے مؤید نہیں رہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ خواہ مخواہ مخالف کی ہاں میں ہاں ملائی جائے یہی وجہ تھی کہ بہت سے لوگ ان سے قریب ہوتے اور پھر دور ہو جاتے تھے۔ صرف یہ سوچ کر کہ ان کی راہ پر چلنا دشوار ہے اسلئے میں اپنے ذاتی تجربے اور متعدد واقعات کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ علامہ اپنے دور کے لحاظ سے دینی تہذیب میں یگانہ روزگار تھے ان کا کوئی ہم پلہ نظر نہیں آتا تھا۔

آپ کا معمول تھا کہ اگر کسی سے جماعتی کام لینے تو خواہ معمولی کتابی کیوں نہ ہو پہلے اسے اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لیتے اگر وہ آپ کے معیار عقائد پر پورا اترتا تو اس سے کام لینے ورنہ گفتگو بھی نہ فرماتے یوں ہی غلو طمعیوں میں شرکت سے قطعی اجتناب کرتے۔ ہاں اگر عدم شرکت سے جماعتی نقصان کا خدشہ ہوتا تو اپنی دعوت حق ضرور بلند فرماتے لیکن وہاں بھی مہانت اور اشتراک کی چھائی سے کمال احتیاط فرماتے۔ یادہ لوگ جو اہلسنت کے معمولات و مراسم میں تو شریک ہوتے ہیں لیکن مسئلہ تکفیر میں کف لسان کرتے ہیں خواہ وہ کسی کے ہوں لیکن ایسے لوگوں کو علامہ اپنا نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی ایسے لوگوں کی گو مگو پالیسی سے آپ کا مزاج میل کھا سکا۔ وہ فرماتے ہیں:

”جو سرور کو زمین روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں

سے نفرت و بیزاری کا اظہار نہ کر سکے تو پھر اس کی گو مگو پالیسی

سے ہمارا میل کیسے کھا سکتا ہے۔“ لے

لے مجرم کون ؟ ص ۷

توہین نبوت کے مجرم ہونے کی بنیاد پر انھوں نے ہمیشہ علمائے دیوبند سے گھمن اور سخت نفرت کا اظہار کیا بلکہ بفرمان حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ انھیں موجب قتل قرار دیتے تھے۔

۱۹۶۵ء کے آس پاس کا واقعہ ہے کہ ایک سنجیدہ نشست میں علامہ نظامی مولانا زاہد القادری مفتی ”آستانہ دہلی“ مولانا ابوالوفا نصیحی غازی پوری علیہم الرحمۃ والرضوان اور دیگر معزز حضرات بھی شریک مجلس تھے غیر متوقع طور پر ”حفظ الایمان“ کی عبارت زیر بحث آگئی۔ دوران گفتگو ایک صاحب (جو علم اور عمر دونوں میں علامہ سے بڑے تھے) نے کہا مشتاق! تم لوگ ”حفظ الایمان“ کی عبارت کو محض ایک عینک سے دیکھتے ہو۔

علامہ نے اپنی عینک کو میز پر رکھتے ہوئے فرمایا عالی مرتبت! یہ بریلی کا چشمہ تھا جسے میں نے اتار دیا۔ اور اب ”حفظ الایمان“ کی عبارت آپ کے سپرد ہے کوئی ایسی تاویل فرمائیے جس سے یہ عبارت بے غبار ہو کے رہ جائے؟ یہ سن کر موصوف نے کہا! بھائی تم لوگ بال کی کھال نکالتے ہو اور صرف لفظوں کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ آخر شس انھوں نے اور بھی تو اسلام کی خدمات انجام دی ہیں کچھ اس کا بھی تو لحاظ رکھو؟

علامہ نے فرمایا عالی جاہ! اگر عہد خلافت ہوتا تو آپ دارالقضاۃ میں آگ لگوا دیتے اور ایوان خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ چونکہ قاضی اپنے منصب قضاۃ پر کسی کا کلیجہ چیر کر نہیں دیکھتا۔ اور نہ ہی اس کی نیت و ارادے کی روشنی میں اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے۔ وہ لفظوں ہی کے بال کی کھال نکالتا ہے۔ ایک متقی پرہیزگار، اگر بیوی کو طلاق دے کر قاضی کے روبرو اپنے حسن سلوک کا خطبہ پڑھے اور اس کے اڑوسی پڑوسی اس کی ہمنوائی کر کے قاضی کو یقین دلائیں کہ ہم نے آج تک اسے غصہ ہونے نہیں دیکھا۔ یہ انتہائی شریف اور نیک ہیں اس لئے طلاق کا جملہ نہ بکھا جائے

اسکی بلکہ گذری ہوئی زندگی کا جائزہ لیا جائے اور بالفرض اگر طلاق کا جملہ نکل ہی گیا تو مہنی کے روشن و تابناکی کے باوجود صرف لفظ طلاق سے اس کے کئے دھڑے پر پانی نہیں پھرنا چاہیے۔ تو یہ بتائیے کیا اس لمبی چوڑی تقریر سے قاضی اپنے قانون کی گرفت ڈھیلی کر دے گا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ طلاق کے حلقے کی روشنی میں طلاق رجعی، طلاق بائن طلاق مغلطہ جو واقع ہوتی ہوگی۔ قاضی اس کا حکم صادر کر دے گا۔

بس اسی قانون کے تحت یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اگر کسی نے بظاہر پوری زندگی اسلام کی خدمت کی ہو، اور ہزاروں رسائل لکھے ہوں لیکن اگر وہ اس کی آڑ میں امانت رسول جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے گزرنا چاہتا ہے تو قانون اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔

اتنے میں موصوف کہنے لگے۔ مشتاق! اس کی کوشش نہ کرو کہ اس باب میں میں تمہارا ہم خیال ہو سکوں گا۔

علامہ نے فرمایا۔ میری گفتگو کا یہ مقصد نہیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ:

”علمائے بریلی“ کی دلیلیں توڑ کر آپ مجھے اپنا ہم خیال بنالیں۔ لہ

میری فطرت کھا نہیں سکتی فریب راہ بر

میں تو منزل ساز ہوں آوارہ منزل نہیں

نومبر ۱۹۶۳ء کا واقعہ ہے کہ علامہ مغفور پورنیہ اور مغربی دینا چپور کے تقریری دورے پر تھے کنگن کے قریبی حلقے کی بھی دعوت آپ نے یہ سوچ کر منظور کر لی کہ سنیوں کا جلسہ ہو گا مگر جب یہ معلوم ہوا کہ دیوبندیوں کا اجلاس ہے تو آپ نے ”سید عبدالغنی“ کی معرفت خط میں یہ لکھ کر ٹھکرا دیا کہ میں ایسے جلسوں میں شرکت نہیں کرتا اور اگر میری عدم شرکت سے علمائے دیوبند کو یہ گمان ہو کہ ان کے ڈر سے شرکیہ نہیں ہو رہا ہوں تو مجھے مناظرہ کا چیلنج دیدیں۔ میں بحیثیت مناظر شرکت کرنا

لے مجرم کون ہے ؟

آخر کار نہ انھیں یہ کرنا تھا نہ کیا۔
تقریر ہو یا تقریر وہ اپنے مشن کو کسی موقع پر نظر انداز نہیں کرتے تھے
اپنے مکتبہ فکر کی اشاعت و ترجمانی میں دو ٹوک بات کرتے تھے نہ تو داد و تحسین کی
پر واہ کی، نہ ہی کسی خارجی دباؤ کو قبول کیا۔

چنانچہ ایک مرتبہ بمبئی کی کسی مشہور جگہ پہ ایک پروگرام پہ جب آپ کا جانا
ہوا تو چند حضرات نے آپ سے فرمائش کی کہ تقریر ایسی ہو جس کے سمجھی مارج ہوں اور
اس ضمن میں انھوں نے ایک صاحب کا تذکرہ کیا کہ جب وہ تشریف لاتے ہیں تو
ان کی تقریر میں سستی اور دیوبندی دونوں ہی واہ واہ کرتے ہیں۔ لہذا آپ کا بھی
یہی انداز ہونا چاہیے۔

علامہ نظامی نے فرمایا میرے پاس کوئی ایسی تقریر نہیں ہے جس سے
دیوبند دیوں کو خوش کرنے کے علاوہ آپ جیسے سنیوں کی تفریح طبع کے لئے
کوئی میٹر بل استعمال کر سکوں۔ میرے پیارے! تقریر کا مقصد واہ واہ اور
پر جوش نعرے نہیں ہیں یہ تو ماری کا کام ہے کہ وہ اپنی ڈگڈگی پر راہگروں کو
اکٹھا کر لے۔ اے

پیٹ اور ملک ہی نہیں سب کچھ
ہے بڑی چیز ایساں بھی

احترام سادات
آپ آل رسول کی عزت و عظمت کو اپنے لئے رفع درجات
کا ذریعہ تصور کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ:

”آل رسول کے تلواروں کی خاک ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے ان کی عقیدت
و محبت میں حلاوت ایمانی ہے۔ ان کی محبت حاصلِ زیست و متاع
زندگی ہے۔ اگر وہ ہم جیسوں کو اپنا غلام کہہ دیں تو فخر و مباہات
سے ہمارا سرا و پنجا ہو جائے۔“

اے مجرم کون۔

جہاں اور جس موقع پر بھی سادات سے ملاقات ہوتی۔ بڑے عقیدتمندانہ
 اور والہانہ انداز میں ملتے اور دست بوسی و قدم بوسی کے جذبے سے اس قدر رشار
 تھے کہ اس جذبے کی عجلت و سبقت سے سادات کا چننا دشوار ہو جاتا تھا۔
 علامہ سید مظفر حسین صاحب کچھوچھو شریف (سابق ایم۔ پی) سے آپ کے
 تعلقات عقیدت مندانہ بھی تھے اور معاصرانہ بھی۔ موصوف کو برادر مکرم سے
 یاد کرتے موصوف کی شان میں علامہ کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے جو محض ان کی عقیدت
 و محبت کا آئینہ دار ہے :۔

وہ سردار زمانہ ہیں جو اولادِ پیمبر میں

اسی گھر کی نشانی میرے مولانا مظفر میں

یوں ہی شیخ طریقت علامہ سید شاہ عزیز احمد الوہابی العلامی الہ آباد سے بھی
 علامہ کے بڑے گھرے اور دیرینہ روابط تھے۔ حقیر اقم الحروف نے دارالعلوم عربیہ
 کی ”سرکار مدینہ کانفرنس“ وغیرہ کے مواقع پر کئی بار موصوف سے ان کے احترام
 و عقیدت کے مناظر دیکھے۔ موصوف سے علامہ کی عقیدت کا ایک انداز یہ بھی
 تھا کہ دارالعلوم کے جلسہ آغاز بخاری شریف اور ”سرکار مدینہ کانفرنس“ کا افتتاح
 تادم حیات موصوف سے ہی کرتے رہے اور جب تک موصوف جلسہ گاہ تشریف
 نہیں لے آتے علامہ عالم اضطراب میں مبتلا رہتے۔ اور پھر دور ہی سے دیکھ کر خوش
 ہو جاتے اور نعرہ لگانے لگتے۔ یہ منظر دیکھ کر حاضرین انگشت بندال رہ جاتے۔
 میرے کرم فرما ڈاکٹر سید سمیم گوہر صاحب پی، ایچ، ڈی۔ اپنے والد
 سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ سے علامہ کی خوش عقیدگی کا ایک حقیقت افروز
 واقعہ نقل کرتے ہیں کہ سن ۱۹۷۷ء میں جب سید صاحب دوسری بار مناسک حج ادا
 کرنے کے بعد واپس آ رہے تھے تو اس وقت علامہ نظامی بلی ہی میں موجود تھے۔
 اور انھیں سید صاحب کی واپسی کی خبر پہلے سے ہو چکی تھی۔ چنانچہ انھوں نے
 ایک شخص کو سید صاحب کے پاس گودی ”بندرگاہ“ بھیجا۔ اور سنی جمعیتہ العلماء

کے دفتر میں قیام کرنے کی دعوت دی۔ سید صاحب قبلہ کے ہمراہ ان کے صاحبزادے
ڈاکٹر سید شمیم گوہر اور جناب محمد امیر ایل صاحب بھی تھے جب یہ حضرات ٹیکسی کے
ذریعہ آل انڈیا سنی جمعیتہ العلماء کے دفتر پہنچے تو حضرت علامہ نے بڑی خندہ پیشانی
سے استقبال کیا اور بڑی عمدہ ضیافت فرمائی۔ ناواقف افراد علامہ کی عقیدہ مندی
اور احترام و تعظیم کے ان مناظر کو دیکھ کر حیرت میں تھے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں جن کی
خاطر علامہ اپنا دیدہ و دل فرس راہ کئے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر سید شمیم گوہر صاحب اپنی کسنی اور تعلیمی دور کا ایک واقعہ یوں
تحریر کرتے ہیں :

”علامہ شتاق احمد نظامی جیسا سادات کرام کا ادب کرنے والوں کو راقم
نے بہت کم دیکھا ہے میں جب بھی علامہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس خاکسار کا بہت
احترام فرماتے، مصافحہ کے لئے کھڑے ہو جاتے اور عموماً چلے بسکٹ سے ضیافت
فرماتے۔ اس وقت میں جامعہ حبیبیہ مسجد اعظم الہ آباد میں زیر تعلیم تھا میں نے اپنے
ایک ہم سبق ساتھی سے پوچھا ”یار! میں جب بھی حضرت علامہ نظامی صاحب قبلہ
کے پاس حاضر ہوتا ہوں تو حضرت موصوف نہ صرف میرا بہت احترام کرتے ہیں
بلکہ خدمت بوسی بھی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مجھے بڑی ندامت محسوس ہوتی
ہے۔ اس نے کہا سید صاحب! آپ سید زادے ہیں حضرت آپ کی سیادت
کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں۔ وہ سید زادوں سے بہت عقیدت رکھتے ہیں۔“
دائرہ شاہ اجل الہ آباد کے علم و فضل سے بھی علامہ نظامی بے انتہا متاثر
تھے اور خود راقم بھی اس خالوادے کا عقیدت کیش ہے۔ اس دائرہ کے نائب
سجادہ نشین مولانا اکل صاحب اجلی نے راقم سے بیان فرمایا کہ حضرت علامہ کو
اس دائرہ سے ایک خاص عقیدت تھی۔ میں نے اکثر دیکھا کہ باہر تشریف لے جاتے

لے حجاز جدید دہلی ستمبر ۱۹۹۱ء

ہوئے جب وہ سڑک سے گذرتے اور اگر وقت ہوتا تو بزرگوں کے مزارات پر ضرور حاضری دیتے اور اگر وقت نہ ہوتا تو باہر روضے کے رکھے ہوئے پتھروں کو جھٹکتے ہوئے گذر جاتے۔ موصوف اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ علامہ سے جب جب عید کی نماز کے بعد شیخ محمد افضل الہ آبادی کے روضہ میں ملاقات ہوئی۔ ان سے مصفا اور معانقہ ہوا اور بے جھجک قدم چوم لئے اور اس کمترین کی دست بوسی کی انھوں نے ازدحام کی کوئی پرواہ نہ کی۔ نہ اپنی عظمت کی، ان کی اسی صفت نے انھیں عظمت و شہرت عطا کیا جو ان کے عصر میں کسی کو نصیب نہ ہوئی۔

حضرت اکمل میاں صاحب برابر دارالعلوم غریب نواز شریف لاتے تھے اور آج بھی علامہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا انوار احمد نظامی صاحب کے پاس تشریف لاتے رہتے ہیں۔

اپنے اساتذہ کی اطاعت اکابر و
اساتذہ و اکابر سے عقیدت مشائخ سے عقیدت و محبت معاصر
 کے مرتبوں کا پاس و لحاظ ان کی زندگی

کا طرہ امتیاز تھا نشست و برخاست، اطاعت و جاں نثاری، گفت و شنید کے ذریعہ علی طور پر انھوں نے اپنے بزرگوں کی عظمتوں کو اجاگر کیا۔

مولانا مفتی نظام الدین صاحب قبلہ سے علامہ کو شرف تلمذ حاصل تھا۔ وہ فرماتے ہیں ان کی آخری عمر میں بھی اپنے استاد کا ادب و لحاظ اتنا رہتا تھا کہ اگر میں ان کو کسی وقت زور سے ڈانٹ دوں تو لرزہ بر اندام ہو جایا کرتے تھے۔ اسنت کا کوئی بزرگ ان کے بہاں مہمان ہوتا تو اس کے لئے وہ فرش راہ ہو جایا کرتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری دنیا میں وہ مخدوم ہو کر چلے۔

راقم نے بار بار دیکھا کہ مفتی صاحب کا دولت کدہ علامہ کے مکان سے بالکل متصل واقع ہے اور تقریباً چالیس سال کا ساتھ رہا لیکن کبھی بھی ان کی آنکھ سے آنکھ ملا کر گفتگو نہیں کی۔

اصییر:

حضور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن صاحب عین الدین علیہ الرحمہ سے آپ کو شرف تلمذ اور شرف بیعت دونوں حاصل تھا موصوف کے لئے ”مجاہد ملت“ کی تجویز آپ ہی کی نیاز تھی کاوش حقی جو خطاب نام سے بھی زیادہ مشہور تھا۔ مجاہد ملت سے آپ کو قلبی لگاؤ اور والہانہ محبت تھی جس کا اظہار آپ ”امیر حبیب“ لکھ کر کیا کرتے تھے یہ موت سے آپ کی محبت و عقیدت کا فیضان ہمیشہ آپ پر رہا۔

حضور مجاہد ملت سے علامہ کی بے لوث محبت اور عقیدت کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ جب ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں آپ کلکتہ کے پروگرام پر پہنچے تو آپ کی قیام گاہ پر کچھ احباب بغرض ملاقات حاضر ہوئے ان میں سے ایک صاحب نے آپ سے پوچھا۔

کہ بعض لوگوں کو شکایت ہے کہ آپ مجاہد ملت کو ایسے ہی مانتے ہیں جیسے سلمان غوث اعظم اور غریب نواز کو۔

علامہ نظامی نے یہ بات سن کر جو سنجیدہ جواب دیا وہ ملاحظہ فرمائیے۔ میں بھی مسلمان ہوں اور سرکار غوث الاعظم اور سرکار غریب نواز کا عقیدت کیش ان پر میری جان و مال قربان ہے البتہ یہ احساس شدت سے دامنگیر ہے کہ ان بزرگوں کی رفعت شان کا کیا کہنا۔ سیدی و مولائی امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی سچا پاتا تو مولانا حبیب الرحمن کی نقش برداری کی بدولت نہ تو مجھے مجاہد ملت کے متبع سنت ہونے میں شبہ ہے نہ ہی ان کی ولایت میں میرا مزاج نہایت ہی نقاد اور نکتہ چیں ہے کسی کی شخصیت کو تسلیم کر لینا یا کسی کو فنکار مان لینا میرے لئے آسان نہیں۔ برسہا برس اپنے ہر کار کی خدمت کرتا رہا صبح دیکھی، شام دیکھی، خلوت و جلوت دیکھی۔ سند درس و تدریس میدان مناظرہ میں دیکھا، اپنوں و غیروں میں دیکھا، خالص مذہبی اسٹیج پر دیکھا تو سیاسی پلیٹ فارم پر بھی دیکھا اور اس پیرانہ سالی میں جیل کے اندر بھی دیکھا

جیل کے باہر بھی دیکھا۔ دنیا بھول جائے تو بھول جائے مگر میرے بھولنے کی بات نہیں مجھے اپنی قسمت پر آج فخر ہے کہ میں نے انھیں پا کر سب کچھ پالیا۔
 ۱۹۴۴-۴۵ء کا واقعہ ہے آستانہ غریب نواز پر شاہجہانی مسجد میں
 پاسبان ملت کی ملاقات حضرت شیر بیشہ اہلسنت علامہ حسرت علی خان صاحب
 علیہما الرحمۃ والرضوان سے ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جبکہ شیر بیشہ اہلسنت لیگ
 اور کانگریس کے مسئلے میں پوری ملت اسلامیہ سے الگ تھلگ ایک مسلک
 کے حامل تھے۔ پاسبان ملت کو اس بات کا اچھی طرح علم تھا مگر وہ اپنی بے پناہ
 نیاز مندی و عقیدت مندی کی بنیاد پر شیر بیشہ اہلسنت کی قدم بوسی سے
 مشرف ہوئے۔ مصافحہ و معانقہ کے بعد شیر بیشہ سنت نے فرمایا: اشتاق
 اب تو مولانا حبیب الرحمن بھی پیلے ہو گئے۔“

یہ سن کر پاسبان ملت نے انتہائی ادب سے عرض کیا جو کچھ کہنا ہو مجھے
 کہہ لیجئے انھیں کچھ نہ فرمائیں۔ اس کے بعد شیر بیشہ سنت مسکراتے ہوئے
 فرماتے ہیں ارے بھائی! ان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں مگر تم سب صلح کل
 ہو گئے۔ آخر میں انھوں نے آپ کو گلے لگایا اور انتہائی اخلاص و محبت سے
 رخصت کیا۔ علامہ نے چلتے چلتے یہ بات کہی کہ آپ سے آج بڑا دکھ اور
 صدمہ لے کر جا رہا ہوں مگر اس کا انھوں نے کوئی اثر نہ لیا۔
 عی مگو بایا حرف نالام بزگ گل طاقت شتر ندارد
 یوں ہی اکابر کے سلسلے میں ایک شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے
 فرمایا:-

جس نے دنیا میں دنیا کو کھو دیا ہو اس حیثیت سے مجاہد ملت
 سے متاثر ہوا۔ ۳

۱۔ پاسبان دسمبر ۱۹۵۹ء ۲۔ پاسبان اگست و ستمبر ۱۹۶۰ء ۳۔ پاسبان جنوری ۱۹۶۹ء

حنور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی شان میں پاسبان ملت کی پیش کردہ
منقبت کا یہ شعر علامہ کی عقیدت و محبت کا ترجمان ہے۔۔۔
تیرے جلوؤں میں نہ سائی آنکھ اپنی مدتوں
اب کوئی ججتا نہیں میری نظر کے سامنے

سیدنا علی حضرت کیلے "امام" کا خطاب

یوں تو علامہ کو قوت

کی تمام تاریخ ساز

شخصیتوں سے عقیدت تھی لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا حب صادق
تاجین حیات آپ کے دل و دماغ پر بادل بن کر چھایا رہا۔ اور ان کی الفت و
محبت آپ کی تائید و رہبری کرتی رہی۔ یہ ان کی بے پناہ عقیدت ہی تو تھی کہ مذہبی
اسٹیج سے لے کر ماہنامہ پاسبان "ہفت روزہ تاجدار" اور دیگر تصنیفات
کے صفحات تک "بریلی ہمارا مرکز ہے" کا اعلان و پرچار کرتے رہے انھوں
نے جیتے جی کبھی بھی یہ برداشت نہیں کیا کہ ان کے مرکز عقیدت پر کوئی آغ
آئے۔ فاضل بریلوی سے علامہ کی عقیدت مندی کے لئے سب سے بڑا
منظر تو "امام" کا خطاب ہے جو سب سے پہلے پاسبان ملت نے لکھا اور کہا
اور آج پوری دنیا نے اسلام و سنیت انھیں "امام احمد رضا" کہہ ہی ہے۔
علامہ کے اس اظہار عقیدت پر کسی تنقیدی مضامین اور خطوط
ہوئے ان خطوط میں ایک خط سید ضمیر الحسن کلکتوی کا بھی شائع ہوا تھا انھوں
نے لکھا کہ جس ذات گرامی کو پوری دنیا اعلیٰ حضرت کہتی ہے آپ اسکو "امام احمد رضا"
کیوں لکھتے ہیں؟

پاسبان ملت نے اس کا مسکت جواب دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس سوال کا سیدھا اور دو ٹوک جواب صرف اتنا

کہ اعلیٰ حضرت "ایک مجلسی خطاب ہے جو ایک جماعت کے کسی بزرگ سے خوش عقیدگی

پر تو دلالت کرتا ہے مگر اس شخصیت عظمیٰ کے علمی فضل و کمال اس لفظ کا کوئی خاص اشارہ نہیں۔ برخلاف ”امام“ کے جو اپنی جامعیت اور معنویت کے اس قدر ہمہ گیر ہے جس سے اعلیٰ حضرت کی انفرادیت کا پتہ چلتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے لئے یہ ”امام“ کی تجویز یہ محض میری خوش عقیدگی و نیاز کنشی ہی پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ صحیح معنوں میں وہ اپنے وقت کے امام تھے۔ اگر غزالی و رازی اعلیٰ حضرت کے دور میں ہوتے تو وہ حضرات اپنے بعد ہی سرمایہ قلم چھوڑ جاتے جو اعلیٰ حضرت نے ہمارے لئے چھوڑا ہے اور اعلیٰ حضرت اگر رازی و غزالی کے دور میں ہوتے تو ان کے نوک قلم پر وہی ہوتا جو آج ہم امام غزالی و امام رازی کی تصنیفات میں پاتے ہیں۔

مجھے اپنی رائے میں کچھ اصرار نہیں اگر اس انتخاب میں مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے تو جذباتی ہیجان میں نہیں بلکہ پوری معقولیت سے جو صاحب مجھے مطمئن کر دیں میں اس کو واپس لینے پر تیار ہوں۔ واضح رہے کہ مجھ پر ایسے خطوط کا کوئی اثر نہیں ہوتا جن کا انداز تحریر یہ ہوتا ہے کہ آپ سنی نہیں معلوم ہوتے۔ آپ کو اعلیٰ حضرت سے جڑھ ہے۔ آپ نے تو اعلیٰ حضرت کو مسجد کا امام بنا دیا۔ یہ سب سطحی باتیں ہیں جنہیں کوئی وزن نہیں۔ ورنہ میں بھی الزامی جواب دے سکتا تھا کہ جس کی نگاہیں اعلیٰ حضرت کے لئے لفظ ”امام“ پر داشت نہیں کر سکتیں۔ اس کے دل میں کچھ کھوٹ معلوم ہوتا ہے۔ کیا ضرور ہے کہ جس کو اعلیٰ حضرت کہا جائے اس کو امام نہ کہا جائے۔ الخ لے

حضرت مفتی اعظم ہند عقیدت کا جبرائیل کرشمہ:

مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کی ذات عالی صفات سے پاسبان ملت کی محبت و عقیدت کے جو جذبات وابستہ ہیں انہیں احاطہ تحریر

لے پاسبان اپریل سنہ ۱۹۷۰ء۔

میں نہیں لایا جاسکتا موصوف کے لئے ”آقا نے نعمت“ کا جملہ آپ ہی کا اندازہ
عقیدتہ کلکتہ میں ایک شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے ہی فرمایا تھا۔
”بہت ادب کا ہو کر جس نے اپنے کو کچھ نہیں سمجھا اس حیثیت سے“

حضور مفتی اعظم ہند سے متاثر ہوا۔
یہی وجہ تھی کہ تقریر ہو یا تحریر ہر مقام پر حضور مفتی اعظم ہند کا ذکر جلیل
نہایت حسین اداب و القاب سے کرنا آپ کا ایک معمول بن چکا تھا۔
محرم جناب الحاج حافظ وقاری لعل محمد صاحب قادری گونڈوی
سفیر و معتمد دارالعلوم عرب نواز جنہوں نے اپنی زندگی کے بیشتر لمحات علامہ کی
رفاقت و خدمت میں گزارے اور پوری دیانتداری و نیک نیتی کے ساتھ
دارالعلوم کے فروغ و ارتقاء میں علامہ مرحوم اور مولانا انوار احمد نظامی کے بازوئے
بن کر قومی و ملی خدمت کرنے میں غیر معمولی محنتوں کا مظاہرہ کرتے رہے جزا
اللہ عنا وعن سائر المسلمین۔ الحاج موصوف نے علامہ کا ایک چشم دید واقعہ
راقم سے یوں بیان کیا:

ایک دفعہ اجیر شریف میں علامہ کی ملاقات حضور مفتی اعظم ہند سے
ہوئی آپ نے فرمایا مشتاق! تمہیں میرے ساتھ بذریعہ ہوائی جہاز بھیج دیا
ہے، چونکہ علامہ پاسان ملت ہارٹ کے مریض تھے اس لئے انہوں نے عرض
کیا حضور کے حکم سے مجال انکار نہیں لیکن ہوائی جہاز سے معذرت چاہتا
ہوں۔ حضرت نے فرمایا مشتاق! گھبراؤ مت میرے ساتھ چلو۔ علامہ نے
عرض کیا حضور! یہ بات ساری دنیا کے مگر آپ نہ فرمائیں۔

بالآخر علامہ نے حضرت کو بے پور ہوائی اڈے سے بمبئی کے لئے رخصت
کر دیا اور خود دوسرے یا تیسرے دن بذریعہ کار بمبئی کے لئے چل پڑے جب
کار ”گھنڈالہ گھاٹ“ پر پہنچی تو سوئے اتفاق اچانک ایک پتہ کار سے
الگ ہو گیا۔ اب تو سارے مسافروں میں واویلا اور نفسی نفسی کا عالم پیدا ہو گیا

ٹھیک۔ اسی وقت حضور مفتی اعظم ہند بھٹی میں چند افراد (جن میں جناب سید ابراہیم بھی تھے) کے یہاں بیٹھ کر تعویذ نویسی میں مصروف تھے آپ نے فرمایا اپلوگ ہاتھ اٹھائیں اور دعا کریں۔ علامہ نظامی کی کاربے لائن ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھے غوث و خواجہ کرم فرمائیں عقیدت کا کمر شہہ دیکھئے علامہ کی وہی کار جو قابو سے باہر ہو چکی تھی اور چند لمحوں میں کسی سو فٹ گہرائی میں گرنے والی تھی ایک درخت سے اس طرح جا ملکی جیسے کسی نے اپنے ہاتھ سے اسے کنارے لگا دیا ہو۔ اور اس طرح علامہ بال بال بچے۔

دوسرے دن جب علامہ بھٹی پہنچے تو انھوں نے سید ابراہیم اور دیگر کسی حضرات سے اپنی سرگزشت بتائی تو سید ابراہیم نے بھی حضور مفتی اعظم کی حیرت انگیز کرامت اور اجتماعی دعا سے باخبر کیا۔ جسے سن کر علامہ نظامی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

عل کہاں کھولے ہیں گیسویار نے خوشبو کہاں تک ہے
ایسا نہیں کہ موصوف صرف اپنے اساتذہ یا پیر و مرشد ہی کا احترام کرتے ہوں بلکہ اپنے وقت کے تمام اکابر اور طریقت و معرفت کی تمام سستی صحیح العقیدہ خالقاہوں سے انھیں عقیدت و نیاز مندی حاصل تھی۔ اور ان کے لئے اپنا دیدہ و دل اس طرح بچھا دیتے تھے کہ لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ آقائی حضور حافظ ملت مولانا الحاج عبدالعزیز صاحب قبلہ محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) مبارکپور کو اپنے اساتذہ کی طرح مانتے جانتے تھے۔ وہ فرماتے تھے "جس کے اذکر دیکھنے والوں میں ہر ایک یہ سمجھتا ہو کہ یہ مجھ کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں اس لحاظ سے حضور حافظ ملت سے میں متاثر ہوا۔ چونکہ حافظ ملت اصحاب فن کی حوصلہ افزائی کرنے میں بڑے فیاض تھے اسلئے وہ علامہ نظامی کی فنی صلاحیتوں کی بڑی قدر افزائی فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ ایک عرصے تک الجامعۃ الاشرفیہ کی اہم ترین

لے پاسباد جنوری ۱۹۷۹ء

کیمی "مجلس شوری" کے اہم اور با وزن رکن ہے بقول علامہ بدر القادری مالیتہ
 "آقائے نعمت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو "پاسبان" اور علامہ نظامی کے ساتھ
 سچا پیار تھا کبھی علامہ کا ذکر کرتے تو ان کی آنکھوں میں خوشی کی چمک ظاہر ہوجاتی
 تھی۔" لہ

الغرض علامہ نظامی جیسی نیاز مندی، خاکساری اور انکساری کا جذبہ
 رکھنے والے مشکل ہی سے ملیں گے ظاہر ہے کہ عقیدت و نیاز مندی اور انکساری
 جب اپنا روپ بدل کر عیاری و مکاری اور مصلحت پسندی کا بھیس اپنالے
 تو آج کوئی بھی شخص علامہ نظامی کیسے بن سکتا ہے ؟

اخلاص کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جو بھی کام کرے صرف ادا
 فرض اور خدا اور رسول (جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا کے
 لئے کرے اس میں کسی ذاتی خواہش کا کوئی دخل نہ ہو عمل کی یہی
 صفت دراصل انسان کو فلاح و کامرانی سے لذت یاب کرتی ہے۔

علامہ نظامی کے تمام دینی خدمات ان کے اخلاص و نیک نیتی کے مظہر
 ہیں ان کی حرکت و عمل کی راہ میں دامن اخلاص پر ذاتی غرض اور دنیاوی مفاد کی
 ہلکی سی چھٹیٹ بھی نظر نہیں آتی۔ انھوں نے عرصہ دراز تک ملک بیرون ملک
 کی سیکڑوں معرکہ الآرا کانفرنسوں سے قومی و ملی خدمات انجام دیئے۔ اور یہ
 کانفرنس و اجتماعات جہاں ملت کیلئے ایک ضروری اجتماعی عمل ہیں۔ وہیں ایک
 آزمائش گاہ بھی ہے کہ یہ شہرت و دولت، نمود و نمائش، داد و تحسین اور تعریف
 و توصیف کے علاوہ حصول اقتدار کے ذرائع بھی ہیں لیکن علامہ کو ان خدمات
 و مشاغل سے اس طرح کی کوئی امید نہیں تھی۔ نہ تو زراں دوزی کی اور نہ ہی صدارت
 و ریاست کی جبکہ عموماً قائدین ملت پہ اس طرح کی حرص و طمع ان کے اخلاص
 پر غالب آجاتی ہے۔

راز الہ آبادی کے درویش علامہ سے لئے گئے ایک انٹرویو کے کچھ اقتباسات
 لہ حجاز جدید جنوری۔ فروری ۱۹۹۱ء

ملاحظہ فرمائیے جو محض ان کے اخلاص و ایثار کے منظر ہیں۔
رازالہ آبادی۔: سنی تبلیغی جماعت کے دورہ میں سفر خرچ اور نذرانے کی کیا صورت ہوگی؟

علامہ نظامی۔: یہ دورہ ملک گیر پیمانے پر محض تبلیغی ہوگا جسب ضرورت ہم مختلف صوبوں کے مختلف مقامات کا دورہ کریں گے اس میں سفر خرچ اور نذرانے کا کوئی سوال نہ ہوگا۔

رازالہ آبادی۔: اگر لوگوں نے سفر خرچ اور نذرانے کا انتظام کر دیا تو؟
علامہ نظامی۔: ایسی صورت میں وہ رقم جماعت کے فنڈ میں جمع کر دی جائیگی تاکہ دوسرے مبلغین کو اس رقم سے بھیجا جاسکے۔

رازالہ آبادی۔: اور اگر لوگوں نے کچھ نہ دیا تو؟
علامہ نظامی۔: تو ان سے کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔ اگر تم خود ان کی مدد کے قابل ہونگے تو ان کی مدد کریں گے۔ ورنہ ان کی مدد کے لئے دوسرے اہل خیر حضرات کو توجہ دلائیں گے۔

رازالہ آبادی۔: پھر آپ کے مصارف کی کیا شکل ہوگی؟
علامہ نظامی۔: خدا کی راہ میں جو نکلتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ جب تک سوچتے رہیں گے کام نہ ہوگا۔

رازالہ آبادی۔: کیا بھیڑی کے مناظرہ کیٹی نے آپ کو مدعو کیا تھا؟
علامہ نظامی۔: کوئی دعوت نامہ تو نہیں آیا تھا مگر یہ جلسہ نہیں تھا مناظرہ تھا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ ناموس کا جہاں سوال ہو وہاں دعوت کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔

رازالہ آبادی۔: گویا آپ بن بلائے مہمان تھے؟ قہقہہ
نظامی۔: ایسا بھی نہیں۔ روانگی سے قبل مخدوم زادہ سید غلام جیلانی میاں کا دعوت نامہ مل گیا تھا۔ لہ

لہ ہفت روزہ تاجدار کا شہید نمبر پجی۔

خرد نوازی

چھوٹوں پر شفقت، ان کی حوصلہ افزائی اور اصلاح
علم و فن کی سب صلاحیت قدر افزائی کر سکتے ہیں

علامہ بہت مشہور تھے حالانکہ آج کا عالم ذہن اس چیز کو اپنے لئے کسر شان تصور کرتا ہے جبکہ علامہ اسی چیز کو اپنے اور اپنی جماعت کے لئے داروئے شفا سمجھتے تھے وہ حوصلہ شکنی یا تنقید برائے تنقیص کے مخالف ہی نہیں بلکہ اسے تنگ نظری اور حماقتی روگ سے تعبیر کرتے تھے میرے خیال سے وہ چاہتے تھے کہ میرے بعد آنے والی نسل کا ہر فرد "نظامی" جیسا بن جائے یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ہر فنکار کو اپنے اپنے میدان میں اس کی استعداد اور مرتبے کے لحاظ سے اس طرح نوازا، اکھارا، اٹھایا کہ آپ کے اس انداز کم اور زبان فیض اثر نے بے شمار قزندوں کی مخفی صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں تریاق کا کام کیا اور اپنے چشمہ صافی سے سب کو سیراب کیا۔ بلکہ وہ قلیل کی زبان میں یہ چاہتے تھے کہ:

گر ملے آب بہت ابھی تو اکیلا نہ بیوں

پیاس اب صرف مری پیاس نہیں ہے یارو

میرے استاد گرامی علامہ سید اختر مصباحی فرماتے ہیں:-

"ایک بار آپ کی مجلس میں مولانا قمر الزماں اعظمی مصباحی ہالینڈ کا ذکر آیا جو اس وقت ایک سنجیدہ مقرر کی حیثیت سے ابھر رہے تھے حضرت نظامی صافی نے مجھ سے کہا کہ اس طرح کے با صلاحیت نوجوان کی تعریف نہ کی جائے اور انھیں آگے نہ بڑھایا جائے تو پھر کس کی تعریف کی جائے؟ یہی لوگ تو آگے چل کر ہماری جگہ سنبھالیں گے۔ اپنے نئے تعلیمی سال کے آغاز کے لئے جب میں الہ آباد سے لکھنؤ پہنچا تو ۱۹۷۲ء میں میرے خط کا جواب دیتے ہوئے حضرت نظامی صاحب نے تحریر فرمایا آپ کے اندر آگے بڑھنے کی ایک ہے جس کی میں قدر کرتا ہوں اب آپ کا یہ جملہ آج تک میرے دل پر نقش ہے آپ کی اس شفقت کو بھی تازہ نگاہوں نہیں کر سکتا جب میں نے اپنے والد مرحوم نور محمد بغفر اللہ ۱۳۹۱ھ کے انتقال

کی خبر ایک خط لکھ کر دی تو آپ نے بمبئی سے اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:
 کاش میں اس وقت آپ کے قریب ہوتا تو اپنے سینے سے لگا کر آپ کا شریکِ غم
 بن جاتا اور آپ کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیتا۔ لے

ڈاکٹر سید شمیم گوہر صاحب الہ آبادی رقمطراز ہیں :
 حضرت علامہ نظامی چونکہ ذہنی کو آفتاب بنانے میں بڑا کشادہ دل
 رکھتے تھے اسلئے اپنی دیرینہ شفقت و عنایات کی بنیاد پر اس ناچیز کو بھی بے حد
 نوازا (چند سطروں بعد) میرے سلسلے میں حضرت علامہ کی یہ ہمیشہ خواہش رہی
 کہ میں مقرر بھی بن جاؤں جس کے تحت وہ متعدد جلسوں میں مجھے اپنے ہمراہ لے گئے
 تقریر کرنے کا جو بھی معمولی ڈھنگ اور جو بھی حوصلہ ملا وہ حضرت علامہ نظامی
 ہی کی حوصلہ افزائی کی بنیاد پر۔ میں ماہنامہ نمائندہ الہ آباد کا مدیر رہا ہوں، یا
 ماہنامہ شرفیہ کا حضرت علامہ کی شفقت و عنایت اور حوصلہ افزائی ہر منزل پر میر
 ساتھ رہی اور اس ناچیز کی حقیر ادارت و صحافت کی دلجوئی کرتی رہی۔ لے
 اس سلسلے میں ڈاکٹر موصوف کے نام علامہ کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیے
 جس کا حرفِ حروف ان کی دریا دلی اور خردہ نوازی کا آئینہ دار ہے۔

ڈاکٹر سید شمیم گوہر کے نام ایک خط
 ”ماہنامہ شرفیہ“ مبارکپور ایک بلند پایہ معیاری جریدہ ہے جسکی ادارت
 فاضل گرامی مولانا بدر القادری صاحب سے متعلق ہے۔ اچانک ان کے ہالینڈ چلے جانے
 سے ایک صلاحیتوں کا گنجینہ بھرتا اور ہونا بھی چاہئے تھا انھوں نے اپنی بھرپور
 صلاحیتوں سے اس پودے کو تناور درخت بنانے کی کوشش کی تھی لیکن جب
 خبر سنی کہ ادارت کے لئے اب آپ کو منتخب کر لیا گیا اور آپ نے اپنی چند چند
 مصروفیات کے باوجود اسے قبول ہی کر لیا تو برجستہ یہ مصرع زبان پر آگیا
 صلی پھریں اٹھی نگہ انتخاب کی

لے ماہنامہ حجاز جدید - نئی دہلی دسمبر ۱۹۹۰ء ۲۵ حجاز جدید ۱۹۹۱ء

ہم پر امید ہیں آپ کی نوع بنوع اور گونا گوں صلاحیتیں سمجھنے پر سہاگہ کام کریں گی۔ آپ نے کسی اسکول میں اردو سیکھی نہیں بلکہ آپ اور آپ کے خاندان نے اسے بہت کچھ دیا ہے اور اتنا دیا ہے کہ اردو نواز طبقہ اگر محسن کش یا احسان فراموش نہ ثابت ہوا تو ان عطیات کے روبرو سجدہ نیاز لٹانے کی آرزو کرتا رہے گا یہ گیارہ گیارہ اسلامیات و دینیات کا مسئلہ تو یہ دولت بھی آپ کو خاندانی ورثہ میں اپنی وافر ملی ہے کہ مدتوں دونوں ہاتھوں سے لٹاتے رہنے کے باوجود وارفتگانِ حق و شزگانِ شریعت کی نہ تو بھیڑ چھٹے گی اور نہ ہی میکرہ ساقی کے ساغر کی کوئی بوند کم ہوگی۔ ہم سرکارِ اسی کی زبان میں یہ کہہ سکتے ہیں۔

اس کا پتہ نہ پوچھو بس آگے بڑھے چلو

ہو گا کسی گلی میں تو مسئلہ لگا ہوا !

ہم بظاہر آپ سے دور ہیں مگر ہماری نیک خواہشات بلند آرزو ہیں آپ سے بہت قریب ہیں۔ آپ کسی بھی منزل پر ہر اسان نہ ہوں۔ آپ ماہنامہ "نمائندہ" کی ادارت میں جس شیب و فراز سے گزر چکے ہیں اس روشنی میں ہم آپ کو ایک تجربہ کار صحافی کہہ سکتے ہیں۔ آپ اس راہ کے انٹری نا اشنلے راہ مسافر نہیں بلکہ منزل آشنا و منزل بدوش امیر کارواں رہ چکے ہیں آپ اپنی غیر محسوس صلاحیتوں کو اجاگر کیجئے اور تازیانہ قلم سے دشمنانِ مصطفیٰ علیہ النجۃ و الثنار کے جسم کو خون آلود کرتے رہئے۔ قلم میں خجیدگی اور متانت، کھڑی رعایت کرتے ہوئے نشانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکروہ و گندہ چہرے کو بے نقاب کرنے میں تغافل و تساہل سے کام نہ لیں۔ جماعتی سطح پر ہماری بہت سی ضروریات ہیں ان سے صرف نظر کرنا خود اپنے اور اپنی قوم کو فریب دینا ہے اسلئے ماہنامہ "اشرفیہ" کے ہر شمارے میں اس کا خیال رکھئے کہ ہم قوم کو وہی دے رہے ہیں جس کی اسے ضرورت ہے۔ یا ایسا ہے کہ کچھ مال ہم نے تیار کر رکھا ہے جسے مارکیٹ میں بہر حال لانا ہے۔ اگر آپ نے جماعت کے طبع نقاضوں سے محرو

نہیں کیا اور وقت کی نبض پر انگلی کی گرفت صحیح رہی تو قوم نہ تو آپ سے طول خاطر ہوگی اور نہ ہی اسے کوئی شکوہ اور گلہ ہوگا میرے قلب جگر کی ٹیس اور کرب و اضطراب کا دوسرا نام سستی تبلیغی جماعت ہے۔ خدا کرے یہی میرا ڈھنا بچھونا ہو جائے۔ اگر اس دینی تحریک سے ذہنی ہم آہنگی ہو تو گلے گلے ماہنامہ اشرفیہ میں سستی تبلیغی جماعت کا ذکر آتا ہے۔ یہی میری طمانیت و تسکین کے لئے بہت کافی ہے۔ غالباً اتنے سے بھی مایوس کرنے میں آپ خود بھی کوئی انبساط و خوشی محسوس نہ کریں گے اب مجھے احساس ہوا کہ غیر شعوری طور پر خط بہت طویل ہو گیا۔ اس تقریر سے جو میرا تاثر تھا اسے چند جملوں میں اظہار کرنا ہی مقصود تھا مگر لمبا اوقات بعض تصورات اتنے حسین و پرکشش ہوتے ہیں کہ مقصد مغلوب ہو جاتا ہے اور حاشیہ غالب آجاتے ہیں۔ مگر یہ واضح رہے کہ حاشیہ وہی ہے جو اصل متن سے وابستہ ہو اسلئے اسے غیر ضروری نہیں کہا جاسکتا۔

مولانا شبیم! آپ ایک علمی روحانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ صبر و قناعت، حلم و بردباری، تواضع و انکساری، مردم شناسی و معاملہ فہمی، خاندانی روایات کی پاسداری آپ کے مضبوط ہتھیار ہیں۔ اگر آپ ابھی اس سے سلح ہے تو ہر میدان آپ کے ہاتھ ہوگا۔ ہر قدم پر میری نیک و پر خلوص عینیں آپ کے شریک حال ہیں جہاں بھی رہے باغ و بہار بن کے رہے۔

مشتاق احمد نظامی

۲۷ نومبر ۱۹۷۸ء

۱۹۵۲ء میں مناظرہ دھنکی ڈیہ میں اہلسنت کی فتح و کامرانی میں علامہ ارشد القادری کی حسن کارکردگی پر حضرت علامہ کی مسرت و شادمانی اور قلبی تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔ دوران کی وسعت قلبی کو داد دیجئے کہ انھوں نے فرزندان اہلسنت کی جو ہر شناسی اور ان کی عزت افزائی میں کس قدر فراخ دلی کا مظاہر

۱۷ پاسبان۔ جنوری ۱۹۷۹ء

کیا ہے۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۵۴ء کو عید گام دھنکی ڈیہہ میں مولوی اشرف علی تھانوی

کی کفری عبارت پر مناظرہ ہوا۔ اہلسنت کی طرف سے مولانا ارشد القادر رحمہ
دیوبندیوں کی طرف سے مولوی عبداللطیف اعظمی کو مناظر منتخب کیا گیا۔ مولانا ارشد
استاذ العلماء مولانا عبد العزیز صاحب محدث پاسبان کے چہیتے شاگردوں اور
نوجوانان اہلسنت میں امتیازی خصوصیت کے مالک ہیں۔ چنانچہ زرمگاہ اہلسنت
کا یہ نوجوان فاضل ہنستے مسکراتے جنگیوں بجاتے مولوی عبداللطیف کی خوب عجب
خبر لیتا رہا۔ میں نے جمشید پور کے دوران تقریر میں کہا تھا کہ اہلسنت مطمئن رہیں
یہ تجربہ ہے کہ دہابیت دھیرے دھیرے چکے چکے بنتی ہے۔ اور حسین دہابیت
سراٹھکے کہ ان کا جنازہ ان کے کاندھوں پر اٹھے گا۔ اللہ کا شکر ہے، وہی
زلزلہ آؤٹ ہوا جمشید پور بہار کا مرکزی مقام ہے اس لئے میں اپنے بھائی
مولانا ارشد کو ”فاتح بہار“ اور ”محبوب ملت“ کے خطاب سے یاد کرتے
ہوئے مسرت محسوس کرتا ہوں اور اپنے عزیز بھائی کو ہدیہ تبریک تہنیت پیش
کرتا ہوں۔ رب کریم مولانا ارشد کی عمر میں ترقی اور اقبال مندی عطا فرمائے
اور بزم اہلسنت کا یہ روشن چراغ تادیر قائم رہے۔

اب بھی موقع ہے کہ اہل جمشید پور اس قیمتی ہیرے کو پہچاننے کی کوشش
کریں اور مولانا ارشد کی ہر آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہو جائیں۔ لے
غرض کہ حضرت پاسبان ملت فرزند ان اہلسنت کے لئے طبیعت اس
قدر فیاض اور اپنے الفاظ کا طرف اس قدر وسیع رکھتے تھے کہ خردہ نوازی اور
عزت افزائی ان کا شیوہ بن چکا تھا:۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز !

ہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

لے پاسبان۔ نومبر ۱۹۵۴ء

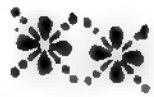


تدریسی خدمات



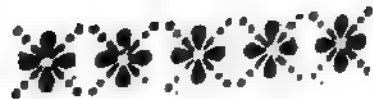
درسگاہوں پہ سوگم ہے طساری
ایک استاذ علم و فن نہ رہا





تدریسی سفر — *
تدریسی صلاحیت — *

تفہیم — *
تلازمہ — *



تدریسی سفر مدرسہ سجانیدہ آباد میں پڑھنے کے زمانے ہی سے آپ کے پڑھانے سے تعلق ہو چکا تھا۔ اس وقت جبکہ مدرسہ سجانیدہ کا تعلیمی معیار بہت اونچا اور بہتر تھا، آپ شرح جامی پڑھ رہے تھے اسی سال آپ نے وہاں کے تیرہ بچوں کی جماعت کو شرح جامی پڑھانے کی ذمہ داری قبول کر لی تھی۔ اور پھر یہ سلسلہ فراغت تک جاری رہا۔

حضور مجاہد ملت اور شمس العلماء، آپ کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کو محسوس فرما چکے تھے یہی وجہ تھی کہ تکمیل تعلیم کے بعد دونوں اساتذہ کی خواہش ہوئی کہ مشتاق سے تدریسی کام لیا جائے۔ اسی کے پیش نظر آپ اپنے دونوں اساتذہ کے ایما و اشارے پر الہ آباد کی قدیم درسگاہ مدرسہ مصباح العلوم جو حضرت مولانا فخر الدین اور مولانا جلال الدین زینی جعفری کے زیر اہتمام چل رہا تھا اس میں آپ مدرس ہو گئے۔ پھر الہ آباد ہی کی ایک قدیم درسگاہ ”جامعہ حبیبہ“ میں تقریباً ایک سال تک تدریسی خدمات انجام دیئے جس کے بانی آپ کے استاذ محترم حضرت مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۸۱ء) ہیں۔

آپ کی تدریسی مہارت و صلاحیت کی شہرت مختلف مدارس عربیہ میں پھیل چکی تھی۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہوتا حضور مجاہد ملت کے مایہ ناز شاگرد ہونے کا شرف جو حاصل تھا۔ درس نظامیہ کے پیش تر علوم و فنون پر وسیع اور گہری نظر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کچھ دنوں کے بعد جامعہ فاروقیہ، بنارس کے اراکین نے آپ کو منصب صدارت کے لئے منتخب کیا اور وہاں تقریباً ۲ ماہ تک منصب صدارت پر فائز رہ کر شعبہ تعلیمات کو چار چاند لگایا۔ اسی درمیان (مولانا صوفی شاہ عبدالکافی صاحب علیہ الرحمہ متولد ۱۲۷۵ھ متوفی ۱۳۵۰ھ کا قائم کردہ قدیم ترین مدرسہ سجانیدہ الہ آباد جو کسی زمانے میں نہ صرف صوبہ بکھ بودے ملک کی مرکزی و معیاری درسگاہ تھی) کے اراکین کے اصرار پر مدرسہ سجانیدہ

چلے آئے اور یہاں تقریباً تین سال یا کچھ کم و بیش آپ نے تدریسی جوہر دکھائے۔

تدریسی صلاحیت علامہ نظامی کی بہت سی حدود و صلاحیتوں میں تدریسی صلاحیت و یگانگت بھی مسلمات سے ہے گو کہ ایک عرصہ سے ان کا تدریسی سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اس کے باوجود مسائل اس قدر تھخہ تھے کہ جب کبھی کسی معاصر مدرس کی درسگاہ میں چند لکھوں کے لئے تشریف لے جاتے تو ان کی صلاحیتوں کو ایسے ہی پرکھ لیتے تھے جسے کوئی جوہری سونے کو پرکھ لیتا ہے آپ کی تدریسی صلاحیت کے معترف آپ کے اساتذہ بھی ہیں اور تلامذہ بھی۔ چنانچہ آپ کے استاذ گرامی حضرت شمس العلماء علامہ نظامی کی تدریسی کارگزاری کا ایک واقعہ یوں ذکر کرتے ہیں:-

”مولانا مشتاق احمد نظامی جس زمانے میں ”مدرسہ مصباح العلوم“ میں پڑھا رہے تھے اس زمانے میں جناب شیر احمد صاحب غوری مدارس عربیہ اتر پردیش کے رجسٹرار تھے غوری صاحب علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ کے مسائل پر بھی عمیق نظر رکھتے تھے۔ وہ مدارس عربیہ اتر پردیش کے رجسٹرار کی حیثیت سے الہ آباد تشریف لائے۔ دیگر اور مدارس کا معاونہ کرتے ہوئے مدرسہ ”مصباح العلوم“ میں بھی تشریف لائے۔ سارے مدرسین حسب معمول تعلیم دینے میں مصروف تھے۔

غوری صاحب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پہلے مدرس کی پڑھائی سنتے۔ پھر لڑکوں سے کچھ سوالات کرتے۔ جب لڑکے جواب نہ دے سکتے تو مدرس سے فرماتے تھے کہ ان بچوں کی تشفی آپ ہی فرمادیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اندازہ ہو جائے کہ مدرس کتنے پانی میں ہے۔ چنانچہ غوری صاحب تمام مدرسین کی درسگاہوں میں گئے اور آخر میں نظامی صاحب کے پاس آئے اور وہی طریقہ اختیار کیا جو کرتے تھے یعنی لڑکوں سے سوال کیا اور لڑکے جب جواب

ہو گئے تو نظامی صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ذرا آپ اس پر روشنی ڈالیں؟ جب نظامی صاحب نے ان کے سوالات کے جوابات پر روشنی ڈالنا شروع کیا تو نہ پوچھے غوری صاحب حیرت سے ان کو دیکھنے لگے اور ایک ٹمک دیکھتے رہے۔ آخر میں ان سے پوچھا کہ آپ نے کس سے پڑھا، تو آپ نے جواب دیا کہ حضور مجاہد ملت اور شمس العلماء مولانا نظام الدین سے پڑھا ہے۔ اس کے بعد غوری صاحب نے مدرسہ مصباح العلوم کے معائنہ میں نظامی صاحب کی بہت تعریف لکھی اور اپنے گھر سے تاثرات کا اظہار کیا۔ چونکہ غوری صاحب بہت ذی علم تھے اسلئے انھوں نے مولانا تقدس علی

خاں صاحب سے (جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خاندان سے تھے) فرمایا کہ میں (مولانا) محمد نظام الدین سے ملنا چاہتا ہوں۔ مولانا تقدس علی خاں نے وعدہ کر لیا اور میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ کو ایک اہل علم سے ملوانا چاہتا ہوں آپ میرے ساتھ چلیں۔ چونکہ مولانا تقدس علی میرے لئے قابل احترام تھے میں ان کے ساتھ چل پڑا جب ہم لوگ غوری صاحب کے پاس پہنچے تو وہ بڑی ہوشیاری سے مجھ سے ملے اور کچھ علمی گفتگو شروع ہو گئی۔ اس کے بعد جب تک غوری صاحب الہ آباد میں رہے ان کی بے پناہ مہربانیاں مجھ پر سایہ فگن رہیں ان میں سے ”مدرسہ عالیہ“ رام پور میں میرے تقرر اور مدرسہ اول ہونے کا واقعہ انھیں کے ایما و اشارے پہ رونما ہوا۔ جہاں میں گیارہ برس تک تعلیمی خدمات انجام دیتا رہا۔

مذکورہ واقعہ سے نہ صرف علامہ نظامی کی تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے بلکہ ایک شاگرد اپنے استاد کی نیک نامی اور شہرت و عزت کا باعث بھی بن رہا ہے۔ اسی لئے حضرت شمس العلماء فرماتے تھے کہ مشتاق میری زندگی کی بہت بڑی کمائی ہے۔

اسی طرح علامہ انوار احمد صاحب نظامی ناظم اعلیٰ دارالعلوم غریبانہ الہ آباد جو تمام حیات علامہ کی اطاعت شعاری اور خدمت گزاری کے لئے

کرستہ ہے۔ رقمطراز ہیں :-
 بہت سے لوگوں نے علامہ نظامی صاحب کو محض ایک مقرر کی حیثیت
 سے جانا پہچانا مگر میں تو قواعد منطق، فلسفہ، تفسیر، حدیث، فقہ کی بہت
 سی کتابوں کا ورق ورق سطر سطر پڑھ چکا ہوں۔ وہ ایک بہت اعلیٰ پایہ
 کے کامیاب مدرس ہیں۔ لہ

تفہیم

تدریس ہو یا تقریر قدرتی طور پر انھیں گفتگو میں افہام و تفہیم کی
 مہارت حاصل تھی۔ ان کی تفہیم میں ان کے اساتذہ کی ہدایت
 اور اسلوب کی جھلک تھی چونکہ حضور مجاہد ملت اور شمس العلماء
 نے ان کو درس و تدریس ہی کے درمیان غیر شعوری طور پر افہام و تفہیم کی مشق
 کرا دی تھی یعنی علامہ نظامی کے ذمہ یہ کام سونپ دیا گیا کہ آئے والے سبق کا گہری
 نظر سے مطالعہ کرو۔ پھر سبق پڑھو اور سبق پڑھنے کے بعد ساتھیوں کو پڑھ
 ہو کے سبق کی تکرار کراؤ۔ اور ان چیزوں کی خود یہ حضرات نگرانی بھی کرتے تھے
 اور آپ کو اپنے اساتذہ کی ہدایت کی بدولت یہ دولت ملتی رہی اور انھیں محسوس بھی
 نہیں ہونے پایا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے مگر ہو گیا ہے

ذرہ یہ بنے گا اک جہان رنگ و بو
 چپکے چپکے ہو رہا ہے عہد و پیمان بہار
 علامہ بدرالفتادری مصباحی ہالینڈ لکھتے ہیں :

مولائے قدیر نے ان کو شیریں بیانی و قادر الکلامی، علمی دسترس، بجا
 اور بالخصوص تفہیم کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ باریک سے باریک مفہوم کو تمثیل کا جامہ پہنا کر
 سامعین کے قلوب میں اتار دینا ان کا خاصہ تھا۔ لہ

طبیعت دقت طلب اور مشکل پسند واقع ہوئی تھی اسلئے مخاطب خواہ
 طلبہ ہوں یا عوام و خواص ہر ایک کو اپنے مافی الضمیر اور نقطہ نظر کا یقین دلانے
 لے قہر آسمانی ص ۱۳ لہ حجاز جدید جنوری فروری ۱۹۹۱ء

اور اس کی باریکیوں کی وضاحت کرنے میں کبھی کوئی تکلف محسوس نہیں کیا جب طلبہ کو پڑھاتے تو عبارت خوانی کے بعد حل لغات فرماتے۔ پھر نحوی و صرفی ترکیب بتاتے پھر عبارت کے مفہوم اور اس کی تشریح و توضیح پر مالہ و ما علیہ کے ساتھ ساتھ ميسوط تقریر فرمادیتے۔ اور اخیر میں سلیس و بامحاورہ ترجمہ کرتے۔ ترجمہ میں بھاری بھرکم اور بھونڈے الفاظ سے اکثر گریز فرماتے اور اس طرح دقیق سے دقیق مسائل بھی اشاروں میں طلبہ کے ذہن نشیں ہو جاتے۔ مثلاً ان کا مندرجہ ذیل کلام کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔ جو کہنے کو تو ایک تقریر ہے لیکن تقریر ویسی ہے جو اصل تدریس سے وابستہ اور درس گاہ کا آئینہ دار ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

”حضرات! آج کی تقریب میں مجھے کوئی مفصل گفتگو کرنی نہیں ہے بعض اشارہ اور تمثیل میں ایک بات عرض کرنی ہے۔ ذہنی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان حواس و عقل اور خرد و دانائی کے تمام تر اسلحہ کے باوجود پیغمبر کا محتاج کیوں ہے؟ اور وہ کون سا خصوصی مقام ہے جہاں پیغمبر عام سطح انسانی سے الگ تھلگ نظر آتا ہے، یا وہ کون سے لوازمات نبوت ہیں جو عام انسانوں اور پیغمبروں کے درمیان خط امتیاز کھینچتے ہیں؟

حضرات! اس کا مختصر اور دو ٹوک جواب تو صرف اتنا ہے کہ پیغمبر جہاں اپنے اور بہت سے خصوصی محاسن و فضائل سے ممتاز نظر آتا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ علوم غیبیہ پر مطلع ہوتا ہے مثلاً خالق کائنات نے انسانوں کو چند حواس ظاہری سے نوازا ہے جن کو ہم اپنی اصطلاحی بول میں ”حواس خمسہ“ سے تعبیر کرتے ہیں: ۱: قوت باصرہ ۲: قوت سامعہ ۳: قوت شامہ ۴: قوت ذائقہ ۵: قوت لامسہ۔

مثلاً یہ ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا معمول ہے کہ ہم کسی شخص کو حسین و جمیل کہتے ہیں اور کسی کو کریمہ المنظر اور بد صورت۔ تو آیا یہ فیصلہ ہم نے کیوں کیا؟ جس کا صاف اور سیدھا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری قوت باصرہ کا فیصلہ ہے۔ ایسے ہی

ہم کسی کی آواز کو دلکش اور سیرلی کہتے ہیں اور کسی کی آواز کو موٹی اور بھٹی تو کیا یہ ہماری
 آنکھ کا فیصلہ ہے؟ نہیں بلکہ یہ ہمارے سامعہ کا فیصلہ ہے۔ ایسے ہی ہم جہنستان میں
 پہنچ کر خوشبو اور کوڑے خلعے میں پہنچ کر بدبو محسوس کرتے ہیں تو کیا یہ فیصلہ
 ہمارے کان کا ہے؟ نہیں بلکہ یہ ہماری ناک قوت شامہ کا فیصلہ ہے۔ اسی طرح
 ہم اور آپ انگور، انار، سیب، چاکلیٹ وغیرہ کو خوش ذائقہ کہتے ہیں اور نیم و
 چرائی اور کرپلا کو کڑوا اور بد ذائقہ کہتے ہیں۔ تو کیا یہ فیصلہ ہماری اور آپ کی
 ناک قوت شامہ نے کیا ہے؟ نہیں بلکہ یہ احساس ہماری زبان یعنی قوت ذائقہ
 کا ہے۔ ایسے ہی ہم پتھر کو سخت اور موم کو نرم کہتے ہیں تو کیا یہ فیصلہ ہماری زبان
 کا ہے؟ نہیں بلکہ یہ فیصلہ ہماری قوت لامسہ کا ہے۔

حضرات! جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ قدرت کا ننانے تمام ہی
 انسانوں کو مندرجہ بالا پانچ طاقتوں سے آراستہ کیا ہے تو آئیے ہم اور آپ بھی۔
 بارگاہ نبوت کا جائزہ لیں اور یہ دریافت کریں کہ پیغمبر کی ضرورت ہم کہاں محسوس
 کرتے ہیں؟ کیا پیغمبر نے یہ بتا کر اعلان نبوت کیا کہ اے لوگو بھول میں رعنائی اور
 ستاروں میں چمک رہے ہو تو ساری دنیا کہہ دیتی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے کون
 سی نئی بات بتائی؟ یہ تو خود ہماری آنکھ کا فیصلہ ہے۔ اور اگر پیغمبر یہ کہتے کہ دیکھو
 تم میں فلاں کی آواز بڑی ہی دلکش اور دل آویز ہے اور فلاں کی آواز انتہائی مکروہ
 و ناپسندیدہ تو عرب کی بھرپور آبادی کہہ دیتی کہ اے محمد ابن عبد اللہ اس فیصلہ
 میں ہم تمہارے محتاج نہیں ہیں۔ یہ خود ہمارے کان کا فیصلہ ہے۔ ایسے ہی اگر
 پیغمبر یہ فرماتے کہ چمپا اور موتیل کے پھول میں خوشبو ہے مگر بھول کے پھولوں میں
 کوئی خوشبو نہیں تو دنیا مذاق اڑاتی کہ اے آمنہ کے لال تم یہ کیا کہتے ہو یہ تو خود
 ہمارا اپنا فیصلہ ہے۔ ایسے ہی اگر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ
 اے لوگو حلوے میں شیرینی اور اندرائن میں کڑواہٹ ہوتی ہے تو عرب کے
 بڑے بوڑھے یہ کہتے کہ یہ کیسی شان پیغمبرانہ ہے کہ جس کو ہم خود اپنی زبان سے معلوم

کر لیں۔ اسکو آپ تعلیم نبوت قرار دے ہے میں اسی طرح اگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ لوہے اور لکڑی میں صلابت و سختی اور موم کے ٹکڑے میں نرمی ہوتی ہے تو انسانیت میں پڑتی کہ آخر میں یہ بھی کچھ شانِ رسالت ہے جس کو ہم با حق سے منقول کر معلوم کر لیں اس کو پیغمبرِ دلیل نبوت قرار دیتے ہیں۔

حضرات! جب آپ نے یہ باتیں سمجھ لیں کہ جن چیزوں کو ہم حواس ظاہری سے معلوم کر لیتے ہیں ان کی نشاندہی کے لئے پیغمبروں کو مبعوث نہیں کیا گیا تو از خود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر پیغمبر کا منصب کیلئے؟ تو ہو سکتا ہے کہ آپ خیال فرمائیں کہ پروردگار عالم نے انسانوں کو حواسِ خمسہ کے علاوہ ایک چھٹی طاقت عطا فرمائی ہے جس کو ہم عقل یا قوتِ مدد کہتے ہیں۔ لہذا پیغمبر صرف عقل و دانائی کی باتیں بتانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تو اے محترم حضرات! یہ واضح ہے کہ عقل و دانش کے نہ جانے کتنے اصول و قوانین بڑے بڑے فلاسفہ و سائنس دان متعین کر چکے ہیں تو کیا انھیں پیغمبر یا رسول سمجھا جائے؟ اور اگر ایسا ہی ہے تو قرآن و سقراط فارابی، بوعلی سینا، جالینوس کو نبوت و رسالت کا دعویٰ کرنا چاہئے تھا۔ اور آج جبکہ سائنس کی نئی نئی محیر العقول شاہکاریں ہمارے سامنے ہیں تو انھیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنا چاہئے مگر ایسا نہیں ہے نہ تو اس گروہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی ہوش و حواس رکھنے والوں نے ان کو پیغمبر کہا۔

لہذا معلوم ہوا کہ محض عقل و دانائی کی باتیں بتا دینا دلیل نبوت نہیں ہو سکتی بلکہ پیغمبر کا منصب اس سے بلند و بالا ہے جہاں حواس کی رسائی نہ ہو اور عقل کے پرچل جاتے ہوں اور اسی کا نام ہے ”پیغمبر کا مطلع علی الغیب“ ہونا وہ ایک نئی ہوئی چٹائی پر بیٹھا ہے مگر لوح محفوظ پر تبصرہ کرتا ہے۔ کبھی جنت و دوزخ کی باتیں بتاتا ہے تو کبھی پل صراط و حوض کوثر کا ذکر چھیڑتا ہے۔ اس کی درسگاہ میں کبھی قبر کا تذکرہ ہے تو کبھی قیامت کا۔ آج کا فلسفی ریڈیائی لہریں پیدا کر سکتا ہے مگر اس کو نہیں معلوم کہ قبر میں اس کا کیا حشر ہوگا جلیب چڑی بوٹیوں کے خواص و تاثرات

بتا سکتا ہے مگر وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ مریض کیا کھا کر آیا ہے اور کیا گھمڑ چھوڑ کر آیا ہے
 بخوبی چاند ستاروں کی گردش آنے والے حالات کا بطور اٹکل بخوبی جاننے والے سکتا ہے
 مگر آسمان کے ستارے اس کی انگلیوں کے اشارے پر گھوم نہیں سکتے۔ چاند دوڑ
 ٹکڑے ہو سکتا ہے اور نہ ہی ڈوبا ہوا سورج پلٹ سکتا ہے۔

حضرات! آپ نے مقصد گفتگو سمجھ لیا ہو گا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں
 پیغمبر اسی کی وہ بارگاہ ہے جس کے دروازے پر فلسفی، منطقی، بخوبی سمجھی دامن ال
 پھیلائے کھڑے ہیں جبریل امین، المدن، والقلم، حمد جسے حروف
 مقطعات کی خبر دی۔ مگر وہ بھی رمز آشنا نہیں بلکہ لبائے نبوت کی جنبش
 کے منتظر ہے۔

انسانیت ہر حال میں پیغمبر کی محتاج ہے اور پیغمبر کا غیب داں ہونا ایک
 خصوصی وصف ہے۔ بلکہ لازم نبوت ہے۔ اسی لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی
 نے یا ایہا المتبی کا ترجمہ فرمایا اے غیب کی خبر دینے والے نبی، اے
 آپ کی درس گاہ علم و حکمت سے بڑے بڑے مشاہیر علماء و فضلاء
 نکلے جنہوں نے اپنے اپنے اعتبار سے بڑا فضل و کمال حاصل کیا
تلامذہ
 چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں :-

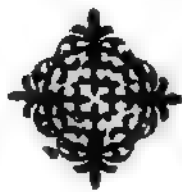
- مولانا انور احمد نظامی۔ ناظم اعلیٰ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد
- عالیجناب ابوذرمانی ایم اے ڈپٹی ڈائریکٹر اتر پردیش و سابق رجسٹرار
 مدارس عربیہ اتر پردیش۔
- مولانا لورالدین صاحب نظامی پرنسپل مدرسہ عالیہ رام پور یوپی
- مولانا عابد الحمید صاحب مراد آباد۔
- مولوی حافظ وقاری نعمت اللہ صاحب غازی پوری ثم الہ آبادی
- اگر باضابطہ داخلہ رجسٹر وغیرہ سے طلبہ کا نام معلوم کیا جائے تو تلامذہ کی فہرست طویل ہو



خطِ سائت



اس دور کی اک معتبر آواز لئے جا
خطباتِ نظامی کو ذرا راز لئے جا



آغاز تقریر اور کسنی میں تقریر کی مقبولیت



خطیب مشرق



خصوصیات و محاسن



کامیاب خطابت کیلئے خطیب مشرق کا مشورہ



نظریہ دعوت و اصلاح



تقریر کی اثر انگیزی اور غیروں کے اعتراف



آغاز تقریر اور سہ سنی میں تقریر کی مقبوت

خطابت دنیا کا سب سے قدیم اور موثر ترین ذریعہ تبلیغ ہے ظاہر ہے کہ لکھنے کا فن ابھی رائج ہی نہیں ہوا تھا۔ لہذا اگر انبیائے کرام اور دیگر محترم ہستیوں کو گم کردہ راہ بنی نوع انسانی پر پھر کی ضرورت پیش آئی ہوگی تو انھوں نے بھی رشد و ہدایت کی تلقین خطابت ہی کے ذریعہ کی ہوگی۔ الغرض اللہ اور اس کے رسول کے پیغامات کو لوگوں تک زبانی گفتگو سے پہچانا۔ بالخصوص جب موضوع مشکل اور وضاحت طلب ہو تو افہام و تفہیم کا مرحلہ کس قدر دشوار ہوتا ہے یہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مقام ہر کس و نا کس کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ قدرت جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خداے بخشندہ

عموماً انسان کے بچپن ہی سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ مستقبل میں کیا بننے والا ہے۔ یوں تو ابتداء خطیب مشرق علامہ نظامی کا ذہن پڑھنے پڑھانے سے متعلق تھا لیکن قدرت کا منشاء کچھ اور تھا۔ خطابت کی دنیا ان کی منتظر تھی۔ فصاحت و بلاغت کا دروازہ ان کے لئے وا تھا، ملت ان کی خطابت کی چشم براہ تھی، انھیں حالات اور ماحول سے متاثر ہو کر کسی ہی سے تقریر پر توجہ دینے لگے تھے۔ شہر الہ آباد کی مسجدوں میں اکثر جمعہ کی نماز سے پہلے حاضرین کے سامنے وعظ کہا کرتے تھے۔ ان کی تعلیم کا وہ زمانہ جب ہندوستان کے بیش تر علاقوں میں شیریشہ سنت، محدث اعظم ہند، حضور مجاہد ملت، حضرت جیلانی میاں، حضرت مفتی اعظم کان پور، علیہم الرحمۃ والرضوان اور حضرت مولانا نظام الدین الہ آبادی وغیرہ علماء و مشائخ کی تقریر و دل کی

مثالیں خطیب مشرق کے سامنے آتی رہیں اور ان کی صحبت کیمیا اثر سے سب سے
پڑتے رہے تو ایسا ممکن نہیں تھا کہ ان پر اس صورت حال کا اثر نہ ہوتا اور
ان کی اخاذ طبیعت اس فن کو تلاش نہ کرتی۔ چنانچہ مولانا نظام الدین صاحب
فرماتے ہیں :-

”چونکہ مولوی مشتاق نظامی کو تقریر اخذ کرنے کی صلاحیت ان کی تعلیمی
زندگی ہی میں پیدا ہو گئی تھی کبھی ان کو اور کبھی مولانا کا بل سہسرنی مرحوم کو اپنے رفیق
تقریروں میں لے جایا کرتا تھا اس کا اثر یہ ہوا کہ تقریری مواد اور جملوں کو ترتیب
دینے کی صلاحیت دونوں میں بدرجہ اتم پیدا ہو گئی۔“

آپ کی سب سے پہلی تقریر صوبہ اتر پردیش کے ضلع بنارس کے
ایک معروف قصبہ بھدوہی میں ہوئی اور پھر اس کے قرب و جوار کے علاقے
مثلاً روٹھال، کھمرا، مادھو سنگھ وغیرہ میں تقریروں کا سلسلہ بندھ گیا۔
اور یہی علاقہ آپ کی تبلیغ و خطابت کا اکھاڑہ بن گیا اور اسی قصبہ بھدوہی
میں آپ نے سب سے پہلا تعلیمی ادارہ قائم کیا جو آج مدینۃ العلم کے نام سے مشہور
ہے۔ یہ حالانکہ مذکورہ کارگزاری سے قبل ۱۹۲۶ء ہی سے خطیب مشرق
جلسوں میں شریک ہونے لگے تھے۔ ظاہر ہے آپ کی کم عمری کا دور تھا۔
ممکن ہے کہ ذمہ داران جلسہ اراکین کمیٹی آپ کو دیکھ کر آپ کی کم سنی سے مایوس
ہوئے ہوں لیکن جب آپ کی تقریر سنی۔ فن اور شان ان کے سامنے واضح
ہوا تو یقیناً وہ مایوس نہیں ہوئے۔ بلکہ اس کے بعد مہینوں مہینوں، اور
برسوں تک کے پروگرام کی درخواستیں پیش کیں۔

چنانچہ مولانا نظام الدین صاحب قبلہ ایک واقعہ ذکر فرماتے ہیں:
”بنارس کے بنیا پارک میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا کرتا تھا اسمیں مجھے
مدعو کیا گیا۔ مولوی مشتاق نظامی کو بھی میں نے اپنے ساتھ لے لیا جب

لے غیر مطبوعہ بیان

لے خطبات نظامی۔

میری تقریر کا وقت آیا تو وہاں کے انتظامیہ سے میں نے کہا کہ میں اپنے وقت میں
 کچھ وقت مشتاق نظامی کو دینا چاہتا ہوں میرے کہنے پر اراکین جلسہ نے برحسبہ
 یہ کہا کہ کیا آپ ہمارے جلسہ کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کے جلسے
 کو کامیاب بنانے ہی کے لئے یہ کہہ رہا ہوں۔ دیر تک بحث و مباحثہ کے بعد
 یہ کہتے ہوئے رضا مندی ظاہر کی کہ اچھا تو ان کے بعد جلسے کو سنبھالنا آپ کی
 ذمہ داری ہوگی۔ میں نے اسے منظور کیا اور اپنے وقت میں سے صرف پندرہ
 منٹ دیدیا اور وہیں میں بیٹھ گیا۔ وہ کھڑے ہوئے تو میں کیا بتاؤں وہ
 تقریر تھی یا عشق رسول کی بوندوں کی بارش تھی۔ ان کی تقریر کے بعد میرا نمبر آیا
 تو خدا شاہد ہے کہ جن لوگوں نے نظامی کی تقریر سنی وہ نظام کو بھول گئے اور
 نظامی کی تقریر کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ انتظامیہ کے وہی لوگ جہاں مقبورا
 سا وقت دینے کو تیار نہیں تھے ان کو مسلسل ایک ماہ کی تقریر کے لئے روک
 لیا۔ ذالک فضل اللہ یوقیہ من یشاء۔

اب تمہیں بچا آپ کے تقریری پروگرام کی ہمارا ہی بڑھتی
خطبہ شرق گئی۔ اب زندگی بے گم ہو گئی اور شام کہیں والی
 ہو گئی تھی۔ پڑھانے کی فرصت کہاں تھی اس لئے آپ نے مدرسہ سجانہ سے استغفار
 دیدیا اور ملک کے تمام صوبوں مثلاً مالابار، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، اتر پردیش
 گجرات، بہار، بنگال، کزناٹک، آندھرا پردیش، راجستھان جیسے تمام
 علاقوں پر بادل بن کر چھا گئے اور اسی بنا پر آپ کو "خطیب مشرق" کا اعزاز
 خطاب دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت شمس العلماء فرماتے ہیں۔

میں نے محرم کے مہینے میں حکیم فضل رحیم صاحب کی خدمت میں
 مولوی مشتاق نظامی کو تقریر کرنے کے لئے بھیجا اور ان سے یہ تاکید کر دی
 کہ بھئی میں تقریر کے لئے سودے بازی ہوتی ہے تم اس میں نہ پڑنا۔ کہنا کہ مجھے
 صرف تقریر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ جب کبھی ان سے سودے بازی

کی بات کی گئی تو انھوں نے میری نصیحت کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا نتیجہ کسی نے ان کو نہیں پوچھا۔ بالآخر انھوں نے مجھے ٹیلی گرام کیا کہ یہاں کی دنیا ہی دوہری ہے صورت حال یہ ہے کہ میں ویسے ہی واپس آؤں گا۔ میں نے فوراً بذریعہ تار منی آرڈر روپیہ بھیجا کہ تم جلد چلے آؤ۔ اس تار کے جانے اور آنے کے دوران ایک مقرر مولانا صاحب علیل ہو گئے۔ اور وہاں کے لوگوں نے بادل نا خواستہ خانہ پوری کے لئے مولانا مشتاق نظامی کو حکیم فضل رحیم کے مشورے کے مطابق منظور کر لیا۔ پھر نہ پوچھے کہ مشتاق نظامی نے کیا کل کھلایا کہ اراکین جلسہ ان کے گردیدہ ہو گئے اور اسے یہاں کے لئے ہر سال کے لئے ان کو مقرر منتخب کر لیا اور وہیں سے کلکتہ بمبئی، مدراس وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں یہ بلائے جانے لگے اور خطیب مشرق کے خطاب سے سرفراز کئے گئے۔ اور ہندوستان کے چمچے چمچے، گوشے گوشے میں اپنی تقریر کی دھوم مچا دی۔ اس مقبولیت اور ہر دل عزیز کو دیکھ کر مولانا ظفر ادبی صاحب مبارکپوری فرمانے لگے، کہ مشتاق نظامی مولانا نظام الدین صاحب کا ایک علمی شاہرہ کا ہے۔

خصوصیات و احسان

جماعت حقہ اہلسنت و جماعت میں ہمیشہ سحرانگیر خطباء کی ایک معتد بہ تعداد رہی ہے لیکن ان میں خطیب مشرق کی خصوصیات کی بنیاد پر ان کی انفرادیت اور یگانگت نمایاں رہی۔ آپ کی تقریر منفردانہ طریقہ استدلال کی منظر اور تکلمو الناس علی قدر عقولہم کی آئینہ دار ہوتی۔ آپ ہی کی خصوصیت تھی کہ شرکاء مجلس آپ کے مسائل خیالات اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔ اور ان پر عمل کرنے

لہ غیر مطبوعہ

میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ آپ کی بیش تر تقریروں میں اپنے اکابر و مشائخ کا نیا زمانہ و عقیدت مندانہ تذکرہ ضرور شامل ہوتا جسے کا بنیادی تقاضہ جو بھی ہو اپنے مشن کو کسی موقع پر نظر انداز نہیں کرتے تھے خطیب مشرق نے خطابت کو بحیثیت فن نہیں بلکہ بطور مشن استعمال کیا از خطابت کے پس منظر میں عقائد اعلیٰ اور اعلیٰ حضرت کے مکتبہ فکر کی نمائندگی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اور یہی ان کی علمی شہرت و مقبولیت کا سبب بن گیا۔ آپ اپنے معاصرین میں فن خطابت کے ایسے پیش روام تھے جس کی گمراہی نے اوج ثریا کو منزلوں پیچھے چھوڑ دیا۔ اسی لئے آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل رہی کہ آپ کی تقاریر کو نمائندگی اور اور خطابت کا نمونہ قرار دیتے ہوئے جماعت کے خطاب کرنے دینی و تبلیغی خدمات کے لئے سنگ میل اور محور قرار دیا۔

آپ کی تقریر کی ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ جو کچھ فرماتے اسے عوام و خواص یکساں طور پر سمجھ لیتے تھے مثلاً فلسفہ بشریت، علم غیبی، امتناع نظیر جیسے خالص علمی بحثوں میں ان کا کمال یہ تھا کہ اہم سے اہم مفہوم کو اشارہ و تمثیل میں سامعین کے دل و دماغ میں اتار دیتے تھے۔ اپنے عقیدے اور مسلک کے فلسفیانہ اسلوب کو محبت کی زبان میں دل لے ایک منفرد خطیب تھے۔ آپ کی تقریریں زبان و ادب اور شعر و سخن کی بھی شاہکار ہوتیں خطیب مشرق جس وقت مجاہد خطابت پر تشریف لاتے تو ان کے رس گھولتے ہوئے الفاظ اور کھٹکتے ہوئے جملوں سے ایسا محسوس ہوتا کہ سامعین کسی جلسے یا کانفرنس میں نہیں بلکہ زرمگاہ حق و باطل میں بیٹھے ہیں۔ الغرض آپ کی خطابت کی یہ وہ خوبیاں ہیں جو دیگر خطباء اور مقررین کے درمیان خط امتیاز کیصفت میں ہیں۔

کامیاب خطابت کے لئے علامہ کا مشورہ

ایک کامیاب مقرر کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے قدرت

نے وہ سارے اوصاف خطیب مشرق کو عطا کئے تھے مثلاً لب لہجہ کی شیرینی زبان کی پاکیزگی، افہام و تفہیم کا ملکہ، فصاحت و بلاغت، ہکمت آفرینی، قادر الکلامی علمی تبحر، طلاقت لسانی، ذہانت اور حافظے کی بے مثال نعمت ہر دانہ حسن، نفیس طبیعت کیا نہیں تھا ان کی ذات میں یہی چیزیں ایک خطیب کی کامیابی کے اہم اجزاء ہیں۔ اس سلسلے میں اپنی ایک آپ بیتی یاد آئی میری خوبی قسمت کہے کہ لکھنؤ میں مجلس کی مجالس محرم میں مسلسل ایک ماہ تک حضرت کی رفاقت نصیب ہوئی۔ بہت قریب سے ان کی فنی صلاحیت کو دیکھنے کا موقع ملا۔ لیکن اس ایک ماہ کے بعد حضرت کی مسلسل علالت کے باعث حقیر کو اکتساب فیض کا موقع نہیں مل سکا۔

سمیٹ لیتا ہر ایک گل کی خوشبوئیں نا صر
بہار میں اگر اندیشہ خستہاں ہوتا

اسی موقع پر ناچیز راقم الحروف نے انتہائی ادب سے عرض کیا کہ،
آخر کسی خطیب کی کامیابی کے اسباب کیا ہو سکتے ہیں تو موصوف نے فرمایا کہ:
خطیب کا پہلا مقصد سامعین کو اپنا ہم خیال بنانا یا انھیں اپنی رائے
پر متفق کرنا ہے لیکن یہ کام آسان نہیں اسکے لئے کئی چیزیں ضروری ہیں :-
۱:۔ تقریر کا موضوع ایسا ہو جس کی اہمیت کا ہر شخص قائل ہو اور لوگ اسے
مقاصد زندگی میں سے خیال کرتے ہوں۔

۱۲۔ مقرر موضوع کے ہر گوشے پر حاوی ہے۔

۳: — موضوع کے مخالف دلائل کی تردید و تغلیط میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔
اور خود اپنے خیالات میں کوئی تذبذب نہ ہو۔

۴۔ مقرر کو بسا اوقات اپنی گفتگو کو طویل کرنا ناگزیر ہوتا ہے لیکن اگر ایسا نہ کر کے اپنے خیالات کو مدلل طریقے سے مختصر الفاظ میں سامعین کے سامنے رکھ سکے تو اس کا اثر نہیں بہتر ہوگا۔

۵۔ اگر مقرر کو اپنے خیالات مؤثر طریقے سے پیش کرنے میں اتنی ہمارت ہے کہ ہر مخاطب سن کر یہ محسوس کرنے لگے کہ گویا وہ خود اس کے دل کے ترجمانی کر رہا ہے تو اس کی کامیابی میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔ موصوف کے یہ ملفوظات بظاہر حیدر جلی ہیں لیکن وہ روروان خطاب کے لئے ایک نسخہ کیمیا اثر ہے۔

قلیل منك يكفي وليكن

قليلك لا يمتال له قليل

اسی سلسلے میں خطیب مشرق کے کچھ اور انتہائی مفید اور کارآمد مشورے ملاحظہ فرمائیے جو بالخصوص مدارس کے طلبہ کے لئے خطابت کے باب میں مستقل ایک قابل یادداشت سبق ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

۱۔ تقریر ایک فن ہے مگر فن برائے فن نہ استعمال کیا جائے بلکہ فن برائے مشن مذہب کا فروغ اور مسلاک رضویت کی تشہیر سب پر مقدم رکھا جائے۔
۲۔ تقریر کثرت مشق کا نام ہے علم اور معلومات کی زیادتی سے تقریر نہیں آتی بلکہ عوام کی بھڑکھاڑ میں اس کے استعمال سے آتی ہے۔

۳۔ وقت اور ماحول کا جو شرعی تقاضا ہو اس کی مناسبت سے عنوان منتخب کرنا چاہئے۔ تقریر فروشی اور ضمیر فروشی سے دامن کو داغدار نہیں کرنا چاہئے۔

۴۔ تقریر میں وہی بات کہی جائے جس کا علت الضرورة حوالہ پیش کیا جاسکے۔

۵۔ تقریر بہت ہی صاف و شستہ زبان میں کیجئے اور اس کو وزمرہ کی زبان بنائیجئے۔ تاکہ دوران تقریر اچھے الفاظ کی تلاش میں لکنت پیدا ہو۔

۶۔ زبان میں تذکیر و تانیث کا بہت خیال رکھئے تاکہ سامعین آپ کے بارے میں یہ گمان نہ کریں کہ دس برس کی طالب علمانہ زندگی میں جب

اردو زبان دیکھ سکے تو فارسی و عربی کیا سیکھی ہوگی۔

۷۔ خواہ آپ اپنے فن میں کتنے ہی کامیاب ہوں مگر کبر و غرور آپ کے تلوے

تک پہنچے۔ یہ نوال کا پہلا زمینہ ہے۔ تواضع و انکسار ہی میں سر بلندی و سرفرازی تک پہنچنے سے ذہن کو لطائف و ظرائف، قصص و حکایات اور چٹکانا شروع ہی سے ذہن کو لطائف و ظرائف، قصص و حکایات اور چٹکانا ۸۔۔۔ شروع ہی سے ذہن کو لطائف و ظرائف، قصص و حکایات اور چٹکانا واقعات سے دور رکھئے اور علی نکات و باریکی میں ذہن کو اتارنے کا عادی

بنئے۔ اس طرح اعلیٰ سطح کے کامیاب مقررین جائیں گے۔ ۹۔۔۔ تقریر عوام کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ اسٹیج کے علماء اکابر و مشائخ کے لئے اس لئے آپ دوران تقریر عوام سے مخاطب ہوں نہ کہ علماء سے۔ آپ ہلکی اس غلطی میں مبتلا نہ ہوں کہ یہ طبقہ آپ سے استفادہ کے لئے بیٹھا ہے۔

۱۰۔۔۔ آغاز تقریر ہی سے آپ نذرانہ کے خواہشمند نہ ہوں بلکہ اپنے فن کے فروغ کے لئے اپنے اکابر سے تقریر کرنے کے مواقع حاصل کیجئے۔ اگر تقریر کامیاب ہو جائے تو اسی کو اپنی تقریر کا بہترین نذرانہ تصور کیجئے ویسے آپ کا جیسا معمول ہو اپنی صوابدید پر عمل پیرا ہوں۔

۱۱۔۔۔ اپنے اسلاف تقریر و تبلیغ کی راہ میں عوام اور انجمنوں پر بوجھ بننا پسند نہ فرماتے۔ لہذا چاہئے دشواریاں جھیلنی پڑیں اپنی طرف سے بھی عوام کی سہولتیں دی جائیں تاکہ اصلاحی و تبلیغی جلسے زیادہ سے زیادہ ہو سکیں۔

۱۲۔۔۔ تقریریں مواد کے لئے کسی بھی غیر معتبر و غیر مستند کتاب کا مطالعہ ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔

۱۳۔۔۔ ایک مقرر کو مجمع کے ہجوم سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ بلکہ بلا جھجک نڈر ہو کر تقریر کی عادت ڈالنی چاہئے۔ ورنہ آپ اصل میٹر نہیں بولیں گے۔ ہلکی ہلکی تقریر ہوگی۔ گویا بے جوڑ کا پیوند۔

۱۴۔۔۔ ایسا اجلاس جو کئی رخا سے یک رخا کرنے کی کوشش کی جائے اس سلسلے میں حکمت عملی اور مصالح شرعیہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

۱۵۔۔۔ تقریر خواہ کسی عنوان پر کیجئے لیکن ہر تقریر میں یہ سمجھانے کی ضرورت پیش

کہیے کہ ہمارا اور ہمارے حریف کے عقائد میں بنیادی اختلاف کیا ہے وقت کی یہ بہت اہم ضرورت ہے۔ لہ

نظریہ دعوتِ اصلاح

انسان فطرۃً مختلف المزاج واقع ہوا ہے۔ کچھ لوگ نرم مزاج اور کچھ

متشدد اور سخت گیر ہوتے ہیں اور ایسے حالات میں جبکہ ہر شخص مختلف عادت و خصلت اور جداگانہ فکر و نظر کا مالک ہے تو آخر مذہب اسلام کی تعلیمات کی دعوت و تبلیغ کا کون سا طریقہ اپنایا جائے جو تمام انسانوں کے درد کا درما بن سکے۔ کیا ہماری دعوت صرف اس شوال علی الکفار کی آئینہ دار ہونی چاہئے یا صرف ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة کی تصویر ہونی چاہئے۔ یاد دلوں کی علمی تفسیر ہو؟ اس سلسلے میں خطیب مشرق کی تبلیغی زندگی کا جائزہ لیجئے تو یہ محسوس ہوگا کہ موصوف نے اس ابتلا و آزمائش کے دور میں

سچی مرے از غیب بروں آمد و کلمے بکنند کا مظہر بن کر یہ ثابت کر دیا کہ قرآن و سنت پر مبنی عقائد حقہ کی خاطر خاد و شاہد کی مجاہد کی طرح قربانی دینے والے افراد کی کمی نہیں جس کا علمی ثبوت ایک کہ جن دلوں سرزمین ہند پر قوم کے ضمیر فروش اور دین فروش حضرات مصلحت کوئی کا بھاشن دے رہے تھے۔ انھیں دلوں خطیب مشرق اعلائے کلمۃ الحق، اور تحفظ ناموس رسول کے لئے انگاروں اور پانی کے دھاروں سے کھیل رہے تھے اور دین میں چکنی چپڑی باتوں اور مصلحت کوئی کو ٹھکرا کر ڈنکے کی چوٹ پر بدعقیدگی کے خاتمہ کے لئے قوم پر حق و باطل واضح کر رہے تھے۔

ایسا نہیں کہ تبلیغ و توضیح میں صرف سختی ہی کے قائل تھے یا صرف نرمی ہی اختیار کرتے تھے بلکہ ان کی تبلیغ دونوں چیزوں کی مظہر تھی۔ گویا وہ

لہ خطبات نظامی

ایک جماعت کو اس گھر کی طرح سمجھتے تھے جسے آگ اور پانی دونوں کی ضرورت پڑتی ہے اگر گھر میں آگ میسر نہ ہو تو چوڑھے کی ہانڈی میں ابال نہ آئے۔ اور اگر پانی نہ ہو تو بھی ہر لمحہ جل کر خاک ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حالات اور تقاضوں کے مطابق کبھی حکمت و موعظت کا انداز اپناتے اور کبھی شدت و غلظت سے کام لیتے تھے گویا وہ دعوت کے مخاطب کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے بعض کو سمجھا سمجھا کر اور بعض کو ڈانٹ ڈپٹ کر راہ راست پر لانے کے حق میں تھے وہ ایک مقام پر رقم طراز ہیں:-

”جماعت کے جمہوری نظام میں ڈکٹیٹر شپ سے کام نہیں چلتا جماعت کو نرم گرم دونوں افراد کی ضرورت پڑتی ہے۔ کہیں اس شداء علی الکفار پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور کہیں حکمت و موعظت کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ یہ اپنے اپنے طریق فکر اور حالات کے تقاضے پر مبنی ہے۔“

خطیب مشرق نے اپنی زبان و قلم کا سب سے زور عقیدے کی اصلاح پر صرف کیا کیوں کہ انھوں نے ایک دور اندیش مصلح اور ماہر طبیب کی طرح قوم کی نباضی کی اور یہ محسوس کیا کہ ایمان صالحہ کی پوری دیوار اور بنیاد ہی عقائد صحیحہ پر کھڑی ہے اور جب تک قوم میں ایمان و عقیدے کا اتنی و اصولی اختلاف ہے گا اس وقت تک کردار و عمل کا اتحاد دھوپی نہیں سکنا اس لئے ان کی نظر دیوار کے بل بوٹوں اور نقش و نگار کے بجائے اس کی بنیاد پر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے پہلے مذہبی حقائق اور مابہ نزاع اصولی مسائل سے قوم کو آشنا کیا۔ البتہ کچھ لوگ آپ کے انداز تکلم بدل جانے اور شدت اختیار کر لینے پر ناراض رہتے تھے حالانکہ ایسے افراد اگر ان کی دعوت کے تقاضوں اور پس منظر پر غور کریں تو اس کا فلسفہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ

منظور ہے اس بزم میں اصلاح مفاسد
شتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

لے پاسبان مارچ ۱۹۵۵ء

تقریر کی اثر انگیزی اور غور و فکر کے اعتراف

تقریباً نصف صدی تک خطیب مشرقِ مذہبی فروغ و استحکام اور ایمان کی روشنی عام و تمام کرنے کے لئے قوم و ملت سے خطاب فرماتے رہے زبان و بیان کی تاثیر، مناظرانہ لب و لہجہ اور عقل و نقل کے مستحکم دلائل کے علاوہ عظمت و احترام مصطفیٰ و توقیر اولیاءِ اہل بیت پر مبنی الفین کے کس بل ڈھیلے کر دینے والی ناقابل انکار اور عام فہم دلیلوں نے سامعین کے خاص و عام کو متاثر کیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی کوئی محفل و مجلس ایسے بد عقیدہ افراد سے کبھی خالی نہیں رہی جو آپ کی تقریر سے سن کر اپنی بد عقیدگی سے تائب ہوئے ہوں یا ضعیف الاعتقاد سنی ایمان کی پختگی سے مشرف ہوئے ہوں۔ اسی لئے اخبار بھی آپ کی فنی مہارت کا اعلانیہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے اور کچھ مصداقاً خاموش رہے یقیناً یہ سب آپ کی سحر طازی اور اپنے مشن کے ساتھ انتہائی خلوص کا ثمرہ ہے کیونکہ موصوف اپنے مشن کا اظہار ہر مقام پر بغیر کسی رو رعایت کے کیا کرتے تھے۔ خواہ داد و تحسین ملے یا طعن و دشمنی ہو

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن !!

نہ مرا گوش بدمدے نہ مرا ہوش زدے

جناب ولی محمد گورجی لکھتے ہیں :

میرے پاس ایسے خطوط موجود ہیں جن میں لوگوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ مولانا نظامی کی تقریر سن کر میں وہاں بیت سے تائب ہوا اب مجھ پر حقیقت واضح ہو گئی۔ علامہ کے ایک جلسے میں کسی وہابی نے کہا "مولانا باتیں پھس فرماتے ہیں اور دلیلیں تو ایسی ہیں کہ دل پر نقش ہو جاتی ہیں مگر یہ ہمارے مولویوں کو برا کہتے ہیں۔" گجرات کے وہابیوں اور دیوبندیوں کو بھی اس کا اقرار ہے کہ مختلف

مسائل پر ایسے مضبوط دلائل سے بولنا یہ مولانا مشتاق نظامی کا اپنا حق ہے۔
 • مولانا کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایسے مقامات
 جہاں ۲۵ برس سے کسی سنی عالم کی تقریر نہ ہوئی تھی وہاں آپ کے بیانات ہوئے
 ہیں۔ • ”مونڈا فلیہ گجرات“ شہر بمبڑوچ میں جب آپ کے جلسے کا اعلان ہوا
 تو دیوبندیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ آپ کی تقریر نہ ہو سکے مگر جو آواز
 کے جوش و خروش کا یہ عالم کہ بھلے بچے نے ماموں سے کہا ”آج سے تو میرا ماموں نہیں
 اور میں تیرا بھانجہ نہیں“۔ دین ضلع بڑودہ میں ۲۰ برس سے کسی سنی عالم کا بیان
 نہیں ہوا تھا۔ آپ نے ڈھائی گھنٹہ مسلسل تقریر کی تو گجرات کی وہابیت میں کھلبلی
 مچ گئی۔ وہاں کے سنیوں کا کہنا ہے کہ آج ۲۰ برس کے بعد ہم لوگوں نے سلام
 کھڑے ہو کر پڑھا ہے۔ اے

بقول حضور حافظ ملت بانی الجماعۃ الاشرفیہ مبارکپور آپ نے ایک
 وہابی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر نظامی جیسا خطیب ہمیں مل جائے تو پورے
 ہندوستان کو ہم وہابی بنادیں۔ اے
 ”آل راجستھان سیرکانہ فرانس“ میں علامہ نظامی کی شہادت کے موضوع
 پر تقریر کرنے کے بعد بوہرہ جماعت کے لوگوں نے کہا اگر نظامی صاحب!
 ہماری جماعت کے عالم ہوئے تو ہم ان کے قدموں کے نیچے اشرفی بچھاتے اے اسی
 طرح کوڑے میں آپ کی تقریر کے بعد ایک شیخ نے کہا ”اگر یہ ہماری جماعت کے خطیب ہوتے تو انہیں
 ہم سونے سے تولتے اے ایسے ہی ایک شخص نے کہا اگر نظامی ہمارے شیخ پرہ منٹ کے
 لئے بیٹھ جائیں تو ہم چالیس ہزار کی نذر گزاریں اے الغرض انہیں دولت کے علاوہ اقتدار
 و حکومت کی بھی لالچ دی گئی مگر موصوف کو خوف تھا تو صرف اللہ کا۔ اور لالچ تھی
 تو صرف اسکی رضا کی۔ اور بس اسکے علاوہ خوف لالچ کا کوئی اثر نہ ان پر غالب آسکا۔ اے
 تذول الجبال البراسیاء و قلبہم : علی العہد لایوی ولا یتغیر

اے تاجہ پاسبان اکتوبر ۱۹۶۱ء



دارالعلوم غیب فرزانہ آباد

مرکز علم و ادب میں کھول کر دارالعلوم
کر دیا ثابت الہ آباد ہے شہر کا اصل





قیام دارالعلوم اور اس کا تصور
تعلیمی و تنظیمی امور اور علامہ انوار احمد نظامی
نظریہ تعلیم و تربیت اور جدید نصاب تعلیم
شعبہ صنعت
دارالعلوم کے ابنائے قدیم سے



قیام دارالعلوم اور اس کا تصور الہ آباد ہمیشہ سے علم و ادب کا گہوارہ رہا۔ یہاں کے دینی مدارس اور خانقاہوں نے علمی و روحانی فضا ہموار کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ چنانچہ صاحب آثار الکرام الہ آباد کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں:-

”اگرچہ صوبہ جات ہند بوجہ وصالانِ مسلم تفرقہ دارانداما صوبہ الہ آباد وادھ الہ آباد خصوصیت دار دکم سچ صوبہ تہواں یافت چہ در تمام صوبہ وودھ مرکز صوبہ الہ آباد بفافصلہ پنج کردہ آبادی شرفاء و نجیاست کہ از سلاطین و حکام و ظالفت و زمین بد و معاش داشتہ اند و مساجد و مدارس و خانقاہات، بنا نہادہ و مدرسہاں عصر در ہر جا البواب علم بر روی دانش شروہاں کشادہ و عبائے علم خیل خیل می روند و ہر جا موافقت درست بہم داد بہ تحصیل علوم مشغول شوند و صاحب توفیقات معہرور طلبہ علم را نگاہ می دارند و خدمت این جماعت را سعادت عظمیٰ می دانند الحمد للہ! آج تو یہاں جگہ جگہ تعلیمی ادارے قائم ہو چکے ہیں اور ان کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے لیکن ان میں دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کا قیام امتیازی مقام رکھتا ہے۔“

حالانکہ تقریر و تبلیغ کی بے پناہ مصروف زندگی میں علامہ کو اس کی فرصت ہی کہاں تھی کہ وہ کسی درس گاہ کے قیام و تاسیس کا خیال دل میں لاتے لیکن خواجہ کی روحانی تائید، ایک مرد مجاہد کی دعا اور خود خطیب مشرق کے بے پناہ شدید دینی جذبے نے انھیں جماعتی بد حالی سے بے خبر نہیں رکھا اور جب انھوں نے محسوس کیا کہ ہماری جماعت میں مدارس کی تعداد تو بڑھتی جا رہی ہے لیکن ان کی حالت و کیفیت جاں بلب مرلیض کی طرح ہے۔ یعنی ہماری درس گاہوں میں ہمارے اسلاف کے بنیادی تصورات کی آبیاری کے بجائے ان اہم امور سے

لے آثار الکرام

بے اعتنائی برقی جا رہی ہے جس کے قیامت خیز نتائج سے ہم دوچار ہیں۔ یعنی
 ۱: عربی ادب ۲: فن قرأت ۳: شعبہ تحقیقات جیسے اہم شعبوں کو نظر انداز
 کیا جا رہا ہے جس کے باعث ہمارے طلبہ غیروں کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔
 اس کے علاوہ خود الہ آباد میں باطل فرقوں کی شہ زوری نے بھی انھیں ہٹایا
 کیا۔ مثلاً ایک مرتبہ الہ آباد کے ایک محلہ اکبر پور کے ایک سنی بھائی جب آپ
 سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کا
 بچہ کہاں پڑھتا ہے؟ تو جواب میں انھوں نے بد دینوں اور گمراہوں کے کسی
 مدرسے کا تذکرہ کیا۔ یہ سن کر آپ کے دل کو سخت چوٹ لگی اور آپ نے فرمایا
 کہ جامعہ صییبیہ یا جامعہ نظامیہ میں اپنے بچوں کو بھیجئے تو انھوں نے کہا کہ حضرت
 یہ دونوں مدرسے بہت دور ہیں۔ لہ

بھی وہ بنیادی تقاضے تھے جنہوں نے خطیب مشرق کو بے سروسامانی
 اور ناموافق حالات میں بھی دارالعلوم کے قیام و تاسیس کا تلخ گھونٹ پینے
 پر مجبور کیا اور اتر پردیش کے اس علاقے میں دارالعلوم کی ضرورت کا
 احساس دلایا۔ چنانچہ ایک عرصے تک دارالعلوم کا تصور اور اس کا نقشہ آپ
 کے سچے ذہن پر ابھرتا رہا اور منتشر رہا۔ اور ایک ایسا بھی وقت آیا کہ آپ نے حالات
 اور تقاضوں کے پیش نظر وہ زمین جو آپ نے اپنے آبائی وطن سرگئے عینی سے منتقلی کے
 بعد شہر الہ آباد میں ذاتی مکان بنانے کے لئے خریدی تھی دارالعلوم غریب نواز
 کے نام وقف فرما دیا۔ اور ۱۹۶۵ء/ ۱۳۸۵ھ میں شہر الہ آباد کے قلب میں
 ایک عظیم دینی علمی قلعہ کی داغ بیل ڈال دی جس کا نام ہندوستان کے روحانی
 شہنشاہ و فرمانروا حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز سے منسوب کیا جو
 نسبت دارالعلوم کے عروج و ارتقار کے لئے قال نیک ثابت ہوئی۔ نہ جانے
 وہ کون سی مبارک گھڑی تھی جب علامہ نظامی شیدائے خواجہ حضرت مولانا

لہ خطبات نظامی

شرف الدین گانگی ہاٹ پورنیہ کے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے تھے
جہاں دارالعلوم کا نام دارالعلوم غریب نواز آپ کے دل و دماغ میں القا کیا گیا۔

تعلیمی تنظیم اور علامہ انوار احمد نظامی

ملاقات فرماتے ہیں:- آپ سبھی جانتے ہیں کہ میری زندگی پر رگڑاموں میں گزری۔

صبح کہیں شام کہیں دن کہیں رات کہیں
بیک وقت میں دارالعلوم کے امور خارجہ و امور داخلہ کو نہیں سمجھا
سکتا تھا اس لئے اپنے حالات کے پیش نظر میں نے امور خارجہ اپنے ہاتھ میں لیا۔
اور امور داخلہ مولانا انوار احمد نظامی کے سپرد کیا۔ مجھ کو تعالیٰ مولانا انوار سے جو
مجھے توقع تھی میری امیدوں سے زیادہ وہ کام کے ثابت ہوئے۔ دین اور دنیا
میں وہ میرے بالکل معتمد ہیں اگر ایسا دیانتدار شخص مجھے نصیب نہ ہوتا تو میں اپنے
مقصد سے کوسوں دور ہوتا لیکن مولانا انوار کی دیانت تعلیمی تنظیمی امور کے
خداداد صلاحیتوں نے مجھ کو داخلی امور سے بالکل مطمئن کر دیا۔ اور میں شہر شہر
نگر نگر دارالعلوم کا پرچار کرتا رہا۔ ایک ایک تنکا میں نے آپ کے ہاتھوں
سے اپنے دامن میں لیا اور انھیں تنکوں کو مولانا انوار احمد نظامی کے ہاتھوں میں
دیدیا ان تنکوں سے جو شمشین تیار ہوا اسی کا دوسرا نام دارالعلوم غریب نواز ہے۔
دنیا بے سنیت کی معروف شخصیت علامہ نظامی کے معاون مددگار
علامہ انوار احمد نظامی کے تعارف میں علامہ کے ان کلمات کے بعد میرا کچھ تبصرہ
کرنا گویا سورج کے سامنے چراغ دکھانے کے مرادف ہوگا۔ البتہ اتنا
کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مولانا مفتی نظام الدین اور علامہ شتاق احمد نظامی کی
درس گاہ تعلیم و تربیت نے موصوف کو بہت سی صالح اور صحت مند صلاحیتوں

سے دارالعلوم کی مختصر رپورٹ ۱۹۹۰ء

کا مالک بنا دیا ہے۔ درس و تدریس سے لاتعلقی کے باوجود درس نظامیہ کے علوم و فنون پر اچھی دسترس رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اساتذہ اور طلبہ کی علمی لیاقت اور استعداد کا اندازہ لگانے میں انھیں دیر نہیں لگتی۔ ایک نامی گرامی صحافی اور دانشور کی حیثیت سے ہفت روزہ تاجدار بمبئی، ماہنامہ پاسان الہ آباد، دارالعلوم عربیہ الہ آباد کے ذریعہ جو انھوں نے خدمات انجام دیئے ہیں یہی انھیں زندہ جاوید رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ آپ کی اس سعادت مندی کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کو علامہ سے بڑی قربت اور ان کا بے پناہ فیضان حاصل رہا۔ اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز جانا۔ اسی لئے بہت سے لوگ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ گنگ و جن کا سنگم تو ختم ہو سکتا ہے لیکن علامہ اور مولانا انوار احمد نظامی کا قلبی لگاؤ ختم نہیں ہو سکتا۔ لے

البتہ کچھ حاسدوں نے آپ کو اس سعادت سے محروم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن مرضی مولیٰ ازہم کہ اولیٰ منتقم حقیقی کے سامنے کس کی چلی ہے۔ بہر حال اکابر سے عقیدت دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ خوش خلقی، انتظامی صلاحیت، سیاسی بصیرت، مہمانداری، خردہ نوازی، صبر و ضبط، حلم و بردباری، سعی پیہم اپنے مشن سے خلوص و محبت یہ آپ کے مشہور روزگار صفات ہیں۔

فالحمد للہ علی ذالک۔ آج موصوف کی قیادت و نظامت میں دارالعلوم عربیہ نواز کا پورا قافلہ رواں دواں ہے اور موصوف اپنی تعمیری سرگرمیوں میں مصروف ہیں، طلبہ کا ہجوم، اساتذہ کی ہماہمی، درس و تدریس کی مصروفیات، کتابت و النشاء کا نظم و نسق، فتویٰ نویسی کا اہتمام، تحریر و تقریر کی مشق، مناظرہ و مباحثہ کا مقابلہ، مباحث میں صبح و شام طلبہ کے حور و دوش کا منظر، بیرونی مہمانوں کی آمد و رفت اور ہجوم خلافت نے دارالعلوم کو سدا بہا

لے پاسان اگست ۱۹۸۰ء

نظرِ تعلیم و تربیت اور جدید نصابِ تعلیم

علامہ نظامی دارالعلوم غریب نواز کو تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اس قدر معیاری اور بلند دیکھنا چاہتے تھے جہاں تک معاندین اور ناقصوں کی کمزوری رسائی نہ ہو سکے اور جہاں کے فارغین وقت کے تمام تقاضوں کا جواب دے سکیں۔

انھوں نے ملکی پیمانے پر سیر و سیاحت اور سیکڑوں مدارس عربیہ کی نگرانی اور سرپرستی کے تجربات سے یہ محسوس کیا کہ یہ صحیح ہے کہ ہمارے مدارس میں ”قدیم نصابِ تعلیم“ رائج ہے جسے اگر کما حقہ پڑھنے پڑھانے والا مل جائے تو قرآن و حدیث اور تفسیر پر مبنی اس نصاب سے بہتر جامع اور مفید کوئی نصاب نہیں لیکن اس پر ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے اور اب قوم کے ذہن و فکر کا رخ مختلف ہو چکا ہے وقت کے نئے نئے مسائل نے ذہنی رجحان اور انداز سوال کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری درسگاہوں سے قوم کو ایسے ذی استعداد اور صحتمند علماء دیئے جائیں جو وقت کی دگھتی نبض پر اپنا ہاتھ رکھ سکیں اور ہماری درسگاہوں سے نکلنے والے الرجال کا منحوس سایہ ختم ہو جائے۔

یہی وہ بنیادی تقاضے تھے جن کی بنیاد پر موصوف نے نصابِ تعلیم پر کئی زاویوں سے غور و فکر کیا اور سیکڑوں مدارس کے علماء و مشائخ کے باہمی مشوروں سے اس میں کچھ ترمیم و تنسیخ کر کے اسے آسان اور مفید کر کے کے لئے ایک ”جدید نصابِ تعلیم“ مرتب فرمایا تاکہ دارالعلوم غریب نواز، قدیم و جدید نصابِ تعلیم کی مثالی درسگاہ ہو اور تمام مدارس کے طریقِ تعلیم

اساتذہ اور طلبہ کے مضبوط اور کمزور پہلوؤں کو واضح کر کے اپنی قابل قدر فکر و بصیرت سے ان کی اصلاحات پر زور دیا اور قوم کا خادمانہ حق ادا کیا۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں :

” یہ ایک حقیقت ہے کہ مدارس عربیہ نظامیہ ایک بہت ہی جامع اور مکمل نصاب تعلیم کے حامل ہیں لیکن اس نصاب پر صدیاں بیت گئیں۔ اور نئے نئے مسائل نے ذہن و فکر کا رخ بدل دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن و حدیث ہی ہمارے اصل ماخذ ہیں اور رحمتہ حیات ہیں لیکن اسلام نے اجتہاد کا دروازہ بند نہیں کیا۔ آج بھی نہ صرف رازی و غزالی بلکہ وقت کے ابو حنیفہ و شافعی پیدا ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اس راہ میں نفس کی بے راہ روی اور مطلق العنانی حاصل نہ ہونے پائے۔ ورنہ اس نشہ میں بے لگام شرابی کی طرح آدمی وہی کہے گا جو ملک کی بعض گمراہ جماعتیں کہتی اور لکھتی ہیں۔“

کہنا یہ ہے کہ آج کے مسائل نے انداز فکر بدل دیا ہے مثلاً
۱۔ ٹیلیفون اور ریڈیو کی اطلاع سے رویت ہلال کی تصدیق ہوگی یا نہیں؟
۲۔ لاؤڈ اسپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں؟

۳۔ بینک اور ڈاکخانہ کی جمع شدہ رقم سے زائد روپیہ وہ تجارتی منافع ہے یا سود؟

۴۔ پھر اس کا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر لے بھی لیا تو اس کا مصرف کیا ہے؟

۵۔ ہو میو پیٹھک دو اکا استعمال درست ہے یا نہیں؟ چونکہ اسمیں الکحل ہوتا ہے۔ الکحل کیا ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟

۶۔ چلتی ہوئی ٹرین پر اگر نماز پڑھ لی تو ہو جائے گی یا واجب الاعادہ ہے؟

۷۔ ٹرین اور ہوائی جہاز کو کشتی پر قیاس کر سکتے ہیں یا نہیں۔؟ اگر نہیں تو کیوں۔؟

اے یعنی ان کی یاد تازہ ہو سکتی ہے۔

۸۔ مصلیٰ کے لئے استدلال بالغیر درست ہے یا نہیں؟ اس جزیے کے تحت برقی پنکھے بھی آتے ہیں یا نہیں؟

۹۔ انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں۔ وغیر ذالک ایسے ہی بہت سے عقلی مسائل ہیں۔ مثلاً

۱۰۔ آج سے پہلے آسمان میں خرق و التیام کا انکار کیا گیا اور آج کی سائنس کا کہنا ہے کہ آسمان کوئی شے نہیں۔ یہ تو حدنگاہ ہے۔

۱۱۔ چاند میں ایک دنیا آباد ہے۔ وغیرہ وغیرہ
اس کے یہ معنی نہیں کہ ان سوالات کے جوابات نہیں مقصود نگارش یہ ہے کہ آج کے مسائل نے ذہن کا رخ موڑ دیا ہے لہذا ہمیں بھی سوچنا چاہئے کہ وہ کونسی راہ اختیار کی جائے کہ اپنی درس گاہ کے فاضل طلبہ اسلام پر ہونے والے سوالات کے تحقیقی جوابات دے سکیں۔ ایسی وقت ممکن ہے جبکہ ہم اپنے مضبوط اور کمزور دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیں مضبوط کو اور زیادہ مستحکم بنائیں اور کمزوریوں کا ازالہ کریں۔
اب اس ضمن میں ہم اپنے بعض کمزور پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً ہماری درس گاہ کے طلبہ اگر امر میں کئی برس صرف کرتے ہیں مگر عربی بولنے اور لکھنے پر قادر نہیں ہوتے حالانکہ سند فراغت لیتے وقت انھیں زبان پر قدرت تام ہونی چاہئے۔ ایسے ہی صرف میں اس کا بھی امر کان ہے کہ علم الصیغہ اور فصول اکبری کی جگہ صرف ایک ہی کتاب داخل نصاب ہو مگر اس میں کسی صاحب کو محنت کرنی پڑے گی علم الصیغہ کی بحث اسمائے مشتقات اصول ہموزا اور اصول معتل کو لے لیا جائے اور فصول اکبری سے خاصیت ابواب اسمیں کو رس بھی ہلکا ہو جائیگا۔ طلبہ زیر بار بھی نہ ہوں گے۔ اور کم وقت میں اتنی ہی استعداد بھی پیدا ہو جائے گی۔

ایسے ہی مقامات حریری سبوعہ معلقہ حماسہ اور متنبی جیسی کتابیں محض تحفظ زبان کی خاطر ہیں لیکن اب رائج الوقت زبان نہیں ہے لہذا ان کی جگہ آج کا رائج الوقت ادب داخل نصاب کیا جائے تاکہ طلبہ عربی اخبارات و رسائل کو

بآسانی پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔ اگر زبان میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی تو اسی کے سہارے طلبہ خود اپنی قوت مطالعہ سے کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے ایسے ہی معقولات کی کچھ کتابوں کے خلاصے ترتیب دیے جائیں جس سے تقوڑی مدت میں طلبہ ایک معیاری صلاحیت کے مالک ہو جائیں مقصد یہ ہے کہ نصاب کو سہل العمل و سہل الحصول بنایا جائے۔

انسان اس کا دشمن ہوتا ہے جو اسے نہیں آتا ہماری درسگاہ کے جو اساتذہ اذہب میں کمزور ہوتے ہیں وہ اس فن میں کیڑے نکالتے ہیں۔ ارے بھائی اسمیں کیا رکھا ہے رکھا تو بہت کچھ ہے مگر چونکہ یہ فن آپ کو نہیں آتا اسلئے اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی یہی حین صورت ہو سکتی ہے کہ اس فن ہی کو کنڈم دکھلا دیا جائے ایسے ہی جن لوگوں کو معقولات سے دلچسپی نہیں وہ تو یہ کہہ کر اپنا دامن بچا لیتے ہیں

علم دین فقہ است تفسیر و حدیث

جن کو نحو سے دلچسپی ہے وہ یہ کہا کرتے ہیں خوبیاں رامغرب باید چوشہاں بہر کیف ان لطائف و ظرائف سے درسگاہوں کا معیار اونچا نہیں ہو سکتا۔

ایسے تعلیم کے ساتھ ہماری درسگاہیں ایک مخصوص انداز تربیت چاہتی ہیں۔ اسکول اور کالج کے طلبہ کالج کے باہر خواہ کچھ بھی ہوں مگر ان کی کالج کی زندگی ایک دستور و ضابطے کی پابند ہوتی ہے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر کالج کے قانون کے خلاف ورزی اور کالج سے نکال دیئے گئے۔ تو اس وقت تک دوسرے کالج میں داخلہ نہ ہو سکے گا تا وقتیکہ یہ کالج ہمارے چال چلن کی تصدیق نہ کر دے لیکن افسوس کہ ہماری درسگاہوں میں اس کا یکسر فقدان ہے ایک درسگاہ کا طالب علم خواہ کتنی ہی قبیح حرکت کیوں نہ کر بیٹھے مگر دوسرا مدرسہ اس کی چال چلن کی تصدیق کئے بغیر اس کا داخلہ کر لے گا سوچئے کہ قانون کی ایک دفعہ سے لاپرواہی برتنے سے فو اشل کے کتنے دروازے کھل جاتے ہیں۔

ایسے ہی ہماری درسگاہ کے طلبہ دورہ حدیث میں ہوتے ہوئے بھی یہ

نہیں جانتے کہ ہمیں آئندہ زندگی میں کیا کرنا ہے۔ حالانکہ ہوش و گوش کے بعد طالب علم کو اپنی راہ متعین کر لینی چاہئے اور اس میں ہمارے اساتذہ کی بھی ذمہ داری کو دخل ہے کہ وہ طالب علم کی صلاحیت پر کچھ لینے کے بعد اسی فن کا کمال پریدہ کر دیں تاکہ وہ اس توانائی سے سند فراغت ہاتھ میں لے کہ میں ہر اونچی سے اونچی درس گاہ سنبھال سکتا ہوں۔ یا منصب افتا کی ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دے سکتا ہوں یا لاکھوں کے مجمع میں خطابت کے جوہر دکھا سکتا ہوں یا شاہستہ و صحت مند لٹریچر سے قوم کا ذہن و فکر بدل سکتا ہوں۔ میں اس بات کا قطعاً قائل نہیں کہ ہماری درس گاہ کا شیخ الحدیث ہر فن کا ماہر ہوتا ہے اس کو مہارت کسی اور ہی فن میں ہوتی ہے۔ بقیہ دوسرے فنون پر اس کی ذیلی نگاہ ہوتی ہے۔ لہذا اگر طلبہ میں یہ شعور بیدار کر دیا جائے تو کچھ دنوں بعد ہماری درس گاہوں سے علیحدہ علیحدہ فن میں ماہرین نکلیں گے جن پر ہم بجا طور پر فخر کر سکیں گے۔

یہ کچھ ضروری نہیں کہ میری زندگی ہی میں یہ سب کچھ ہو جائے اگر مرنے کے بعد بھی ہماری درس گاہوں کا اچھا ہوا مسئلہ سلجھ گیا اور حالات کے تحت انھوں نے کوئی عمدہ راہ بنالی تو میری روح آسودہ خاک ہوگی۔ اے

شعبہ صنعت

موصوف مدرس عربیہ میں صنعت و حرفت سے متعلق واضح اور غیر مبہم نظریہ کے حامل تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مدرس میں ایسی چیزوں کو جگہ دی جائے جن سے دارالعلوم اور جامعہ کے بجائے دارالعلوم اور جامعہ کو فیکٹری اور کارخانہ کہنا پڑے۔ اگر صنعت و حرفت کو یہاں جگہ دیدی گئی تو مدرس مبلغ مفتی، اور خطیب و مناظر تو پیدا ہوں گے البتہ درزی کشیدہ کار، بڑھئی اور سنار جیسے کاریگر مل جائیں گے جو ہو سکتا ہے بہشتی زیور بنالیں لیکن بہار شریعت یا قانون شریعت بالکل نہ لکھ سکیں گے۔ اور اس طرح

اے ماہنامہ پاسبان جون ۱۹۶۳ء

قیام مدارس کا مقصد و منشاء فوت ہو جائے گا۔ اسلئے ان چیزوں کے لئے علیحدہ ادارے قائم کیے جاسکتے ہیں لیکن مدارس عربیہ ان چیزوں کے متحمل نہیں ہو سکتے یہاں تو خالص علمی ماحول پیدا کرنا چاہئے تاکہ طلبہ پوری ذہنی یکسوئی سے اپنے نصاب کی تکمیل کر سکیں اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ان کا ذہن بٹ جائیگا اور ذہنی انتشار کی وجہ سے پوری توجہ سے کام نہیں لے سکیں گے اور یہ جماعت کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگا اور تعلیمی طریقہ کی کمزوری سے ہمارے تدریسی تبلیغی مشن کو دھککا پہنچے گا۔

دارالعلوم کے اہل کمال سے

ازراہ خلوص مجھے صرت اتنا کہنا ہے کہ آپ کی زندگی کا ایک اہم دور آپ کے مادر علمی دارالعلوم غریب نواز کی تاریخ سے وابستہ ہے اسلئے آپ حضرات دارالعلوم کے بارے میں خاموشی و سرد مہری سے کام نہ لیں آپ اپنی حیثیت خود جانتے ہیں اسلئے آپ اس بات سے پہلو تہی نہیں کر سکتے کہ عوام کی جماعت یا خواص کے ماحول میں آپ کا جو کچھ وقار ہے عظمت ہے تو یہ سب دارالعلوم غریب نواز کا علمی فیضان اور اس کے اراکین کی دین ہے۔ وسعت فکر و نظر پیدا کیجئے اور یہ جان لیجئے کہ آپ دارالعلوم کے سرمایہ افتخار ہی نہیں بلکہ اس کے کارناموں کے ترجمان اور نمائندہ بھی ہیں۔ آپ سبھی حضرات جانتے ہیں کہ اب حضرت خطیب مشرق کی شخصیت سے دارالعلوم محروم ہو چکا ہے اب دارالعلوم کی تعمیر و ترقی اور اس کے مشن کے فروغ کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اپنے اہل کمال سے قدیم کو پکارا جائے۔

ظاہر ہے آپ کی تعلیمی و تربیتی زندگی جس ادارے کی رہنمائی ہے یا جس کے آپ ہمک خوار ہیں بھلا اس کے ساتھ بے وفائی یا زبان پر کچھ اور

۱۰۶۰ جون ۱۹۶۰ء

دل میں کچھ جیسا بترتاؤ کرنا آپ کیسے گوارہ کریں گے۔ رہی بات دارالعلوم کے
ان بدخواہوں کی جن کا بال بال دارالعلوم اور اس کے اراکین کا احسان مند ہے۔
پھر بھی وہ اگر اپنی بدباطنی کی بنیاد پر اپنے غلط تاثرات سے دارالعلوم کو داغدار
کر رہے ہیں تو ایسے عناصر کو منہ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ورنہ اپنی متحرک اور
فعال مشینری میں بریک لگ جانے کا اندیشہ ہے۔ خدائے چاہا تو صر

چاہ کن را چساہ در پیش

کے مطابق وہ رسوائی خود ان کے پاؤں کی زنجیر بن جائے گی اور ان کی بدباطنی
آج نہیں تو کل میدان محشر میں انھیں ضرور ننگا کرے گی لیکن آپ کی وفاداری
کا تقاضا یہ ہے کہ آپ دارالعلوم کے ہر معاملے اور ہر آواز پر اخلاص و محبت کے
ساتھ شانہ بشانہ چلنے کی کوشش کریں۔ اپنوں سے کٹ کر انگ ہونے کے
بجائے متحد ہو کر علامہ نظامی کے منصوبوں کی تکمیل کیجئے۔ آپ کے اسی ایثار
و قربانی پر دارالعلوم کے تابناک مستقبل کی تعمیر ہو سکتی ہے اور علامہ نظامی
اور مولانا انوار احمد نظامی کے خوابوں کی تعبیر بھی یہی ہے۔

مشتاق نظامی ہوں کہ انوار نظامی
ان مرد خدا دوست کے خوابوں کی ہے تعبیر
اخلاص و محبت تری جو لان گہ تبلیغ
ایثار و صداقت بے ترے قصر کی تعمیر

ادارہ تحقیقات

پورے ملک میں اہلسنت کے ریسرچ کا کوئی ادارہ نہیں ہے میری آرزو
تھی کہ میری زندگی میں چند کروں ہی کی عمارت اس کے لئے بن جاتی۔ پھر مریہ
بعد کمیٹی دیکھ بھال کرتی رہتی۔ میں ابھی تک زمین کی حصول یا بی کی کوشش
کر رہا ہوں۔ چراغ جل جاتا تیل جی لوگ کرتے رہتے ہر دست دارالعلوم
غریب نواز سی میں یہ شعبہ جاری ہے۔ (علامہ نظامی)

آج کا عرس

آج کا عرس عوام کے ہاتھوں میں جا چکا ہے جس میں روحانیت کی گنجائش بھی نہیں لیکن نفس پروری کا سامان زیادہ ہے کل تک جہاں ایک ٹوٹی ہوئی قبر تھی آج اسی جگہ قبر چادر لگا کر پھول، اگر سب کا پورا اہتمام ہے۔ صاحب مزار کے شجرہ نسب اور سلسلہ طریقت کا کوئی پتہ نہیں مگر قوالی کا انتظام پوری آن و بان سے ہے۔ ابے انھیں کون سمجھائے کہ مسئلہ سماع، خود بزرگوں کا ماہر سماع مسئلہ رہا۔ بتائے کہاں اللہ والوں کی محفل سماع اور کہاں ہم جیسے نفس کے بندوں کی مجلس سوز و ساز ہے

کارپا کاں راقیاس از خود گمیر گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر
شیر آں باشد کہ مردم می درو! شیر آں باشد کہ مردم می خورند
بزرگوں کے کام پر اپنے کام کو قیاس مت کرو شیر و شیر لکھنے میں یکساں ہوتا ہے مگر شیر وہ ہے جو آدمی کو کھا جاتا ہے اور شیر یعنی دودھ وہ ہے جسے آدمی کھاتا پیتا ہے۔ دوستی! تم اپنی موجودہ قوالی کو بزرگوں کی اس محفل سماع پر مت قیاس کرو۔ جس پر اللہ کی رحمتیں برستی تھیں۔ دو تو عرس اور قوالی کے نام پر علماء اور بزرگوں کو بدنام نہ کرو۔ وہ عرس جس میں بدعات و منکرات ہوں اس کو عرس نہ کہو اور پارک چوہا ہے والی قوالی کو بزرگوں کی محفل سماع مت کہو۔ آج اپنے علماء بہت ہی کٹھن اور دشوار گزار مراحل سے گزر رہے ہیں۔ ان کے راستے میں کانٹے نہ بچھاؤ۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ تمہارا فعل حجت و دلیل نہیں مگر تم اپنے ہوا سلسلے دیوبندیت تمہاری معمولی سی خطا کو جھنڈا بنا کر نگر نگر پھرتی ہے۔ نظام حق۔

(ہفت روزہ تاجدار ۵ جنوری ۱۳۷۷ء)



ادبی خستہ

ہو گیا نقشِ دل پہ جو لکھا
قلم اس کا تھا اور اس کی دوا



_____ صاحب طرز ادیب ❁

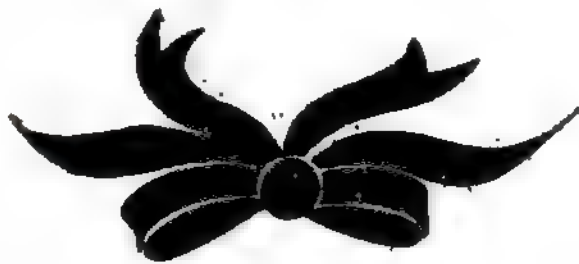
_____ ماہنامہ پاسبان الہ آباد (اجرا پس منظر اور کارگزاریاں) ❁

_____ ہفت روزہ تاجدیکٹی (اجرا، پالیسی اور مولانا نوار احمد نظامی
کی مسلسل اسیری) ❁

_____ تصنیفات ❁

_____ شاعری ❁

_____ نمونہ کلام ❁



صاحبِ تراد

زبان و قلم کی پختگی ہی خطیبِ مشرق کی انفرادیت کی روشن دلیل ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنا

خنجرِ قلم لے کر حق و باطل کی رزمگاہ میں اترے تو وقت کے کسی بھی موضوع کو نشہِ تحریر نہیں چھوڑا۔ اور الحاد و بے دینی کفر و شرک کی ہیبتِ فضا میں ان کے قلم کی قوتِ راسخہ نے عقائدِ حقہ و عقائدِ باطلہ کے درمیان خط امتیاز کھینچ دیا۔ ان کی اس خداداد صلاحیت کو دیکھ کر اپنوں نے تو اپنا دیدہ و دل فرس زاہ کیا ہی غیروں نے بھی گھٹنے ٹیک دیے۔ یقیناً یہ خداوندِ قدوس کی بخشی ہوئی وہ طاقت و نعمت ہے جو قرآن و سنت کے تحفظ و بقا کے لئے انھیں عطا کی گئی تھی۔ آپ کی تحریر کا جو بھی اسلوب و انداز ہے اس پر کما حقہ نقد و نظریہ راقم الحروف کا دعویٰ غلط ہوگا۔ البتہ یہ کہنے میں احقر حق بجانب ہے کہ موصوف جس طرح اپنے فکر و فن اور ذوقِ نظر میں امتیازی مقام رکھتے تھے اسی طرح تحریر میں بھی منفرد طرز کے مالک تھے یعنی انھوں نے اپنی نگارشات میں توضیحِ مطالب یا ترکیبِ الفاظ میں کسی کی تقلید نہیں فرمائی۔ بلکہ ایک فطری اور جداگانہ روش تھی۔ جس میں کسی طرح کی تصنع، بناوٹ اور کسب و تکلف کا کوئی دخل نہیں تھا۔ تحریر میں حکیمانہ و فاضلانہ غور و فکر، علم و فن کے معرکہ الارامباحث، ادب و انشاء کی رنگ آفرینی، فکر کی نقش آرائی، اندازِ تغلیط و تردید کی یگانگت، شعر و سخن کی بزم آرائی، خیال کی رنگارنگی، وسعتِ تخیل، قلم کی بے تکلفی و بے ساختگی نے وقت کے بڑے بڑے ادبار اور عقلا سے داد و تحسین حاصل کیا۔ مثلاً

مولانا منشآتِ تالیشِ قصوری لاہور لکھتے ہیں :-

خطیبِ مشرق رحمۃ اللہ علیہ ان خوش قسمت مصنفین کی صف میں ممتاز

مقام رکھتے ہیں جنھیں ہر جگہ قدس و منزلت حاصل رہی۔ لہ

مولانا ضیاءِ جاوہی پٹنہ لکھتے ہیں :-

حضرت موصوف کا قلمی جہاد ان مردانِ کار آزمودہ سے تھا جن کا قلم

لہ تعزیتی مکتوب۔

اپنی آوارگی کے لئے خاصی شہرت رکھتا ہے۔ لے
 مولانا بدر القادری مصباحی الینڈر قنطر از ہیں :-
 زبان و بیان میں وہ ایسی مہارت رکھتے تھے کہ ان کی دل نشیں تحریروں
 کی طرح خطبات و تقاریر بھی ادب عالی کا شاہ کار ہوا کرتی تھیں لے
 میرے دیرینہ کرم فرما مولانا غلام محیٰ انجم بستوی لکچرار جامعہ ہمدرد
 دہلی یوں رقم فرماتے ہیں :-
 یقیناً وہ صاحب طرز ادیب اور منفرد لب و لہجہ کے خطیب تھے تحریر
 انکی یگانگت مسلم تھی۔ لے

مولانا شبیہ القادری منظر پور کا بیان ہے :-
 میں نے بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ علامہ نظامی کی تحریر کبھی بھی
 مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر کا مزہ دے جاتی ہے لے
 علامہ کے انداز تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنی تحریر کو شاعری سے
 مربوط و مخلوط کر کے ترتیب دیا کرتے تھے یعنی اپنی تحریروں میں جو اشعار درج
 فرماتے تو اس طرح کہ مضمون سے اس کی کبھی جزوی مناسبت ہوتی یا پھر کبھی وہ
 شعر مضمون کا ایک لازمی ٹکڑا اور جزو لا ینفک ہوتا۔ گویا شاعر نے جو شعر کہا
 تھا خاص اسی موقع کے لئے یا یہ کہ مضمون کی وضاحت اور ادھوری بات کو
 مکمل کرنے کے لئے اس شعر کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ تحریر کا یہ اسلوب و انداز اگر اس بات کا متقاضی ہے کہ
 مہر و انشاء پر از شاعرانہ فکر کا حامل ہو تو دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ
 بے شمار اشعار اور وہ بھی اعلیٰ معیار کے اپنے معانی و مفاہیم کے ساتھ حافظہ
 میں موجود ہوں۔ اور حضرت علامہ نظامی کو اس پر کمال حاصل تھا۔ وہ جہاں
 لے

قبر آسانی لے حجاز جدید دہلی جنوری ۱۹۹۱ء لے تعزیتی مکتوب لے پاسبان نومبر ۱۹۸۰ء

کہیں ضرورت محسوس کرتے اشعار کو مضامین میں نگینے کی طرح جڑ دیا کرتے تھے مثلاً ان کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے اور ان کے ذوق صفاقت کو داد دیجئے۔

”افراد و جماعت کے لب و لہجہ میں خواہ کتنا ہی آنا جڑھاؤ ہو یہ رنگارنگی تو جماعت کا ایک طبعی تقاضا ہے جس پر کوئی پہرہ نہیں بٹھایا جاسکتا اور سچ پوچھے تو اس قسم کا تنوع ہی جماعت میں نکھار پیدا کرتا ہے کتنی پیاری بات کہی ذوق نے گلہائے رنگارنگ سے ہے رونق بہسار اے ذوق اس چین کو ہے زیب اختلاف سے لے“

آپ کی تصنیفوں میں جا بجا طنز و مزاح کا انداز بھی نمایاں ہے لیکن ظرافت ایسی جو بے داغ لطافت کی آئینہ دار ہے یعنی وہی پیائش فکر اور وہی معیار فکر و نظر کی ارجحندی جو ایک ذمہ دار تاجدار قلم کا مقتضی ہے، کہیں سے اخلاقی پہلو متاثر ہوتا نظر نہیں آتا۔ توضیح مدعا کے لئے ان کی یہ عبارت دیکھتے چلئے :-

”فاضل بریلوی کا حقہ ترتراتا تھا یا شیخ اسد علی کا حقہ گڑ گڑاتا تھا۔؟ پھر یہ بھی سوال ہو گا کہ سیدنا (اعلیٰ حضرت) امام احمد رضا نے دیوبند کی چلم کیوں استعمال کی؟ اور شیخ اسد علی نے بریلی شریف کا نیچہ کیوں پسند کیا؟ اور مولوی قاسم نانوتوی صاحب اپنے والد کے حقہ کی چلم بھرتے تو آگ کوئلے کی ہوتی یا ایلے کی؟ اور ایلے کس جانور کے گوبر سے تیار ہوتے تھے؟ اب جب آپ کی مرضی یہی تو ہاتھ گنگن کو آرسی کیا، اس میدان میں بھی اپنے گوازا مادیکھے اور فیصلہ کیجئے کہ حقہ کے دامن

لے مجسم کون۔

میں پناہ ملی یا نہیں ؟ لے
 یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ موصوف کا قلم ایوانِ باطل کی جاسوسی سرسرسانی
 اور ان کے اکابر و اعظم کے دامِ نزو ویر کو چاک کرنے میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ نہ جانے
 وقت کی کتنی ملت فروشی کی مجرمانہ ذہنیت کو بے نقاب کیا اور دین میں بلیک مارکنگ
 کا راج پاٹ ختم کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اغیار کے لئے ان کا قلم نہایت تیکھا اور زہر ملا ہوا
 ثابت ہوا۔ بلکہ جب قلم کا تیور بدلتا تو وہ تقریر ہی کی طرح تحریر میں بھی باطل قوتوں
 کو چیلنج دینے سے گریز نہیں فرماتے۔ فرماتے ہیں:

آج دیوبند کو چیلنج ہے کہ وہ شرک کی ایسی جامع مانع تعریف
 کرے جس سے خود اس کے اکابر و عمائد کا دامن بالِ بال محفوظ
 رہ سکے۔ یاد رہے! قیامت گزر جائے گی مگر ان سے یہ کبھی نہ
 ہو سکے گا۔ بات بات پر شرکِ بدعت کے فتاوے دے کر
 وہ خود اس دلدل میں اس بری طرح پھنس گئے ہیں کہ ایک عمر
 گزر جائے گی پاؤں کی کھیر طنہ دھل سکے گی۔ یہ بھی ایک عتابِ الہی
 ہے کہ قوم کو دجل و فریب میں مبتلا کرنے والے خود اپنے ہی
 تیر کے نشانہ بن گئے۔ ۲۵

ان کے طرزِ تحریر کی اس انفرادیت نے آنے والی نسل کو ادب و صحافت کی ایک
 مشعل عطا کیا اور ساتھ ہی ساتھ اردو ادب کے فروغ و ارتقا کا بھی کام کیا انھیں اردو
 ادب اور اردو نواز طبقہ سے دلی ہمدردی اور قلبی رابطہ تھا جس کا اندازہ آپ ان کے
 چند جملوں سے بخوبی کر سکتے ہیں :-

ضرورت ہے کہ پاکیزہ اخلاق اور شانِ ستادِ ادب سے اردو کے دامن کو
 بھر پور کر دیا جائے زبان کی موت محض زبان کی نہیں بلکہ اپنے کلچر و تہذیب
 و تمدن کی موت ہے۔ ہمیں پورے استقلال و ثباتِ قدی سے

زبانِ اردو کے تحفظ و بقا کی صورتیں پیدا کرنی چاہئیں۔

مجھے اس بات کا صدمہ ہے کہ اگر کان بزمِ اردو اور جناب شکیل
بدایونی صاحب کے درمیان ایک خلیج حائل ہو گئی ہے حالانکہ اردو ادب کا یہ ناریں
دو اس قسم کے باہمی اختلافات کا متحمل نہیں! سوائے مگر جناب خمار صاحب
بارہ بنگوی سے میری درخواست ہے کہ وہ بحیثیت ثالث اس معاملے کو حسن سلوکی
سے ختم کر دیں اور جناب صبا صاحب افغانی سے میری مخلصانہ اپیل ہے کہ
ادارہ فروغِ ادب کو اپنی نگرانی میں لے کر نوجوانوں کو آگے بڑھنے کا موقع

دیں۔ لے

یوں تو ایسی کوئی روایت راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزری جہاں ان کے قلم
کوئی لغزش کھائی ہو البتہ اس ضمن میں جون ۱۹۶۳ء کے ماہنامہ پاسبان کا شذرات
جو دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے زیر عنوان محققا سمیں تعلیمی و تربیتی امور کی ایک اہم
اور لمبی بحث کو بڑی خوش اسلوبی سے سیٹھا۔ اس کے ایک جملہ میں شک و شبہ کی
گنجائش ضرور پیدا ہو سکتی تھی۔

چنانچہ آپ نے اسی میں کہیں پر یہ لکھ دیا تھا کہ :

”آج کی درسگاہیں ابو حنیفہ اور شافعی پیدا کر سکتی ہیں۔“

حالانکہ پاسبان ملت کا اس جملے سے مقصود و مدعا صرف اتنا تھا کہ اگر
ہماری درسگاہوں کا معیار بڑھ جائے تو سیدنا امام اعظم اور سیدنا امام شافعی رحمۃ
اللہ علیہما کی یاد تازہ ہو جائے نہ یہ کہ مجتہد گزنا گھر بھیجی اس عبارت سے لوگ غلط فہمی
اور شک و شبہ میں مبتلا ہو سکتے تھے۔ غالباً اسی کے تحت حضرت موصوف کے استاذ
محترم مرشد برحق حضور مجاہد ملت مولانا جنیب الرحمن صاحب قبلہ (جوان دونوں
پاسبان کے سرپرست بھی تھے) نے کٹک سے ایک ہدایتی مکتوب علامہ نطکاسی
علیہ الرحمہ کے پاس ارسال فرمایا کہ ”شامی میں طبقات فقہار سم المفتی دیکھو“ چنانچہ

لے پاسبان نومبر ۱۹۵۴ء و مارچ ۱۹۵۵ء

جب پاسبان ملت نے دیکھا تو یہ صراحت ملی کہ چوتھی صدی کے بعد قیاس معتبر نہیں
 مسئلے موصوف نے فرمایا کہ ہم لوگوں کا مسلک ہے کہ ممتنع العقل نہ ہونے کے باوجود اب
 مجتہد کا پیدا ہونا عادت و شرعاً یقیناً ممتنع ہے۔ لہ
 اس طرح آپ نے ازالہ شبہ کر کے علمی دیانت و تقویٰ کا ثبوت پیش فرمایا۔

ماہنامہ پاسبان الہ آباد

اجرار، پیس منظر اور کارگزاریاں

جنگ آزادی کے بعد اگرچہ ملک کے بہت سے اخبارات و رسائل
 موجود تھے لیکن بد قسمتی سے وہ سب حکومت کی غلامی اور سیاسی مفاد پرستی کے
 دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، اہلسنت کا خالص مذہبی و جماعتی سطح پر ایسا کوئی رسالہ
 نہیں تھا جو مسلک کی اشاعت اور دین کی ترویج کا طریق فکر دے سکے چنانچہ
 ان حالات میں پاسبان ملت نے ۱۹۲۸ء میں ماہنامہ پاسبان الہ آباد کا اجرار
 فرمایا بقول مولانا بدر القادری ہالینڈ آپ نے پاسبان اس دور میں جاری کیا۔ جب
 اردو اداسی دنیا صحافت کی نزاکتوں سے نا آشنا تھی۔ انھوں نے جب اس راہ
 میں قدم رکھا تو میر کارواں ثابت ہوئے اس جریدے کے بانی ہونے کی
 حیثیت سے آپ کو ”پاسبان ملت“ کا خطاب دیا گیا۔ یہ مبارک جریدہ آپ
 کی جماعتی زندگی اور صحافتی سرگرمیوں کا وہ پہلا پودا ہے جسے آپ نے فراغت
 کے بعد سب سے پہلے نصیب کیا تھا۔ یہ جس قدر عوام کو محبوب تھا اس سے کہیں زیادہ
 خود پاسبان ملت کو عزیز تھا جس ریلے میں اہلسنت کا یہ موقر ماہنامہ علامہ کی ادارت
 اور مولانا انوار احمد نظامی کی نگرانی میں شائع ہو رہا تھا اس دور کے قارئین خوب
 جانتے ہیں کہ یہ ملک کی ایک مشترکہ آواز، اہلسنت کے معمولات و مراسم کا بے باک

ماہ پاسبان ستمبر ۱۹۶۳ء

ترجمان اور خود علامہ کی جماعتی تجاویز کی تشہیر و اشاعت کا اہم ذریعہ بھی تھا جس نے انتہائی بڑی رفتاری سے ملک بیرون ملک میں اپنی مقبولیت و ہر دل عزیز کی کانیاں مقام حاصل کر لیا تھا تقریباً چالیس سال تک اس کی ایک ایک سطر میں فکر و نظر کے موتی پروئے رہے اور قوم کی تطہیر فکر و طہارت شعور کر کے ایک صحتمند اور صالح معاشرہ کی تشکیل دینے میں اپنے اعلیٰ ترین ذوق صحافت کا مظاہرہ فرمایا ان کے اس قلمی جہاد اور بالغ نظری سے متاثر ہو کر کسی نے کیا خوب کہا۔ یہ وہ شعر ہے جو پاسباں کے ہر شمسے کے سرورق پیشانی پر نقش ہو کر رہتا تھا۔

جو رہا تھا ہر مسلمان اک میر کار و اں کا
مشتاق تھا زمانہ ملت کے پاسباں کا
فیض حبیب حق ہے ظاہر نظر نام پایا،
یارب تو پاسباں رہ ملت کے پاسباں کا

پاسباں کے شذرات اور اداریے ان کی بے قرار روح اور منسلک ملت کے درد کا آئینہ دار ہیں۔ ان نقوش کو اگر ایک قلمی جہاد کہا جائے تو بجا نہ ہوگا آج بھی اگر آپ انہیں ملاحظہ کیجئے تو ان میں کہیں جماعتی درد و کرب کی نغماں سجیاں ملیں گی۔ ایسے منسلک کی دعوت و تبلیغ کا نیا اسلوب ملے گا کہیں ان کی چشمِ خویش سے رنگی ہوئی داستانیں ملیں گی، کہیں سوادِ حروف پر ان کے دل و جگر کے لٹکے بچھے ملیں گے۔ انبیائے کرام، صحابہ عظام، شہداء اور اپنے اکابر سے ان کی روحانی عشق و محبت و ازمنگی و شیفگی کا ذکر جمیل ملے گا۔ حرکت و عمل اور اصلاح و انتباہ کے طرق بھی ملیں گے۔ غرض کہ ”پاسباں“ علامہ کے لئے قوم و جماعت کے مابین ایک ایسا ہتھیار تھا جس کے بغیر وہ اپنے کو بہتے محسوس کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے سفر و حضر میں بھی اس کے بیشتر اداریے لکھے ہیں۔

علامہ نظامی ایک اعتدال پسند اور مثبت فکر کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنی صحافتی خدمات سے ایک ٹھوس اور مثبت فکر کی بنیاد ڈالی ان کی ان مشکلات

اور مصیبتوں کے جھیلنے کا ایک ہی بنیادی مقصد تھا اور وہ یہ کہ اپنی قوم کو تعمیری
 ذہن دینے کے علاوہ دین کے دشمنوں کو ترک کی بہتر کی جواب دے کر ان کی کمرمت
 توڑ دی جائے اور اپنے خیالات و معتقدات کو ایسی معتدل پالیسی پر پیش کیا جائے
 جو افراط و تفریط سے خالی ہو۔ ہاں کچھ لوگ ان کے قلم اور زبان کی شدت پسندی
 اور سخت گیری پر چپیں بہ چپیں تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں کہ وہ خواہ مخواہ کسی کی نیت و
 ارادے پر حملہ کرنا یا عقائد و خیالات پر نقد و نظر کرنا اپنے لئے تصحیح اوقات
 سمجھتے تھے وہ اس سلسلے میں اکثر فرماتے تھے۔

سبواپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا
 کئے جاؤئے حواری و کام اپنا اپنا
 البتہ جب کوئی دشمن دین و سنیت بے وقت کی شہنائی کی طرح ان کے
 عقائد و مسلک پر چور دروازے سے حملہ کرنے کی کوشش کرتا تو وہ خاموشی
 سے اس ظلم کو برداشت نہیں کر سکتے تھے بلکہ اس کے جارحانہ حملے کی مدافعت کے
 لئے سینہ سپر ہو کر زبان و قلم سے انگارے اور گولہ بارود برسائے پر مجبور ہو جاتا
 کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

ہم ایسے معاملات میں حتی الوسع پہل کرنے سے گریز کرتے ہیں
 لیکن جب بات آہی جاتی ہے تو زبان کا جواب زبان اور قلم کا جواب
 اس قلم سے دینا جانتے ہیں جو نوکِ خنجر سے کم نہیں۔ لہ
 ماہنامہ یا سببان الہ آباد کی اشاعتی جدوجہد کی یہ کارگزاری بھی
 بھلائی نہیں جاسکتی کہ اس نے بحیثیت آرگن کے اپنے مسلک کا پوری طرح
 احتساب کیا اور اہلسنت کی روزمرہ کی تعلیمات سے عوام کو روشناس کیا
 اس کے علاوہ بہت سے سنی رسالوں، مدرسوں، تنظیموں، اور وقت کی مایہ ناز
 شخصیتوں کی تشہیر و تعارف میں قابل قدر کردار ادا کیا مثلاً ماہنامہ نوری کرن

لہ یا سببان۔ دسمبر ۱۹۸۳ء

بریلی "سنی دنیا لکھنؤ" اعلیٰ حضرت "بریلی" ماہنامہ اشرفیہ مبارکت لور، ماہنامہ تاجدار کائنات
چھپرہ وغیرہ اور بہت سے مدارس جنہیں اگرچہ وسعت و شہرت حاصل تھی لیکن بہت سے
علاقوں میں لوگ انہیں نہیں جانتے تھے لوگوں نے انہیں بھی ماہنامہ پاسبان ہی کے
ذریعہ جانا پہچانا۔ اور موقع بموقع وقت کے متعدد پیشوایان مذہب و علم دین ملت کی
شخصیت پر عظیم و فخم متعدد نمبر بھی شائع کئے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک مستند
تاریخی دستاویز ہے جو آج بھی کتب خانوں کی زینت اور اہل ذوق کے قلب و نظر کی
تمکین کا سامان ہے مثلاً

رسول نمبر، معراج نمبر، سیرت نمبر، عقائد نمبر، غوث نمبر، امام احمد رضا نمبر
مجدد اعظم نمبر، محدث اعظم نمبر، حسین نمبر، شہید نمبر، اکابر ملت نمبر، مجاہد ملت نمبر، شیخ ملت
نمبر، فتاویٰ پاسبان وغیرہ۔

ہفت روزہ تاجدار

اجراء، پالیسی اور مولانا انوار احمد نظامی کی مسلسل سیر

یوں تو ہفت روزہ تاجدار کے اجراء کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت
الہندت کا کوئی معیاری اخبار نہیں تھا جو ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں
کے حقوق اور ان کے حق بجانب انصاف و داد رسی کرتا اور حکومت وقت کو اسلامی
نقطہ نظر سے جمہوریت کے مفہوم کا احساس دلاتا لیکن بنگلور کے ہفت روزہ اخبار نشین
کی جانب سے کھلی پالیسی "تاجدار" کے اجراء کا اصل محرک اور داعیہ ہے جس کا مدیر فرقہ
مہدویہ سے تعلق رکھتا تھا جو فرقہ فادیانیت ہی کی طرح ایک گمراہ کن فرقہ ہے۔ اس
ابن الوقت مدیر نے خالص مذہبی مسائل کو سیاسی رنگ دے کر نشین کے ذریعہ دین
کی راہ میں بلیک مارگنگ کو فروغ دینے کی مذموم کوشش کی اس کے مضامین بالخصوص
"تھپڑا خیں" کے عنوان کے دل سوز و دل آزار مضامین میں بوجہ ملی فخر کے انداز میں انبیاء

واولیاء اور اصلاط کا مذاق اڑانا گویا مدیر مذکور کا شیوہ زندگی تھا اسکے علاوہ مذہبی
 تضاد بیانی، سیاسی ہتھکنڈہ اور باطل فرقوں کی تائید و حمایت، اسلام دشمنی اور گستاخی رسول
 کے بڑھتے جرائم کی شہ زوری کے پیش نظر عوام و خواص میں غم و غصے کی لہر دوڑ جانا ایک
 قدرتی امر ہے۔ چنانچہ ان حالات اور لوگوں کے سپہم اصرار اور تقاضوں کو دیکھتے ہوئے
 خطیب مشرق علامہ نظامی علیہ الرحمہ نے نشیمن شریعہ جواب ۱۹۱۸ء میں ہفت روزہ
 تاجدارِ بنگالی کا اہراج فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو تاجدارِ ملت بھی کہا جاتا ہے۔ مولانا
 محمد میاں کامل سہسروی علیہ الرحمہ اس کے مدیرِ اعلیٰ و مولانا ابوالوار احمد نظامی ناظمِ اعلیٰ دارالعلوم
 غریب نواز الہ آباد اس اخبار کے مدیرِ سول اور ادیبِ بہیر مولانا ضیاء جالوی و مولانا
 نسیم بستیوی مدیرِ اعزازی منتخب کے رفیق تھے۔

اہلسنت کے ان اربابان فکر و فن اور اصحاب قلم نے اپنی پوری صلاحیت
نشیمن کے خلاف بھرپور جہاد بالقلم کیا۔ اور پھر یہ تاجدار پوسے ملک کے مسلمانوں
کا رہبر بن کر افریقہ عالم پر نمودار ہوا۔ اس کی منور کمرہوں نے مذہب ملت، سیاست
ومعیشت، سماجی و اقتصادی اور تعلیمی تمام گوشوں کو منور و محلی کر دیا۔ اور اپنی
انتہائی دانشمندی کے ساتھ جائز اور جمہوری طریقہ اختیار کر کے اس گمراہ کن
اخبار نشیمن سے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا اور اس کی آغوش میں پرورش پانے
والے بہت سے باطل فرقوں مثلاً فرقہ چکر ڈالویت جو جا بجا اپنی تقریر و تحریر سے
عوام کو گمراہ کرتا پھر رہا تھا اور اقامت دین کی دعویٰ اور دودی تحریک کے سیاسی
متحکمزوں کے لئے علمائے ملت کو لمحہ فکر یہ دیا اور عوام کو روشناس کرایا۔ سماجی مجرموں
اور سامراجی طاقتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور وہابیت کے عظیم فتنوں
سے غیر مالک کو باخبر کیا۔

یوں تو تاجدار کا ہر شمارہ نہایت معیاری، زبان وادب کا چٹخارہ، اور فکر و فن کا شہ پارہ ہوا کرتا تھا لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا ایک متقل کالم تو پڑھتے ہی قبلہ جو دشمن کے ”تھپڑا خیں“ کے جواب میں ”شرارے“ کے عنوان

سہ صیاد کے قلم سے شائع ہوتا تھا۔ جس کا آغاز اس شعر سے ہوا کرتا تھا۔
خوشا نصیب کہ پھر حق کی مجلسوں کو ندیں
جہالتوں کے نشیمن کی اب تو خیر تہیں

تاجدار نے جہاں ایمان و عقیدے کا تحفظ، دین فروشوں کی مجرمانہ
ذہنیت کی نقاب کشائی اور بلند پایہ علمی و فکری مضامین کا التزام کیا۔ وہیں ملکی اور
بین الاقوامی سیاست پر بے لاگ تبصرہ کر کے ذہن و فکر کی صحیح تربیت کا فریضہ بھی ادا
کیا۔ تاکہ ایمان و عقیدے کی پختگی کے ساتھ ساتھ ایسا سیاسی شعور بیدار ہو جس سے
ملک کی تعمیر و ترقی میں مسلمان اپنی تعمیری صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکیں۔

ایک غیر جانبدار اخبار کی حیثیت سے اس نے نہ تو کبھی فرقہ پرستی کو ہموادی
اور نہ بھارت دشمنی کو اپنا پیشہ بنایا۔ بلکہ ملک دوستی اور جمہوری رسم و روایات کی حفاظت
و امانتداری کے لئے جتن کیا البتہ ظلم کے خلاف حق و انصاف کی خاطر اپنی صدائے
احتجاج ضرور بلند کی لیکن کچھ امن دشمن عناصر کے لئے اس کی مقبولیت اور کثرت شائع
پریشانی کا باعث بن گئی۔ اور حکومت کو ورغلا کر کبھی "۱۵۳ ایف" اور کبھی دوسری
دفعات کا چکر چلا کر مدیر سکول مولانا انوار احمد نظامی کو ان کی حق گوئی و بے باکی
کے پاداش میں جیل کی آہنی سلاخوں میں دھکیل دیا گیا۔ موصوف دومرتبہ جیل کی قید
و بند سے دوچار ہوئے اور دومرتبہ "۱۵۳ ایف" کا پھندا ان کے گلے میں لٹا
گیا لیکن دارورسن کی یہ آزمائشیں موصوف کے عزم و ارادے کی راہ میں حائل نہ
ہو سکیں۔ اور اپنی پالیسی میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں کی جسب معمول آمریت اور نام نہاد
جمہوریت کا پردہ چاک کرتے رہے جیسا کہ روزن زنداں سے عوام کے نام بھیجا ہوا یہ
پیغام شاہد ہے:

یہ صحیح ہے کہ ہم پہلے کی طرح آزاد نہیں رہے کچھ پابندیاں ہم پر پڑیں
عائد کردی ہیں۔ کچھ حکومت کی سخت گیر لہجے، لیکن ہمارے حوصلے
اب بھی جوان ہیں، ہم نے ضمیر کا سودا نہیں کیا ہے۔ ہم نے اپنی دماغی

فکری صلاحیتیں نہیں بھی ہیں ہمارے قلم پر آج بھی کوئی پہرہ نہیں بٹھایا جاسکتا ہے قلم کے
محاذ پر ہم نے شکست نہیں کھائی ہے ہم حالات کی سنگینیوں سے ہراساں نہیں ہوتے۔ اس
لئے ہم رات کو دن بھی نہیں کہہ سکتے ہم سے گدھے کو اسپ تازی اور قفس کو آشیانہ نہیں
لکھا جائیگا۔ چاہے ہم پر قیامت ہی کیوں نہ گذر جائے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تاجدار اسی
وقار اور تمکنت اور شان و اہتمام سے نکلتا ہے گا جو اس کی روایت رہی ہے اور جس
طرح ہزار بندشوں کے باوجود پھول کی خوشبو غنچوں کی قید سے باہر نکل آتی ہے جس طرح
چاندنی تاریکی کے دبیر اور تہ در تہ پر دوں کو شکاف کر کے روئے زمین پر پہنچ ہی
جاتی ہے اسی طرح ہماری آواز بھی انشاء اللہ آپ تک پہنچے گی اور آپ گھر سے غصے شن
سکیں گے۔ لے

اے کاش! آج کی نئی نسل کے جمود و تعطل کو توڑنے کے لئے پاسبان
اور تاجدار کی نشاۃ ثانیہ کی جاسکتی ہے۔ ویسے کم از کم پاسبان کے اجرا کیلئے ذہنی رہی
متعین کی جارہی ہیں اگر حضرت مولانا انوار احمد نظامی نے پوری طرح آمادگی ظاہر کی، تو
انشاء اللہ العزیز ہم جلد اس کے اجرا کی عملی راہوں پر بھی قابو پائیں گے۔

تصنیف

حضرت پاسبان ملت نے ایک اہم طبیب کی طرح وقت اور حالات
کی صحیح نباضی کی اور تصنیف و تالیف کی جانب اپنی پوری توجہ مبذول کر کے اپنے
گراں قدر تحقیقات و خیالات اور پیغامات کو قلم کے ذریعہ اس طرح محفوظ فرمادیا کہ
آنے والی تمام نسلیں ہر زمانے میں ان سے مستفید ہوتی رہیں گی، اور مدتوں تک ان کی تحریریں
دین و اسلام اور مسلک ملت کی تبلیغ و اشاعت و نصرت و حمایت کرتی رہیں گی آپ
ان کی تصنیفات کی ایک نامکمل فہرست ملاحظہ کیجئے جس سے اندازہ ہوگا موضوعات
اس میدان میں ذہن و فکر اور قلم کی کتنی جولانیاں دکھائی ہیں۔

• خون کے آنسو اول و دوم • قہر آسمانی • کربلا کا مسافر • تنویر الایمان

لے تاجدار ۱۴ جولائی ۱۹۷۲ء

فی فضائل شعبان • دیوبند کا نیا دین • انکشافات • دیوبند کی خانہ تلاشی • مجرم کو
جماعت اسلامی کا شیش محل • ہند کے راجہ • دیندار کے بے نقاب چہرے •
مینار ہدایت • نسیم رحمت اول، دوم، سوم • فردوس ادب اول، دوم، سوم

چہارم

کچھ ایسی بھی تصنیفات ہیں جو ریور طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں اور اب ان
کے مسودے بھی محفوظ نہیں ہیں۔ مثلاً

• تذکرہ • دیوبند • مبادیات منطق، معیار حق، تبلیغی جماعت کے ڈھول کا
پول، مسئلہ تقلید شخصی، جائزہ • تازیانہ •

شاعری کی ہے اور شاعری کے بارے میں کیا نقطہ نظر رکھتے تھے
شاعری خود علامہ نظامی کی زبانی سنئے وہ اردو شاعری کا تجربہ کرتے
ہوئے لکھتے ہیں :

” آج میز پر بکھری ہوئی کتابوں کا بے ترتیبی سے مطالعہ کر رہا تھا کہ حسن
اتفاق سے سید مسعود حسن رضوی کا ایک چھوٹا سا ادبی مقالہ میری نظر سے گزرا جس
کے بعض حصے مجھے بہت پسند آئے۔ خیال آیا کہ اپنی مسرت میں قارئین پاسبان کو
شریک کر لوں۔ ہو سکتا ہے ذیل کی چند سطریں آپ کو بھی پسند آئیں۔

دنیا میں جو کچھ رونق اور چل چل پھیل رہا ہے وہ جذبات کی بدولت ہے۔ اگر
خوشی، غم، محبت، عداوت، نفرت، خوف، ہمدردی وغیرہ یہ سب جذبے ناپید
ہو جائیں تو دنیا میں ایک ستانا چھا جائے نہ گلاب کے چمن سے فرحت ہو، نہ مہول کے
کانٹوں سے وحشت، شام کے سحری نعروں سے روح بیدار ہو نہ کوئے کی بے ہنگام
صدائوں پر بار ہو، نہ کسی سے ملنے کا اشتیاق ہو نہ کسی سے چھٹنا شاق ہو، ایک
بے امتیازی بے تعلقی کا عالم پیدا ہو جائے مختصر یہ کہ اگر جذبات فنا ہو جائیں تو
رشتے ٹوٹ جائیں، تعلق چھوٹ جائیں، زندگی کی دلچسپیاں مٹ جائیں، سوسائٹی
کی بنیادیں ہل جائیں، معاشرت کی کلیں بگڑ جائیں، تہذیب و تمدن کے کارخانے

بند ہو جائیں اور انسانیت و حیوانیت کے بیچ میں ایک حد لاسا خط فاصلہ باقی رہ جائے عقل کے علاوہ جذبات بھی انسانیت کا طرہ امتیاز ہے یہی جذبات جب لفظوں کا لباس پہن لیتے ہیں تو شعر کہلاتے ہیں جو حضرات شعر و شاعری کو محض بیکاری کا مشغلہ جانتے ہیں ان کی خدمت میں مولانا صافی لکھنوی کا شعر حاضر ہے ۔

شاعری کیا ہے مری جذبات کا اظہار ہے
دل اگر بیکار ہے تو شاعری بیکار ہے

علمی دنیا میں ڈارون کا نام کون نہیں جانتا۔ ابتدائے عمر میں اسے شعر و سخن سے بڑی دلچسپی تھی مگر بعد کو مسئلہ ارتقاء کی تحقیق نے اسے ایسا محو کر لیا کہ کسی اور طرف توجہ کا موقع نہ دیا، آخر عمر میں اس نے اپنی سوانح عمری میں خود لکھا۔ اس میں اپنے جذبات کے مردہ ہو جانے پر اظہار افسوس کیا کہ ۳۳ برس کی عمر تک بلکہ اس کے بعد تک شاعری کی اکثر صنعتوں میں مجھے بہت لذت ملتی تھی لیکن اب کئی سال سے ایک مصرع بھی پڑھنا میری قوت برداشت سے باہر ہے۔ اگر مجھے اپنی زندگی پھر سے مل جاتی تو کم سے کم ہفتے میں ایک دفعہ کچھ شعر کا پڑھ لینا اپنا معمول بنا لیتا۔ امریکہ کا مشہور ماہر نفسیات پروفیسر جیمس لکھتا ہے کہ ڈارون کے اس بیان سے لوگوں کو سبق لینا چاہئے اور یہ شخص کم سے کم دس منٹ روز شاعری کے لئے وقف کر دینا چاہئے۔ تاکہ جذبات مردہ نہ ہونے پائیں۔

میری نگاہ میں اس قول کو یوں بھی اہمیت ہے کہ وہ کسی شاعر کی زبان سے نہیں بلکہ ایک مشہور فلسفی کے غور و فکر کا نتیجہ اور ایک مشہور سائنس دان کے ذاتی تجربوں کا خلاصہ ہے۔ اور یہ واضح رہے کہ فلسفہ اور سائنس یہی دو شعر کے بڑے دشمن ہیں مگر انھیں بھی شعر و شاعری کے مفید ہونے سے انکار نہیں۔

شاعری بے حس قوتوں کو چونکاتی ہے، سوئے احساس کو جگاتی ہے، دلوں کو گرم کرتی ہے، جوصلوں کو بڑھاتی ہے، مصیبت میں تسکین دیتی ہے، مشکل میں استقلال سکھاتی ہے۔ بگڑے ہوئے اخلاق کو سوار کرتی ہے، اور گری ہوئی قوموں کو

ابھارتی ہے۔ لہ

علامہ کے ان تاثرات اور اظہار خیال سے خوب واضح ہے کہ وہ شاعری سے
کس حد تک شغف رکھتے تھے حالانکہ وہ کہتے ہیں۔

اے نظامی چھوڑ دے افسانہ شعر و سخن

یہ تری منزل نہیں اور یہ ترے عالم نہیں

شاعری کی دنیا میں فکر و نظر کے کتنے نشیب و فراز سے دوچار ہونا پڑتا
ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ بالخصوص نعتیہ شاعری کی دنیا میں تو وہی لوگ
قدم رکھتے ہیں جن کا دل و دماغ توفیق الہی اور عشق رسول سے آباد و مزین ہوتا ہے
ورنہ بغیر تائید ربانی و اعانت رسول کے یہ وادی از ابتدا تا انتہا وادی خارزار ہے
جہاں کانٹوں کی دست درازیاں ہیں کیونکہ یہ وہ مقام ہے جہاں حسن صورت و
حسن سیرت کے القاب آداب سے مدوح کو نہیں مداح اپنے کلام کو سجاتا ہے۔

ما ان مدحت محمد ا بمقالتی

لکن مدحت مقالتی محمد

علامہ نے اس کی اہمیت کی جانب کتنا لطیف اشارہ فرمایا ہے۔
یہاں تو ہر بات جچی تلی کہی جاتی ہے نہ تو عشق و محبت کے غلو میں رسالت
کا ڈانڈا توحید سے ملایا جلائے اور نہ ہی حبث باطنی کے تحت محبوب خدا کو اپنے جیسا
بشر کہا جلائے بروقت کسی کا ایک مصرع یاد آیا۔ کہنے والے نے کہا اور بڑی
احتیاط سے کہا۔

صل گولا کھ بشار پنے کو کہو کچھ اور گمان عالم ہے
وضاحت نہ کرتے ہوئے اور گمان نے اس مصرع میں جان ڈال دی،
اہم و تنکیر نے مصرع کو کہیں سے کہیں سنبھا دیا ہے۔ گویا ایک سوالیہ نشان ہے جس سے
تلاش معنی کے لئے ذوق تجسس کو دعوت امتحان ہے۔ لہ

لہ ماہنامہ پاسبان مارچ ۱۹۵۵ء لہ نشاط زندگی۔

علامہ نظامی اپنے ذوق شاعری کے بارے میں ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں
 اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ کیا تم شاعر ہو؟ تو ایک بار نہیں کئی بار
 یہ کہتے ہوئے تامل نہیں کرتے کہ شاعروں نے شاعری سے دور کا رشتہ ہے
 البتہ دوسروں کے اشعار سے دل بہلا لیتا ہوں۔ کبھی کبھی تو یہ حال ہوتا
 ہے کہ ایک ہی شعر مفتوں گنگنا تا رہتا ہوں۔ مولانا ابوالوفا فصیحی کا یہ
 نعتیہ شعر مفتوں میری زبان پر رہا۔

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں کسی عالم میں رہ جاتے
 یہ ان کی ہنسی بانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا
 مجھے اتنا یاد ہے کہ ۱۹۴۲ء میں شعر و شاعری کا ہلکا سا ذوق
 پیدا ہوا۔ پینسل کا ایک ٹکڑا اور کاغذ کے چند پرزے ہر وقت
 میری جیب میں رہتے۔ اگر مصرع اول کہہ لیتا تو مصرع ثانی کی تک بندی
 میں گھنٹوں بیت جاتے اور دماغ اسی ذہنی کشمکش میں الجھا رہتا۔
 یہ اس وقت کی بات ہے جب استاد محترم مولانا محمد نظام الدین صاحب قلم
 مفتی پاسبان کی درسگاہ میں ترمذی شریف کا درس ہو رہا تھا۔ ایسا وقت
 ایسا ہوتا کہ استاد محترم پوری تقریر فرما جاتے مگر ردیف قافیہ کی
 جوڑ گانٹھ میں میرے پلے کچھ نہ پڑتا۔ طبیعت کا بگڑتا ہوا رنگ دیکھ
 کر اساتذہ کو اصلاح کرنی پڑی یہاں تک کہ دماغ کا رخ بدل دیا۔
 اور فطرت کے ابھرتے ہوئے جذبات سرد پڑ گئے۔

پھر تعلیمی سرگرمیوں میں منہمک ہو گیا۔ الہ آباد یونیورسٹی سے
 فاضل ادب کی کامیابی پر شکیل یونی کی غزل پر ایک طرحی مشاعرہ
 منعقد کیا۔ مصرع طرح کھا

ع شراب مست نظر سے پلائی جاتی ہے
 مجھے اپنی غزل کا ایک شعر یاد ہے :۔

کسی کے عارض رخ پر بکھر گئیں زلفیں

بیاض صبح پہ طلعت سی چھائی جاتی ہے

نہیں جانتا کہ یہ شعر کس بحر میں ہے اور کیا تقطیع ہے اور واقعہ تو
یہ ہے کہ ہم لوگوں کی شاعری بحر و تقطیع سے بے نیاز ہے۔ ابھی تھوڑے
دنوں کی بات ہے، پرشدے پور ضلع رائے بریلی میں مسئلہ قیام و
میلاد پر عبدالسلام لکھنوی سے مناظرہ تھا جس میں بھی شریک تھا پرشدے پور
کی کسی نشست میں حضرت مولانا رفاعت حسین صاحب نے
اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ہم لوگ طالب علی کے زمانے میں خود بزم
مشاعرہ منعقد کرتے اور دوسرے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے
سید العلماء مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی بھی نعت و غزل پر طبع آزمائی
فرماتے مگر ایک ہی شعر کا کوئی مصرع چھوٹا ہوتا کوئی بڑا جب لوگ
مولانا سے عرض کرتے کہ فلاں مصرع بڑھ گیا ہے تو مولانا بڑی تکلفی
سے جواب دیتے ”کیا مضائقہ ہے بڑھ گیا ہے چھوٹا تو نہیں ہے۔“
سید العلماء میرے سلسلہ اساتذہ میں ہیں۔

عق قیاس کن زگلستان من بہار مرا لہ
یہ تو آپ کا کمال انکساری ہے ورنہ بقول جناب خورشید جان قریشی۔
سری نگر کشمیر۔

”برسغیر مند و پاک میں اسلامی علم و ادب اور شاعری کے پرانے
اور نئے رجحانات نئے حالات و نئے تقاضوں پر ان کی گہری نظر
کتنی راہ و شاعری کسی بھی موضوع پر لکھتے تھے تو بلا جھجک
شاعری کے فن پر عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان موضوعات پر
علامہ نظامی کے دوست جناب ان کے خیالات سننے کے لئے ہمیشہ

لے ماہنامہ پاسبان مارچ ۱۹۵۵ء

بے تاب رہتے تھے۔ لہ

نمونہ کلام

علامہ نظامی کو خواہ مخواہ شعر کہنے کا شوق نہیں تھا۔ البتہ حسب فرصت جب اشعار کہتے تو کلام کا ہر شعر انتہائی موزوں، با اثر، ہوتا۔ اگر آپ کے کلام کا فن عروض کے اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو ہر شعر کسی نہ کسی بحر میں ضرور پالیا جائے گا۔ بے جھجک، برجستہ اور بے تکلف ہو کر اشعار کہتے۔ جذبات آفرینی، سوز و گداز، عشق و وارفتگی کے ساتھ ساتھ اپنے احساسات و خیالات کو روزمرہ کے سہل ترین الفاظ کا جامہ پہنا کر شاعری کا رنگ دینا آپ کی خصوصیات سے ہے۔

ان کے نعتیہ کلام کے جس شعر نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ہے
عشق رسول میں ڈوبا ہوا یہ شعر ہے

طواف کعبہ بھی کرنا ہے مجھ کو اے حرم والو !

اگر فرصت ملی مجھ کو طواف کوئے جاناں سے

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ اس وارفتگی کے باوجود جس رسول و جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق اور اس کی شورش و سرستی ان کے دل میں تاحیات تہلکہ مچاتی رہی۔ اور اس محبوب کے دامن ناز کو پکڑنے کے لئے تازہ زندگی اپنا گریبان وحشت چاک کرتے رہے اسی محبوب کے سنگ در کی زیارت نہ ہو سکی اور نہ ہی فریضہ حج سے سبکدوش ہوئے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس حرمان نصیبی کا باعث کیا ہے۔ آیا تحفظ ناموس توحید و رسالت اور جماعتی و دینی مشاغل و مصروفیات کا ہجوم حائل تھا یا موصوف کا غرضہ قلب اس شرف کو حاصل کرنے سے مانع رہا جو تادم حیات آپ کو ایر و پلین سے سفر کرنے سے معذور رکھا یا یکہ مسلسل علالتوں کے باعث وقت اور حالات سازگار نہ ہو سکے۔

بہر حال حضرت موصوف اپنی اس نامرادی و ناکامی پر پوری زندگی کف افسوس

لے مجاز مارچ اپریل ۱۹۹۱ء

ملنے سے۔ اور اس میدان پر جیتے رہے کہ کبھی تو در محبوب کی حاضری نصیب ہوگی۔

فرماتے ہیں:۔

ناکام تمنا ہوں مگر اس بندھی ہے
سنگِ درِ جاناں پہ کبھی اپنی حبس ہو
آپ کے کلام میں حمد، قطعہ، منقبت، غزل، سبھی کچھ پائے جاتے ہیں
لیکن غزلیں ایسی ہیں جنہیں نعت کا پہلو بھی نمایاں ہے بلکہ اگر انہیں نعتیہ غزل کہا جائے
تو بے جا نہ ہوگا جن پر تبصرہ کرنا مجھ کمزور کی مجال نہیں۔ البتہ ان کے کلام کے چند منتخب
حاضر ہیں۔ قارئین ان کے فن کی پختگی، زبان و بیان کی قدرت کا خود فیصلہ کریں۔

دل میں تم کو لے آیا ہوں، نرا لے بھیس میں
تم ہمارے دیس میں ہو ہم تمہارے دیس میں
در بدر کوچہ بہ کوچہ انتہائے شوق میں
میں تمہیں کو ڈھونڈتا تھا کل تمہارے دیس میں
میں نے مانا حسن کی رعنائیاں تمہیں ہر طرف
کون جھپٹا ہے تمہارے بن تمہارے دیس میں
عشق آتے ہی لٹا طر زندگی جا مارا
پھول کا نٹے بن گئے ہیں اب تمہارے دیس میں
کون جانے کب مٹے گا کاروانِ زندگی
ہر نظر بیگانہ اٹھتی ہے تمہارے دیس میں
اک تمہارا آسرا تھا تم نے آنکھیں پھیر لیں
کون اپنا بن سکے گا اب تمہارے دیس میں
گرم آنسو، سرد آہیں، داغِ دل، خونِ جگر
یہ متاعِ عشق لایا ہوں تمہارے دیس میں

تم نہ مجھ کو مل سکے تو ہر دور و دیوار سے
میں کھلے مل مل کے رویا کل تمہارے ہیں

زلزلوں کو اپنی آپ پریشاں نہ کیجئے
نا کامیوں کے ہاتھ جو دنیا سے چل بسا
کھنے کو دل مر رہے، مگر آپ ہی کلبے
دامن نہ چھوٹ جائے کہیں صبر و ضبط کا
اپنی جفا کو چھیر کر میری وفا کے ساتھ
اپنے کو آپ خود ہی پشیمان نہ کیجئے
تو ہمیں عشق ہے یہ نطانی سمجھ لیں آپ
دامن کو تار چاک گر بیاں نہ کیجئے

بتلے کوئی دیوانہ کبھی اسرار پنہاں کو
جنون عشق میں ایسا کبھی عالم نہیں ہوتا

بھڑک جاتی ہے جب یہ آگ تو بجھنے نہیں پاتی
جراغ عشق جل جاتا ہے تو مدھم نہیں ہوتا
نیشن خاک ہو جائے متاع زلیبت لٹ جائے
مگر اہل وفا کی بزم میں ماتم نہیں ہوتا

کسی کا راز رکھنے کو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
کہ آنسو جھللاتے ہیں، دامن نہ نہیں ہوتا
فلوں دوستی اس میں کہاں دھوکا ہی دھوکا ہے
جو اپنا ہونے کے بھی اپنا شریک علم نہیں ہوتا

پریشانی مری سن کر جو کل تک سرد صنتے تھے
اب ان کو میری بربادی کا کوئی علم نہیں ہوتا

فقط عشق ہی کو نہ مجبور سمجھو اسے حسن بھی تو ہے مجبور تو بہ !!!
 سمجھتے رہے عمر بھر مجھ کو اپنا زباں سے مگر وہ کبھی کہہ نہ پائے
 وہ آئیں تو بن بات کے روٹھ جائیں وہ جائیں تو دل ہی سے مجھ کو بھلا میں
 میں گویا ہوں ان بدنصیبوں میں جس کو خوشی راس آئے نہ غم راس آئے
 تری چشم تر کس کے قربان جاؤں جو ساغر کا ساغر لئے سوراہے
 پلا دے اسے آنکھ سے آج ایسی قدم ڈگمگائے پھسلنے نہ پائے
 سفینہ محبت کا کب ڈوب جاتا مگر وہ تو کہئے کہ ضبط کام آیا !
 سلامت ہے حوصلہ میرے دل کا اسی کو یہ چاہے جو اس کو ستائے
 وہ کیا مجھ سے روٹھے زمانہ خفا ہے نہ غیروں سے شکوہ نہ اس سے گلہ ہے
 وہی جیت پائے محبت کی دنیا زباں پہ جو حرف شکایت نہ لائے
 مجھے چپ ہی رہنے دے مت چھوڑنا صبح میرے حال دل سے تو واقف نہیں
 وہ کیا تجھ سے بولے گا تو ہی بتائے جو ہر بات پر صرف آنسو بہائے
 نظامی بس اپنا مقولہ وہی ہے جو رونی و جاتی نے اکشر کہا ہے
 نصیب کا اس کو سکندر کہوں گا جو اپنے کو کھوکرا نہیں ڈھونڈ پائے

کیا ابھی پردہ دیری داستانِ غم نہیں
 سننے والے سن رہے ہیں اور آنکھیں تم نہیں
 چاہئے ایسی خلش جو دل کو قڑ پاتی رہے
 وہ بھی کوئی زندگی ہے جس میں کوئی غم نہیں
 بارگاہِ حسن پر چھکتی ہے دل کی کائنات
 وہ بڑا سرکش ہے جس کا سر ہاں پر خم نہیں
 دستِ نازک سے دیا ساقی نے مجھ کو جامِ مے
 لاؤ اس کو چوم لوں یہ جامِ جم سے کم نہیں

یہ دل خود جلوہ گاہ یار ہے پھر اس کا کیا کہنا
 یہاں کی صبح پر اب شام کا عالم نہیں ہوتا
 محبت کی یہ دنیا بھی عجب پر کیف دنیا ہے
 متاعِ دو جہاں کھو کر بھی کوئی غم نہیں ہوتا
 تمہیں پا کر نظامی بھول بیٹھا ہے زمانے کو
 اب اس کو شکوہ اجاب کا بھی غم نہیں ہوتا

وہ آئے مرے سارِ ہستی کو چھوڑے کبھی گنگنائے کبھی مسکرائے
 پھر ایسے مجھے بھول بیٹھے ہیں جا کر نہ پیغام بھیجے نہ خود ہی آئے
 یہی بات بس حاصلِ زندگی ہے رہے دل میں لیکن زباں پر نہ آئے
 بڑا قیمتی ہے وہ پلکوں کا آنسو زمیں پر نہ ٹپکے مگر جھللائے
 اسے کس طرح کوئی پہچان پائے جو دل میں تو آئے سمجھ میں نہ آئے
 اسے دیکھ پائے کوئی آنکھ کیسے جو پردہ اٹھائے نہ پردہ گرائے
 یہ اس کا کرم ہے کہ دل ایسا بخشا کبھی یاد سے تیری فرصت نہ پائے
 ملی ہے وہی آنکھ مجھ کو ازل میں تیری رہ گزریں جو پلکیں بچھائے
 نہ جانے مرے دل کا آزار کیا ہے بڑھے دل کی دھڑکن جو کوئل پکارے
 کلیجہ پکڑ کے وہیں ہم بھی روئے پیہا کہاں پی کے جب گیت گائے
 ترے حسنِ معصوم کے میں تصدق جسے دیکھتے ہی کلی مسکرائے !!!
 تری مسکراہٹ کے قربان جاؤں جو بجلی گرائے نشینِ جلائے
 وہی کامیاب محبت ہے نا صبح جو دھاروں سے الجھے جفاؤں سے کھیلے
 وہ کیا کر سکے گا جو پھولوں سے کھیلے مگر اپنا کانٹوں سے دامن بجائے
 مری آرزو تھی انھیں ہم جو باتے گلے مل کے رولے، غمِ دل سناتے
 نہ جانے ہو کیا انھیں دیکھتے ہی قدم ڈگمگائے تو لب تھر تھرائے

تم نہ بدلو بس یہی ہے مدعا سائے زندگی،
 پھیر لے رخ ساری دنیا مجھ کو اس کا غم نہیں
 اشک بن کر ڈھل رہا ہے خونِ دل خونِ جگر
 یہ متاعِ عشق ہے پانی نہیں شبنم نہیں
 فرق صرف اتنا ہے میرے اور ان کے درمیان
 مجھ کو ان کا غم ہے لیکن ان کو میرا غم نہیں!
 کوئی دیکھے تو صحیح کتاب ہے محکم رابطہ
 غم برائے دل نہیں یا دل برائے غم نہیں
 اے نظائی چھوڑ دے افسانہ شعور و سخن
 یہ تری منزل نہیں اور یہ ترا عالم نہیں!

ترے حسنِ ازل کے سب پجاری
 نہ پوچھو رفعتِ انساں کا عالم
 تمہیں دیکھا ہے یا سوچا ہے جب بھی
 بس اتنا جاننا ہوں تم نے لوٹا
 جو کل تک تھے شریکِ غم ہمارے
 وہ دل جس میں جلی تھی شمع الفت
 تری الفت میں ہر کوچے سے گذرا
 وسیلہ بھی بڑی شے ہے حسدِ ایا
 بڑا نادان ہے تو بھی نظائی
 اسی کو دل دیا جو دل کا دشمن،
 کوئی شیخِ حرم ہو یا برہمن
 وہاں پہنچا جہاں چلن پہ چلن
 نہ جانے کیوں اٹھی ہے دل میں دھڑکن
 تمہارا بانگِ ہو یا، لڑکپن
 انہیں ہاتھوں نے پھونکا ہے نشیمن
 وہی اب آرزوؤں کا ہے مدفن
 نہ دیکھا میں نے سحرِ زہرِ گلشن
 میں پہنچا تو مگر دامنِ بے امن

نہ جانے کتنی رعنائی کو تم میں جلوہ گر دیکھا
 کبھی نعل و گہر دیکھا کبھی شام و سحر دیکھا
 کبھی بجلی سی کو زردی تھی بس اتنا یاد آتا ہے
 نہ جانے ان کو دیکھا یا کوئی برق و شرر دیکھا
 میں قرباں حسن جاناں تیری اس جلوہ مائی کے !!

تجھے جب بھی جہاں دیکھا یا انداز دگر دیکھا
 تبسم زیر لب، آنکھیں تو بہ شکن زلفیں
 قیامت در بغل گزرے ادھر دیکھا ادھر دیکھا
 لب لعلیں، درد ندان، رخ زیبا، قدر عنا
 زمیں پر اک فرشتے کو بہ انداز بشر دیکھا
 تمہیں دل میں مکیں پا کر نظامی کا یہ عالم ہے
 نہ کوئی رہ گزر دیکھا نہ کوئی بام و در دیکھا



حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ کی شان میں علامہ کی ایک منقبت ملاحظہ
 کیجئے جس میں انھوں نے اپنے قاشہائے دل کو پیش کر دیا ہے :-
 آج آیا ہوں میں اک ایسے بشر کے سامنے !!
 صف بصف قدسی کھڑے ہیں جن کے در کے سامنے

یہ شہنشاہی نہیں تو اور اس کو کیا کہیں
 ساری دنیا بھیک مانگے ان کے در کے سامنے
 ہے گریباں چاک دامن تارا آنکھیں اسکیار
 کیسے دیوانے کھڑے ہیں تیرے در کے سامنے

تیرے جلووں میں نہائی آنکھ اپنی مدتوں !
 اب کوئی چھتا نہیں میری نظر کے سامنے

کوئی راجہ ہے نہ پر جا آستان ایسا ہے یہ
 سب گدایا نہ کھڑے ہیں ان کے در کے سامنے
 دیدہ و دل روتے روتے تھک گئے اپنے حضور
 اب تو ہم کو بھیج دو خیر البشر کے سامنے
 چاند شرمندہ ہوا سورج بھی بھدکا پڑ گیا،
 جب کبھی تم آگے شمس و قمر کے سامنے
 اے مفسر اے محدث، اے مجاہد اے فقیہ
 کون نک سکتا تھا تیرے اس ہنر کے سامنے
 میر صاحب، عبدالرب، ملا نظام، عبدالوہید
 کون آئے گا تیرے نعل و گہر کے سامنے
 حشر میں محمد کو چھپا نا اپنے دامن میں حضور
 میری رسوائی نہ ہو خیر البشر کے سامنے
 نام سنتے ہی ترا باطل نے اپنی راہ لی !
 تیرا ایسا دبدبہ تھا کم نظر کے سامنے
 سرخروئی، سرفرازی، سر بلندی ہو عطا
 بھیک لینے آگیا ہوں تیرے در کے سامنے
 قادری ہشتی، نظامی سب ہیں تیرے جانثار
 عشق کا میل لگا ہے تیرے در کے سامنے
 قاشہائے دل کو لایا آستان پہ اسلے
 اشک کام آتا نہیں خونِ جگر کے سامنے
 سینہ بریاں، چشم گریاں، آستیں بھگی ہوئی
 آگیا تیرا نظامی تیرے در کے سامنے

مختصرات کے نامِ علامہ نظری کا پیغام

آج ہماری درسگاہوں کے طلبہ سے بعض دولت مند طبقہ نے یگانہ
بے اعتنائی برت لی ہے حالانکہ انھیں سوچنا چاہئے کہ مستقبل میں ملتِ اسلامیہ کے
نشر و اشاعت کی ذمہ داری انھیں کے کاندھے پر ہوگی۔ اور کسی وقت یہ قوم کے
ہادی و رہنما ہوں گے! اسلئے مسلمانوں سے اپیل ہے کہ میری دو تین باتیں جلتے جاتے
یا درکھیں پہلی یہ کہ اپنے مدارس کو مضبوط بناؤ۔ اور عربی طلبہ کی قدر کرو۔ دوسری
یہ کہ آج وہابی دیوبندی علماء سنیت کا لبادہ پہن کر آرہے ہیں لہذا انھیں
پہچاننے کی کوشش کرو۔ تیسری یہ کہ اس وقت علماء اہل سنت دشمنوں کے زرعے
میں ہیں لہذا انھیں پورے طور پر تمہارا تعاون حاصل ہونا چاہئے۔ تمہاری
زبانوں پر کبھی بھی حوصلہ شکن کلمات نہ آنے چاہئے۔ لہ

دارالعلوم غیبی خوارالہ آباد

اہل خیر سے گزارش ہے کہ دارالعلوم کے مختصر سے کام باقی رہ گئے
ہیں مثلاً سلیپ، ڈینٹل گاڑی، دو گیٹ، ایک گنبد بڑی گھڑی، اور
بعض کمروں کی آئل پینٹ سے رنگائی، آپ حضرات کی امداد و اعانت سے
میں نے اتنا کیا اب میں چراغِ سحری ہوں سانس کا دھاگہ کب ٹوٹ جائے
کس کو کیا خبر؟ آرزو تھی کہ جیتے جی دارالعلوم کو اپنی تمناؤں کے ساتھ
دیکھ لیتا۔ میرے پاس شکستہ دعاؤں کے علاوہ اور کیا ہے۔ کاش میں
اپنے نیک خواب کی حسین تعبیر دیکھ لیتا۔

علامہ نظامی

۱۷ ماہنامہ پابان، نومبر ۱۹۵۹ء ۱۷ دارالعلوم کی مختصر رپورٹ۔



مُناظِرہ



گر حلقہ یاراں ہو تو ریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہے تو فولاد ہے مومن

✽ ————— مناظرہ کی تربیت

✽ ————— مناظرانہ ذہن اور حاضر جوابی

✽ ————— محکم گرفت اور مخالف کی شکست

✽ ————— ایک سفید ریش کا تاثر۔

✽ ————— مناظرے

✽ ————— شرائط مناظرہ

ارشاد: تم مناظرہ کی خوراک تو اور مناظرہ میری خوراک ہے۔
(نظامی)

مناظرہ کی تربیت

ہندوستانی مسلمانوں کی یہ بہت بڑی بد نصیبی ہے کہ انگریزی ستارہ جیت کے بعد وہ بہت سے متانے مسائل میں الجھ کر رہ گئے۔ انگریزوں نے اپنی پوری ہوشمندی و دانائی سے کچھ ایسے دین فروش و ضمیر فروش علماء کو اپنا ایجنٹ بنالیا جن کے ہاتھوں اسلام میں رخنہ پڑ گئے۔ علماء سو کی اس جماعت نے اسلامی عقائد کی بلیک مار کٹنگ کرنی شروع کر دی جس کے باعث پوری ملت اسلامیہ ایک دلدل میں پھنس کر رہ گئی۔ کہیں میلاد و قیام کا جھگڑا اور کہیں عرس و نیاز پر مباحثہ تو کہیں امرکان کذب باری تعالیٰ اور مسئلہ علم غیب پر مناظرہ۔ چنانچہ دیوبندیوں کی کفری عبارات کے خلاف جہاں علماء حق نے جہاد بالقلم واللسان کئے، وہیں پاسبان ملت نے بھی احقاق حق اور ابطال باطل کے اس میدان میں ناقابل تسخیر جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا۔

میر نے خیال سے ہندوستان میں علامہ موصوف نے جس قدر بھی نظر کئے ہیں ان میں اشرف علی تھانوی کی چند ورتی کتاب "حفظ الایمان" کی وہ کفری عبارات جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو جانوروں، چوپایوں، مچھلیوں اور پانگلوں کے علم سے تشبیہ دی گئی ہے اور جن کی حضرت علامہ نظامی نے دھجیاں اڑائی ہیں تمام مناظروں میں وہ عبارتیں سرفہرست آتی ہیں۔ آج بھی حضرت پاسبان ملت کے مناظرانہ کردار کا ذکر کرتے ہوئے یہ شعر یاد آتا ہے :۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے ،

رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

یوں تو ابتدا ہی سے بحث و مباحثہ کا ذہن پایا تھا لیکن آپ نے جن اکابر و مشائخ کے زیر سایہ باضابطہ مناظرہ کی تربیت پائی ان میں شیر پیشہ سنت حضور مجاہد ملت حضور حافظ ملت اور مفتی اعظم کانپور علیہم الرحمة والرضوان کی شخصیتیں

قابل ذکر ہیں۔
حضرت شیرینیہ المسند علیہ الرحمۃ والرضوان کی تائید و حمایت اور علمی فیضان
نے علامہ نظامی کو اس میدان میں بہت کچھ دیا جس کے لئے علامہ کی یہ تحریر کھلی ہوئی
شہادت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

متعدد مقامات پر حضرت علیہ الرحمۃ کے ساتھ بیانات میں ساتھ رہا۔
مثلاً جھوچپور، سنبھل، بمبئی، احمد آباد، گورکھ پور، تلسی پور، فیض آباد، گھوسی، ویدہا
بڑگاؤں، مغربی دینا چپور، وغیرہ۔ بسا اوقات مجھے استفادہ کا بھی موقع
ملا۔ تحذیر الناس، اور حفظ الایمان کی عبارت پر مجھے کچھ شکوک و شبہات تھے
میں نے اپنے شبہات پیش کئے اور حضرت علیہ الرحمۃ نے تسلی بخش جوابات دیئے یہ
یوں ہی حضور مجاہد ملت نے پاسبان ملت کو مناظرہ کے سلسلے میں بے پناہ
فیض پہنچایا۔ چنانچہ ۱۹۵۴ء یا ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے بھدرک اسٹیشن پر حضور مجاہد
علیہ الرحمۃ نے پاسبان ملت سے فرمایا اگر مرتے مرتے میں چپکے سے کسی کے کان میں
دو کتابوں کا نام کہہ دوں تو وہ اپنے وقت کا بہترین مناظر ہو جائے۔ پاسبان ملت
نے عرض کیا آخر میں وہ دو کتابیں کون کونسی ہیں؟ مجاہد ملت نے فرمایا وہ دو کتابیں
یہ ہیں (۱) الفضل الموعوبی (۲) رسالہ الاستمدا اس کے علاوہ
آپ نے حضرت کے ساتھ متعدد مناظروں میں شرکت کی اور حضرت نے آپ کو
اپنی بیش بہا رائے، مشوروں اور فیوض و برکات سے نوازا۔ اسی لئے علامہ نظامی
فرماتے ہیں:-

عرض کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سرکار مجاہد ملت کی نگاہِ کرم اور فیض
بخشیوں کا نتیجہ ہے گویا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجاہد ملت کی درسگاہ میں ہم لوگوں کو
فن مناظرہ پڑھایا نہیں بلکہ پلایا گیا ہے۔ یہ جرأت و ہمت انھیں کی عطا کر رہی ہے
جس کی بنیاد پر جھریا کے تاریخی مناظرہ میں مبلغ دیوبند مولانا ارشاد احمد فیض آبادی

لے پاسبان اگست و ستمبر ۱۹۶۶ء

کو میں نے گرجتی آواز میں کہا تھا ارشاد! ہمارا تمہارا یہی فرق ہے کہ تم مناظرہ کی خوراک ہو اور مناظرہ ہم لوگوں کی خوراک ہے۔ یہ سنتے ہی ارشاد کا چہرہ فح ہو گیا تھا اور روسیہ دیوبندیوں کے چہرے پر مزید سیاہی دوڑ گئی تھی۔ میرا یہ وہ جگر شکاف نعرہ ہے جو آج تک ایوان دیوبندیت میں گونج رہا ہے۔ یہ ان کا کرم نہیں تو اور کیا ہے؟ ۱۷

ایسے ہی حضور مفتی اعظم کانپور علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی مناظرے کے سلسلے میں بڑی حوصلہ افزائی فرمائی اور پاسبان ملت کو اس میدان میں آگے بڑھنے کی ہمت و جرأت اور تربیت سے نوازا۔

چنانچہ علامہ نظامی حضرت مفتی اعظم کانپور کے ساتھ مناظرہ پر شدے پورے کے بعد جالس کے پاس ایک موضع کرمین پور کے مناظرے میں جب شریک ہوئے جہاں غیر مقلدین سے مناظرہ تھا! اصل مناظرہ تو حضرت مفتی اعظم کانپور تھے لیکن مخالف کا مناظرہ چونکہ کمسن اور کمزور تھا اور علامہ نظامی بھی ابھی نوجوانی کے عالم میں تھے جب ان سے نہ رہا جاتا تو یہ بے ضابطہ کھڑے ہو کر سوال و جواب میں الجھتا لیتے تھے یہ دیکھ کر مخالف مناظر کا بوڑھا باپ سو رنج کر کہتا کہ کوئی بھی اسے مگر یہ چشمے والا (علامہ نظامی) نہ اٹھے یہ سن کر علامہ بے ساختہ ہنس پڑتے اور غضب ناک بھی ہو جاتے۔

یہ مناظرہ ”تقلید شخصی“ کے موضوع پر تھا چونکہ غیر مقلد کا مناظرہ کمزور تھا اس لئے جب وہ لا جواب ہو جاتا تو وہ اپنے بوڑھے باپ کو بلاتا۔ باپ بھی کوئی زیادہ بڑھا لکھا نہیں تھا بالآخر دونوں باپ بیٹے ہی میں مناظرہ شروع ہو جاتا۔ علامہ بگڑے دیر بیٹھے دونوں کی نوک جھونک سنتے رہتے تھے اور پھر بوڑھے سے مخاطب ہو کر کہتے ”دیکھو تم بے ضابطہ بول رہے ہو مگر میں خاموش ہوں۔ لہذا جب میں مانگ پر آؤں گا تو تم بھی خاموش رہنا علامہ کی یہ بات سن کر پورا مجمع قہقہہ لگاتا۔

۱۷ دیوبند کی خانہ تلاشی۔

اور جب علامہ یہ بات کہتے تو بوڑھا بھاگ کر اپنی جگہ چلا جاتا اور علامہ پھر شور مچاتے کہ بھاگنے سے کام نہیں چلے گا جتنی دیر تم بولے ہو اتنی دیر تک میں بھی بولوں گا مجمع یہ سن کر پھر قہقہہ لگاتا۔ الغرض علامہ نظامی بے ضابطہ مالک پر تشریف لاتے تو بوڑھا کچھ دیر خاموش رہ کر چلاتا اور جتنے والے تم زیادہ بول رہے ہو۔ علامہ جواباً کہتے او بڑے میاں! جب بے ضابطگی ہی ٹھہری تو کم اور زیادہ کا سوال ہی کیا؟ گھڑی دیکھتے رہو میں جتنی دیر بولوں اپنے وقت میں تم بھی اس قدر بول لینا بیگراؤ مجھے روک نہیں سکتے۔ علامہ اس طرح بولنے کا وقت بڑھا لیتے اور مخالف کو اس کا شعور بھی نہ ہو پاتا۔ اور ادھر حضرت مفتی اعظم کان پور علیہ الرحمہ مسکرا کر بیان کھاتے، بٹوا کو حصول کر چھالیا، متبا کو کھاتے اور علامہ کی تیزی اور چابکدستی کو داد دیتے۔ اس کے بعد علامہ لکھتے ہیں:-

گویا میں اس طرح ان (مفتی اعظم کان پور) کے دامن کرم میں مناظرہ کی ٹریننگ حاصل کرتا رہا۔ زندگی کے یہی وہ قیمتی لمحات ہیں جو خاک اور ذروں کو کندن بناتے ہیں۔ اے

مناظرانہ ذہن اور حاضر جوابی ایک کامیاب مناظر کے لئے اگر یہ ضروری ہے کہ وہ نہایت

ذہین و طباع اور حاضر جواب ہو وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ اسے مروجہ تمام علوم و فنون پر دستگاہ کامل ہو۔ کیونکہ میدان مناظرہ میں اس کا بھی بہت زیادہ احتمال رہتا ہے کہ قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ، تفسیر و اصول تفسیر، ادب، نحو، صرف معانی و بیان اور منطق و فلسفہ وغیرہ کے مباحث چھڑ جائیں۔ علامہ نظامی جہاں ان علوم و فنون کے ماہر روزگار تھے وہیں انھوں نے مناظرانہ ذہن و دماغ، اور طبیعت کی تیزی بھی پائی تھی جس کا ثبوت آپ کی زندگی کے درجنوں کامیاب مناظرے اور مباحثے ہیں۔ آپ میدان مناظرہ کے ان شہ سواروں میں سے تھے۔

۱۷ پاسبان جنوری فروری ۱۹۸۲ء

جن کی گمراہ کی بھی خبر لوگوں کو نہیں ہو پاتی تھی اور ذہن تو اس قدر حاضر جواب اور
نکتہ رس کہ بھونڈی کے مناظرہ میں ایک موقع پر اپنے ایسا نکتہ پیش کیا جسے سن کر
حضور مجاہد ملت نے فرمایا

”اگر مجھے وسعت ہوتی تو میں مولانا مشتاق احمد نظامی کو ہرے
جواہرات سے وزن کر دیتا۔“ (یا باختلاف روایت سونے سے)

یوں ہی حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب قبلہ لکھتے ہیں:-

قدرت نے انھیں رُسّاذہن عطا فرمایا تھا کہ مخاطب نے کوئی بات کہی
تو وہ فوراً مضمون کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی وہ میدان
مناظرہ میں اترے تو مخالف نے گھنٹوں نہیں بلکہ منٹوں میں اپنی شکست کا زبان
حال سے اقرار کر لیا۔ اور ان کی اس کامیابی پر اور قدرتی نصرت پر سامعین اور
حاضریں میں دھوم مچ جاتی۔ کبھی کبھی تو لوگ ان کو گود میں اٹھا لینے کی تمنا میں
کرتے۔ ۱۵

غرض کہ عوام و خواص کا یہ تاثر رہا کہ مناظرہ کے اسٹیج پر علامہ نظامی کی
موجودگی بہت ہی ضروری اور اہم سمجھی جاتی ہے کیونکہ وہ حریت کے حملہ اور ذطاع
دلوں سے بہت دور تک واقف ہو جاتے ہیں۔ آپ جب کبھی کہیں سلسلہ مناظرہ
سنجے اور وہاں حضرات اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر حکم امتناعی نافذ کر دیتے
تو اس پر پاسبان ملت کو بڑا قلق ہوتا اور مناظرہ نہ ہونے پر ایسے ہی بپھر جاتے
جیسے کسی بھوکے شیر کے سامنے سے اس کا شکار غائب کر دیا جائے۔ اور
فرماتے کہ بنارس کی ساڑی پینے والے بھلا چلن سے کیا باہر آئیں گے۔“
میرا خیال ہے کہ مناظرہ کے سلسلے میں یہ علامہ نظامی کی خداداد صلاحیت
تھی جس پر منطق و فلسفہ کی ہمارت نے چار چاند لگا دیے۔
ان کی حاضر جوابی کی متعدد مثالیں موجود ہیں مثلاً صوبہ گجرات مقام

بولیہ کے ایک باغ میں منعقدہ مناظرہ جس میں حضور مجاہد ملت، مفتی اعظم کان پورا اور علامہ نظامی علیہم الرحمہ بھی شریک تھے مناظرہ کے دوران مخالف کے اسٹیج سے

جب سوال کیا گیا :
 ارشاد : مولوی مشتاق ! آپ کے اعلیٰ حضرت نے تو قرآن میں تحریف کی ہے

(اتفاق سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی کتاب "الملفوظ" میں قرآن کی ایک آیت کہیں منقول تھی جس میں کاتب کی غلطی سے آیت کا کوئی لفظ چھوٹ گیا تھا) مخالف کے اس اعتراض و سوال پہ

مجاہد ملت : مشتاق تم کہہ دو کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔
 نظامی : حضور اگر میں کاتب کی غلطی کی بات کروں تو ارشاد میری بات

فورا تسلیم کرے گا اور پٹ کر یہ کہہ دے گا اچھا چلو مان لیتے ہیں کہ یہ کاتب کی غلطی ہے لیکن حفظ الایمان کی کفری عبارات بھی مولانا آصف علی تھانوی کی نہیں ہیں بلکہ کاتب کی غلطی ہے۔ ارشاد نے اگر ایسا کیا تو تالی پٹ جائے گی اور مناظرہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔

مجاہد ملت : تو پھر مرتب کی غلطی مان لو۔ (الملفوظ کے مرتب حضور مفتی اعظم ہند ہیں)

نظامی : ایسا کرنے سے اعلیٰ حضرت کا دامن تو بے غبار ہو جائے گا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند کی شخصیت مجروح ہو کر رہ جائے گی۔ اور جیتے جی مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ بات تو وہ کہی جائے جس سے کسی کا دامن داغدار نہ ہو۔

مجاہد ملت :۔ تو پھر کوئی ایسا جواب دو کہ ارشاد لاجواب ہو کر پٹ جائے۔

علامہ نے عرض کیا حضور دعا چاہئے۔ پس یہی ہوا کہ علامہ نظامی پھر سے ہوئے شیر کی مانند انتہائی جرات و بیباکی کے ساتھ اسٹیج پہ کھڑے ہوئے اور لکھارہے ہوئے کہا :

نظامی: ارشاد! یہ کوئی درس گاہ یا پڑھنے پڑھانے کی منزل نہیں جہاں تمہیں پڑھایا جائے گا۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہمیں قرآن پاک کا کوئی ایسا نسخہ دکھاؤ جس میں اعلیٰ حضرت نے تحریف کی ہو۔ ارشاد: نے شور مچایا اور کہنا شروع کیا۔ مولوی مشتاق! آپ کی یہ بات مافی نہیں جائے گی۔

نظامی:- اگر جتنی آوازیں میں کہتا ہوں وہ قرآن دکھاؤ جس میں اعلیٰ حضرت نے تحریف کی ہو۔ اور تو کہتا ہے بات نہیں مافی جائے گی۔ اتنا کہنا تھا کہ پورے مجمع میں نعروں کی آوازیں گونجیں ”آیا قرآن بھاگا شیطان“، اور ادھر مولوی ارشاد! سیٹج سے ایسے بھاگے جیسے شتر بھاگے اور پھر ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینٹ۔ لے



یوں ہی غیر مقلدوں سے مناظرہ ہوا جس کا منہ باظر بہت موٹا لمبی داڑھی والا، چوڑا گھٹا والا تھا اور علامہ نظامی ابھی دبے پتلے اور مخنی سے تھے ابھی باقاعدہ داڑھی بھی نہیں آئی تھی۔ دوران گفتگو جب غیر مقلد علامہ کی تیزی سے غصہ ہو کر بولا، میرے عقیدے کا پوسٹر لٹکا ہوا ہے اسے پڑھئے آپ کو جہاں سے اختلاف ہو وہیں سے مناظرہ شروع ہو جائے۔ علامہ نظامی: آپ کے پوسٹر کو پڑھئے گا کوئی سوال ہی نہیں پوسٹر آپ کا ہے آپ کھڑے ہو جائیے۔ اور سنائیے مجھے جہاں اختلاف ہو گا وہیں سے ہم مناظرہ شروع کر دیں گے۔

غیر مقلد: (جھنجھلا کر غصے میں) کتاب کی الماری کھولی اور شکوۃ شریف نکالا۔
لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب نکالتے ہوئے کتاب علا

لے راوی الحاج حافظ لعل محمد قادری۔

کی طرف بڑھائی اُدکھا اس کا جواب دیجئے کہ نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے نہیں ؟
 علامہ نظامی : میں بھی ایک حدیث پیش کرتا ہوں ۔ پہلے اس کا جواب دیجئے ۔
 لا وضوء لمن لم یسما اللہ ۔ سرکار فرماتے ہیں جس نے بسم اللہ
 نہ پڑھی اس کا وضو نہیں تو آپ فرمائیں کہ جس مسلمان نے بغیر بسم اللہ پڑھے
 وضو کر لیا تو اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں ؟ وضو مفتاح الصلوۃ ہے
 یا نہیں ۔

غیر مستند : اس سوال پر جو اس باختہ ہو کر اُمین بائیں بکے لگا کہ میرا تو یہی خیال
 ہے میں ایسا ہی سمجھتا ہوں میرا یہی عقیدہ ہے ۔
 علامہ نظامی : خیال ہے سمجھتا ہوں سے کام نہیں چلے گا ۔ پہلے یہ بتاؤ کہ صلاۃ
 پر جو " لا " داخل ہے وہ نفی جنس کا ہے ، نفی صفت کا ہے ، نفی کمال کا
 ہے ۔ اس " لا " کا کیا کیا فائدہ ہے ۔

غیر مستند : مولانا میں آپ سے ایسی اصولی گفتگو نہیں کر سکتا ۔
 علامہ نظامی : آپ اصولی گفتگو نہیں کر سکتے اور میں مجبور ہوں کہ بے اصولی
 گفتگو نہیں کر سکتا ہمارا آپ کا نباہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

بھیونڈی کا تاریخی مناظرہ جہاں حضور مجاہد ملت بھی شریک تھے علامہ نظامی کی
 حاضر جوابی اور فنی جہارت کی منہ بولتی تصویر ہے ۔ چنانچہ جب مولوی ارشاد مبلغ دیوبند نے
 کہا کہ ہم فیصلہ کن مناظرہ چاہتے ہیں مگر مناظرہ حکم (جج) کی موجودگی میں ہو گا ۔ تو علامہ نے فرمایا
 علامہ نظامی : مولوی ارشاد ! ہم بھی فیصلہ کن مناظرہ چاہتے ہیں ہم ضرور جج
 لائیں گے اور جج کا فیصلہ ہی فیصلہ ہو گا مگر پہلے آپ ہمیں تحریر دو کہ
 آلے والے جج نے اگر توہین رسول و انکار ضروریات دین کی بنیاد پر
 اکابر دیوبند اور ان کے کفریات کو ماننے والوں کو خارج اسلام کا فرد قرار
 قرار دیا تو آپ بھی ان سب کو خارج اسلام قرار دیں گے ۔ ؟

ارشاد : نظامی صاحب ! ہم بھی آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ میں تحریر
 دیں کہ آنے والے حج نے اگر اکابر دیوبند کو مسلمان قرار دیا تو آپ
 بھی ہمارے اکابر دیوبند کو مسلمان سمجھیں گے۔
 (ہم نے آپ کو تحریر کی اور محسوس کیجئے کہ یہ سوال کیسے نازک مرحلے میں
 آ گیا ہے۔ بظاہر اس کا جواب مشکل طلب اور دشوار ہے لیکن اسے تائید غیبی
 اور نصرت الہی ہی کہا جائے گا کہ ابھی مولوی ارشاد کی سانس ٹوٹنے بھی نہ پائی تھی
 کہ فوراً ہی للکار تے ہوئے علامہ نظامی نے فرمایا :

علامہ نظامی : ارشاد ! ہوش کے ناخن لیجئے کیا بول رہے ہیں آپ سنئے اور
 کان کھول کر سنئے اگر آنے والے حج نے اکابر دیوبند کو مسلمان کہا
 تو پھر ہمارا مناظرہ آپ سے نہیں ہوگا بلکہ آنے والے حج سے ہوگا۔ ہم
 آپ کو کیوں تحریر دیں۔ آپ میں تحریر دیجئے اور بغور سن لیجئے کہ اگر
 حج نے ہم اہلسنت و جماعت کے مسلک کے خلاف فیصلہ دیا تو
 آپ سے مناظرہ بعد میں ہوگا پہلے ہمارا مناظرہ اس حج سے ہوگا۔
 اس جواب کے بعد مولوی ارشاد مرغ بسمل کی مانند تڑپ کر رہ گئے
 فرار کی ساری راہیں مسدود ہو گئیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضور مجاہد ملت
 نے فرمایا تھا :

”آج مولانا مشتاق احمد نے سنیت کی آبر و بچالی جب مولوی
 ارشاد کا تحریری مطالبہ ہوا تو بظاہر جواب دشوار تھا مگر مولانا
 مشتاق احمد نے منہ توڑ جواب دیا جس سے میرا دل باغ باغ ہو گیا
 آج میرے پاس ہیرے جواہرات ہوتے تو میں مولانا مشتاق
 کو ہیرے جواہرات سے وزن کر دیتا۔“

بحث و مباحثہ میں
 مخالف پر اتنی گہرا نظر

محکم گرفت اور مخالف کی شکست

رہتی اور ایسی سخت گرفت ہوتی کہ دلائل و براہین کی قوت و استحکام کے باعث مخالف کا اپنی گرفت سے بچ نکلنا انتہائی مشکل ہوتا اور اپنے ایک ایک فقرہ سے مخالف اہل کید کے دلائل کے تار و پود بکھیر دیتے۔ حالات جیسے بھی ہے ہوں کہیں بھی انھوں نے ہوش کا دامن نہیں چھوڑا۔ ہر قدم سوچ سمجھ کر لکھایا واضح رہے کہ مناظرہ میں کتابیں اور ذہن و فکر کی حاضری تو ضرور ہونی چاہئے لیکن صرف انھیں چیزوں سے نہیں جیتا جاتا۔ بلکہ حریت کی شاطرانہ چالوں کو کڑی نگاہ رکھنا، اور بے پناہ ہوشمندی جیسی چیزوں سے بھی مناظرہ جیت لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں علامہ کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

ماہنامہ تجلی کی ایک عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اختتام گفتگو پر ایک اور گزارش ہے کہ تجلی مئی ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۴ کی ایک عبارت پر کچھ شبہات و اعتراضات ہیں جن کا ازالہ آپ کی اہم ذمہ داری ہے۔

تجلی کی عبارت یہ ہے:-

”خلق یعنی پیدا کرنا سب جانتے ہیں کہ کسی شے کو عدم سے وجود میں لانے کا نام ہے۔ جب اللہ نے حضور کا نور خلق فرمایا تو ظاہر ہو گیا کہ وہ پہلے معدوم و لاشے تھا۔ اللہ کا نور اپنے تمام اجزاء سمیت ہمیشہ سے موجود ہے اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔“

آپ کی مندرجہ بالا عبارت ”اللہ کا نور اپنے تمام اجزاء سمیت“ پر حسب ذیل اعتراضات و شبہات پیدا ہوتے ہیں (۱) آیا ذات الوہیت کے لئے ”اجزاء“ کا اطلاق صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں تو پھر اس اطلاق کی وضاحت کیجئے جس کا مفہوم میری دسترس سے باہر ہے اور اگر صحیح ہے:-

الف: تو ذات باری کا مرکب ہونا لازم آئے گا حالانکہ وہ ایک نور بسیط ہے اور اس کو درس نظامیہ کا مبتدی طالب علم جس نے منطق کی ایک پڑھ لی ہے وہ بھی جانتا ہے کہ جز کی حیثیت موقوف علیہ کی ہوتی ہے اسی لئے کل اپنے وجود

میں اپنے اجزاء ترکیبی کا محتاج ہوتا ہے اس بنا پر ذات باری کے لئے احتیاج لازم آتی ہے۔ حالانکہ وہ بے نیاز ہے۔

سب سے :- ایسے ہی جزو اپنے کل پر مقدم ہوتا ہے تو ذات باری پر اجزائے ترکیبی کا مقدم ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ اس کی ذات سب پر مقدم ہے۔
 ص ۷ :- ایسے ہی اگر ان اجزاء کو ذات باری پر مقدم مان لیا جائے تو ذات الوہیت کا ممکن اور حادث ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ وہ واجب اور قدیم ہے؟
 آپ کے ایک جملے نے عقیدہ توحید کو اس طرح مجروح کر دیا ہے کہ اس کی اصل صورت مع ہو کر رہ گئی ہے۔ آپ کی مندرجہ بالا عبارت پر اعتراضات و شبہات کے یہ چند اشارے ہیں ورنہ منطقی اصول ترتیب پر تو نہ جانے عدد و شمار کی کتنی لمبی فہرست ہو جائے گی۔ لہ

اس طرح نہ جانے وقت کے کتنے بڑے بڑے سو رماؤں کو آپ نے زیر کیا اور انہیں اپنے منہ کی کھانی پٹری۔ بات آگئی ہے تو اس سلسلے میں موصوف کا ایک واقعہ سنئے چلیے :-

عیسائی مشینری کے ۳۶ طلبہ اپنے فادرپوپ کے ساتھ اسلام سے متعلق سوالات لے کر اپنی بھرپور تیاری کے ساتھ الہ آباد آئے کہ علمائے اسلام کے ساتھ مباحثہ کیا جائے۔ چنانچہ قاری محمد شریف صاحب خطیب مسجد سول لائن الہ آباد نے علامہ کو اس کی اطلاع دی اور بعد نماز عصر جامع مسجد چوک الہ آباد میں نشست قائم ہوئی۔ علامہ نے خطبہ مسنونہ کے بعد (فادرپوپ) اور ان کے طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

میں یہ چاہتا ہوں کہ سوال جواب سے پہلے آپ کو سوال کا طریقہ سمجھا دیا جائے تاکہ مسائل کے تمام خدو خال روشنی میں آجائیں۔ ایسے سوالات سے

کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ جوابات کے بعض حصے روشنی میں آجائیں اور بقیہ دوسرے حصے تاریکی میں رہ جائیں لہذا سوالات رنگ و روغن، ہیل بوٹوں پر نہ ہوں بلکہ نوز اور بنیاد پر ہوں محراب و منبر اور مینار و گنبد پر سوال نہ کیا جائے بلکہ اسلام کے بنیادی اور کلیدی اصولوں پر ہوں۔

اس کے بعد علامہ نے پوپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ سوالات کے لئے ہر صبح و شام دروازے کھلے ہوئے ہیں یہیں ہزار سوالات کیجئے مگر کسی بھی سوال سے پہلے میرے ایک سوال کا جواب عنایت فرمائیں تاکہ گفتگو بے لائن نہ ہونے پائے۔

سب سے پہلے آپ پر یہ حقیقت واضح ہونی چاہئے کہ کس نبی و رسول پر ایمان لانا اور منزل من السماء یعنی رسول پر خدا کی اتاری ہوئی کتاب پر یقین و اعتماد رکھنا یہ ہمارا اور آپ کا قدر مشترک ہے یعنی ہمارے اور آپ کے مابین نزاعی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم بھی ان کو اللہ کا رسول مانتے ہیں مگر اسی کے ساتھ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان رکھتے ہیں آپ انجیل پر ایمان رکھتے ہیں خواہ وہ مخرف ہی ہو و ہم قرآن کے ایک ایک نقطہ پر ایمان رکھتے ہیں جو خدائے وحدہ لا شریک کا آخری پیغام ہے اب آپ مجھے صرف یہ دریافت کرنی ہے:-

۱: کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ساری باتیں مانتے ہیں یا کچھ تو مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے جو بعض باتیں نہیں مانتے ان کے نہ ماننے کی وجہ کیا ہے؟
ہاتوا بس ہا نکما ان کذتم صادقین۔

۲: اور اگر عیسیٰ علیہ السلام کی ساری باتیں مانتے ہیں تو ماننے کا طریقہ کیا ہے؟
الف: آیا کسی بھی بات کو ماننے کے لئے بس اتنا سن لینا کافی ہے کہ حضرت مسیح نے کہا ہے یہ سن کر آپ نے سر جھکا دیا۔

ب: یا ایسا نہیں ہے بلکہ اس بات کو عقل کے سپرد کرتے ہیں اب اگر عقل نے اس کی تائید و حمایت کر دی تو آپ نے اسے تسلیم کر لیا اور

اگر عقل نے اسے رد کر دیا تو آپ نے اسے جھٹلادیا۔ اگر ثانی الذکر طریقہ ہے کہ عقل تائید کر دے تو ماننے اور رد کر دے تو اسے جھٹلادیکئے تو ہمارا الزام یہ ہے کہ ایسی صورت میں اسکے ہی مذہب نہ کہا جائے گا بلکہ عقلی کہا جائے گا۔ گویا یہ عقل کا دیا ہوا ہے حضرت عیسیٰ ابن مریم کا دیا ہوا نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اسے آپ مرتبہ اول ہی میں تسلیم کر لیتے عقل کے حوالے نہ کرتے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ کا اعتماد عقل پر ہے مسیح پر نہیں۔ اور اگر اول الذکر طریقہ ہے یعنی کسی بات کو ماننے کے لئے حضرت مسیح کی طرف منسوب ہو جانا کافی ہے تو اسلام سے متعلق اپنے طلبہ کو یہ تاثر دینا کہاں تک درست ہے کہ مذہب اسلام عقل کے خلاف ہے۔

علامہ کی اس مختصر سی گفتگو پر پوپ بالکل حواس باختہ ہو گیا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور پوپ کو جواب دینے کے لئے نہ اٹھنا تھا نہ اٹھنے کی ہمت ہو سکی۔ علامہ کے مطالبہ اور پوپ کی خاموشی پر ۳۶ طلبہ بے حد متاثر ہوئے۔ علامہ کی یہ محکم گیری مناظرہ اصول کے تحت ایک ایسا ٹکڑا تھا جس کی گرفت سے مخالف اپنے کو آزاد نہ کر سکا۔ اور آئے ہوئے ۳۶ طلبہ یہ ذہن لے کر گئے کہ ہمارا فادر پوپ میدان مناظرہ کا فادر تو درکنار اس میدان کا بیٹا بھی نہ بن سکا اور عیسائیت کا گھوکھلا پن سرعام ظاہر ہو کر رہ گیا۔

سنادِ مرتضیٰ کے نام سے علامہ نے ایک کتابچہ ترتیب دیا تھا جسے ناظم جامعہ حبیبیہ نے شائع کیا۔ اس کتابچہ میں علامہ نے مستحبات عیدین کے تحت مصافحہ و معانفہ کو بھی مستحب لکھا اور شامی سے اس کا حوالہ دیا۔ دیوبندیوں نے شامی دیکھی لیکن اس کا حوالہ انھیں کہیں نہ مل سکا۔ لہذا ان دیوبندیوں نے ناظم جامعہ سے حوالہ مانگا اور باضابطہ اس سلسلے میں مناظرہ کرنے کے لئے مولوی سراج الحق نے چھائی کے برزور دار مولانا رومی کو منتخب کیا جس منزل الہ آباد میں محفل مناظرہ منعقد ہوئی۔

علامہ نظامی: میں آپ حضرات سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ عیدین میں جو آپ کو مصافحہ و معافیت سے اختلاف ہے وہ کس مرتبے میں ہے بشرطے

بشرط لاشے یا لا بشرط شے۔
 رومی صاحب: اس سوال پر گھبرا کر شور مچانے لگے کہ ”مشتاق نظامی“ تو منطق و

فلسفہ بولتا ہے۔
 علامہ نظامی: آپ جیسے لوگوں سے منطق و فلسفہ نہیں بولوں گا تو کیا بھار مچھونکنے والے اور گھاس کھونڈنے والے سے بولوں گا! چچا اگر آپ منطق و فلسفہ سے اتنے ہی گھبراتے ہیں تو اب ”شامی“ کا حوالہ لیجئے۔ کتاب الٹی اور اس سلسلے میں جو پہلی حدیث پڑھی اس میں ”کل لقایہ“ کے الفاظ موجود تھے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اپنی ہر ملاقات میں جب مصافحہ کرتا ہے تو ہاتھ الگ ہونے سے پہلے اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ علامہ فرمایا رومی صاحب! یہ ”کل لقایہ“ موجبہ کلیہ ہے جس میں کوچہ و بازار بھی شامل ہے اور مسجد و عید گاہ و خانقاہ بھی۔ سرکار فرماتے ہیں کہ ہر ملاقات میں الگ ہونے سے پہلے تمہارے گناہ جھڑ جاتے ہیں تو ہر ملاقات میں عید گاہ بھی شامل ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اس کا سلب جزئی پیش کیجئے، جس میں موجود ہو کہ ہر ملاقات میں مصافحہ کیا جائے لیکن عیدین کے بعد عید گاہ میں مصافحہ نہ کیا جائے۔ موجبہ کلیہ میں نے پیش کیا اس کا سلبہ جزئیہ آپ پیش کیجئے۔

مولوی سراج الحق: (انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں) بول پڑے ہم مولانا بھرا العلوم کا حوالہ پیش کریں گے۔

علامہ نظامی: ہوش کا دامن تھا میرے بات موضوع سے باہر ہو جائے گی آپ کا مطالبہ ہے کہ حوالہ ”شامی“ میں دکھلائیے میں نے دکھا دیا اسے مان لیجئے۔ اور اگر اسانید کا شوق ہے تو میں سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ

کا رسالہ ”وشاح الجہد فی معانقۃ العید“ دکھا دوں گا۔

اس پرستیوں میں نعرہ تکبیر و نعرہ رسالت کی آواز بلند ہوئی اور جوش و خروش کے ساتھ جشن فتح منایا یا مخالف کو شکست دینے کا جو گراپنا یا تھا وہ خود علامہ سے سنئے۔ یہ واضح رہے کہ مقابل کو کبھی مناظرے سے شکست دی جاتی ہے اور کبھی مناظرہ روش سے گریز کر کے مثال کے طور پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور نمرود کا وہ واقعہ سامنے رکھ لیجئے جب حضرت خلیل سے نمرود نے یہ استفہار کیا کہ آپ کے رب میں وہ کون سی قدرت ہے جو مجھ میں نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میرا رب مرنے کو زندہ کرتا ہے اور زندہ کو مردہ۔ اس جواب پر نمرود دل ہی دل میں مسکرایا اور انتہائی تمکنت و غرور سے بولا کہ یہ کون سی عجیب خیز بات ہے ایسا تو میں بھی کر سکتا ہوں اگر چاہوں تو فلاں کو قتل کر دوں اور قتل کی سزا پالنے والے کو رہا کر دوں۔ انسان کی موت و زندگی تو میرے بھی اختیار میں ہے۔ حالانکہ جواب کی کمزوری آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ پھر حضرت ابراہیم نے مناظرانہ طریقہ کار سے گریز فرماتے ہوئے فوراً دوسری دلیل پیش فرمائی کہ میرا رب وہ ہے جو آفتاب کو مشرق میں طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب، تو مشرق میں غروب کرے اور مغرب میں طلوع؟ اس سوال پر نمرود ہکا بکا رہ گیا طریق مناظرہ تو یہ چاہتا ہے کہ نمرود کو حضرت خلیل موت و حیات کا اصل مفہوم سمجھاتے مگر ایک ہادی جانتا ہے کہ مقابل کا دماغ کس قدر کج فہم ہے موت و حیات کا معنی سمجھانے میں بات بڑھ جاتی مگر حصول مقصد میں دشواری پیدا ہوتی۔ اگر کوئی مناظرہ یہ کہے کہ حضرت خلیل کو مناظرہ کرنا تو حقان سے چوک ہو گئی تو اس کو اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہئے۔ اے

بھنگواں سکرو لی جو صوبہ تریپریش کے
ضلع گونڈہ کا علاقہ ہے یہاں ۱۹۵۱ء میں
ایک سفید ریش کا ناشر
ایک مناظرہ منعقد ہوا۔ جہاں مخلفین کی ہٹ دھرمیوں نے خود انھیں شکست

اے پاسبان مارچ ۱۹۵۵ء

دی اور بر سر عام ننگا کر دیا۔ اسی مناظرہ کے موقع پر موسلا دھار بارش پاپریل
 سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے علامہ نظامی لکھتے ہیں جہاں استاذی بحر العلوم حضرت
 مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ دام ظلہ بھی شامل تھے۔ علامہ فرماتے ہیں:-
 ہمارے اس قافلے میں ارد گرد کے دیہات والے بھی شامل ہو گئے تھے۔
 میں نے ایک بڑے میاں سے پوچھا آپ کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں؟ سیدھے
 سادھے بھولے بھلے سفید ریش بول پڑے:

اے مولانا صاحب! ہم رسول اللہ کی امت میں ہیں۔ وہی ہماری قبر اور حشر
 میں کام آئیں گے جو لوگ ہمارے پیغمبر کی تعریف کرتے ہیں ان کا میلاد شریف پڑھتے
 ہیں اور ان کے لئے علم غیب مانتے ہیں ہم انھیں بریلوی مولانا لوگن کے ساتھ ہیں۔
 (دیہاتی زبان میں) اللہ تعالیٰ ان دیوبندیوں کا منہ کالا کرے جس پتری میں کھاتے
 تے، اسی میں چھید کرتے ہیں پیغمبر صاحب ہی کا کلمہ پڑھتے ہیں اور انھیں کوگالیاں
 بھی دیتے ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے گا دیوبندی سیار (گیدڑ) سنی شیروں کے سامنے ٹک
 نہیں سکیں گے۔ اے مولانا صاحب! ہماری داڑھی دھوپ میں نہیں سفید ہوتی
 ہم نے حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب کے مناظرے میں دیوبندیوں کو بھگاتے
 ہوئے دیکھا ہے۔ سنا ہے آج اس (مناظرہ بھنگواں) میں بہت بڑے بڑے لوگ
 آ رہے ہیں۔ اچھا یہ تو بتائیے مولانا صاحب! جنھوں نے "خون کے آنسو" لکھی
 ہے (خون کے آنسو کے مصنف علامہ نظامی ہیں) وہ الہ آباد والے مولانا صاحب
 بھی آئیں گے یا نہیں؟ ہم لوگوں نے سنا ہے کہ وہ آ رہے ہیں اگر وہ آ گئے تو انھیں کچا
 چبا ڈالیں گے۔ یہ سن کر ہماری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا گئے۔ اے
 ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں

مناظرے: علامہ کی نکر و شعور نے جب سے مناظرے کی آغوش میں

اے قبر آسانی ص ۲۶۶

انکھیں کھولیں تقریباً سبھی مناظروں میں شریک ہوئے صرف دو مناظر ایسے
ہیں جن میں آپ شریک نہیں ہو سکے پہلا کہارٹو کی پورنہ، دوسرا کنگ اڈلیس۔
کہارٹو کی کے مناظرے میں تو اس لئے نہیں جاسکے کہ اس وقت بلی میں تیلی محلہ مسجد
کے سابق امام قاری زبیر صاحب سے علامہ کا تحریری مناظرہ چل رہا تھا اور کنگ
اس لئے نہیں حاضر ہو سکے کہ اس وقت بلی میں ایک ایسا اشتہار شائع ہوا تھا
جس کی وجہ سے وہاں آپ کی موجودگی بہت اہم اور ضروری تھی۔ لہ

ہاں ۱۹۸۰ء میں لندن کے کسی دیوبندی عالم سے مناظرہ طے ہونے کے بعد
انگلینڈ کی تمام انجمنوں نے یہ طے کیا کہ علامہ کو بحیثیت مناظر دعوت دی جائے باوجود
اختلاج قلب کے عارضہ کے باعث ہوائی جہاز سے سفر کرنے کے حق میں نہیں تھے۔
اور نہ کبھی اس کا مزاج رہا لیکن دشمنان دین سے مقابلہ کے لئے وہاں کی دعوت اپنے
منتظر تو کر لی البتہ اس سلسلے میں انھوں نے مفکر اسلام مولانا قمر الزماں اعظمی، مولانا
حنیف اور جناب ابراہیم ماسٹر ٹھا کر گجراتی جوان دنوں انگلینڈ ہی میں اپنے بھائی
کے یہاں مقیم تھے، کو خط لکھا جس کا مضمون یوں تھا:

”اگر مناظرہ ہی ہے تو میرا وہاں پہنچنا یقینی اور حتمی ہے اور اگر مناظرہ کے
بہانے محض تقریری پروگرام کے لئے دعوت دی گئی ہے تو خود یہاں ہندوستان
کے مشاغل و مصروفیات اتنے ہیں جن سے مجھے فرصت نہیں۔“

واضح رہے کہ ایسا انھوں نے اس لئے تحریر فرمایا کیوں کہ برسوں سے لندن
کے احباب علامہ کو بسلسلہ تقریر مدعو کر رہے تھے لیکن یہاں کی مصروف زندگی کے
باعث وہاں کا ارادہ نہیں کر پا رہے تھے۔ یہاں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ
موصوف کی مناظرانہ صلاحیت ملک کے علاوہ بیرون ملک پر بھی اثر انداز ہوئی۔
آپ کی اس غیر معمولی صلاحیت کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کو
سیکڑوں علماء و مشائخ کے درمیان اہلسنت کے اسٹیج کے صدارتی امور کو انتہائی
حسن و خوبی سے انجام دینے کا شرف بھی حاصل ہے جیسا کہ بخود یہ بنارس کا مناظرہ

لہ قہر آہستہ آہستہ۔

جو غیر مقلدین کے مقابل منعقد ہوا تھا غالباً حضور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن علیہ الرحمہ کی زندگی کا یہ آخری مناظرہ تھا تیسرے دن حضور مجاہد ملت نے مانگ پر اعلان فرمایا کہ:

”میں اپنی نقاہت و کمزوری کی وجہ سے اب عزیز مولوی مشتاق احمد نظامی کو مناظرہ کی صدارت سونپ رہا ہوں“

علامہ اپنی خوش بختی پر یوں اظہار مسرت فرماتے ہیں:

”اگر میرے لئے اطمینان و اعتماد کا ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہ تھا تو ملت کی اتنی بڑی ذمہ داری میرے کاندھوں پر کیوں رکھی گئی۔“

ایک طویل مدت تک آپ رد و ابطل، مناظرہ و مباحثہ کے میدان میں اپنے جوہر دکھاتے رہے لیکن ۲۰ مئی ۱۹۸۳ء کی تاریخ افسوسناک ثابت ہوئی۔ جس دن فیض آباد کے پروگرام پہ جاتے ہوئے آپ کی جیب ہولناک اکسیڈنٹ کا شکار ہو گئی جس کے نتیجے میں دو آدمی شہید اور پانچ زخمی ہوئے۔ حضرت علامہ کے سر پر شدید چوٹ آئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کے ذہن مبارک پہ رفتہ رفتہ سہو نسلیا کا غلبہ ہونے لگا۔ آپریشن اور اکسیڈنٹ کے حادثے کے بعد بسا اوقات آپ کے ذہن میں آئی ہوئی بات محفوظ نہیں رہ پاتی تھی۔ اور نہ ہی پہلے جیسی حریف پر وہ گرفت باقی رہ گئی تھی جو آپ کے لئے انتہائی اضطراب و بے چینی کا باعث تھا۔ اس کے علاوہ مصروفیات کی اتنی کثرت ہو گئی کہ وقت پر دوائیں بھی استعمال نہیں کر پاتے تھے تا وقتیکہ کوئی یاد نہ دلائے۔ اسلئے آپ نے فرمایا کہ مناظروں میں بحیثیت مناظر نہیں بلکہ بحیثیت معین مناظر شرکت کیا کروں گا۔ ۲۰

آپ نے جن مناظروں میں بحیثیت مناظر، صدر یا معین مناظر شرکت فرمائی ان کی ایک نامکمل فہرست اس طرح ہے۔ ان میں کچھ ایسے مناظرے ہیں جن کی تاریخ انعقاد معلوم نہ ہو سکی :-

۱۔ دیوبند کی خانہ تلاشی۔

منعقدہ ۱۹۵۵ء	بیالیس گاواں۔ گورکھ پور
منعقدہ ۱۹۶۰ء	ہردوانی
منعقدہ ۱۹۶۱ء	بیربھوم
منعقدہ ۱۹۵۹ء	بنگال
منعقدہ ۱۹۶۱ء	بنگال
منعقدہ ۱۹۶۳ء	بجمن گاواں گوندہ
منعقدہ ۱۹۶۳ء	بھونڈی
منعقدہ ۱۹۶۵ء	بھونڈی
منعقدہ	جھڑیا
	بجڑیہ
	بنارس

ناگپور ، باندہ ، پرمپور ، جالپس ، سلطانپور
کانپور ، احمد آباد ، مرزاپور ، سعدی پور ، پورنیہ ، پواکھالی
کواٹھ گیا ، بولیہ گجرات ، رائے بریلی وغیرہ۔

علامہ کا حال یہ ہے کہ انھوں نے بد مذہبوں سے بہتوں
الغرض مناظرے کئے اور بہتوں کے مقابل موصوف ہی ہر میدان
کے شہسوار نظر آئے اسلئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مناظرہ اور احقاق حق ان کی تاریخ سے
ایسے ہی وابستہ ہے جیسے چاند کے تصور میں چاندنی اور آفتاب کے تصور میں
روشنی۔

شرائط مناظرہ

خطیب شرق مناظرہ سے پہلے اس کے کچھ ضابطے اور شرائط پیش فرمایا
کرتے تھے جن سے مخالف کے دانت کھٹے پڑ جاتے اور فرق مخالف کی اس طرح
مورچہ بندی فرمادیتے کہ انھیں کہیں سے بھاگنے راستہ نہیں ملتا چنانچہ آنے والی
نسل کے لئے مفید اور باب سے مرتبط ہونے کی وجہ سے ہم ان شرائط و ہدایات کا

اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں :

۱: — فریقین میں اصل مسئلہ ایمان و کفر کا ہے اسلئے 'الام فالام' کے تحت ایمان و

کفر ہی موضوع مناظرہ ہوگا۔

۲: — چونکہ علمائے دیوبند سے تو ہمیں نبوت کا ارتکاب ہوا ہے اور یہ فریقین کے

مابین مسلم ہے کہ تو ہمیں نبوت کفر ہے مثلاً حفظ الایمان، تحذیر الناس وغیرہ

جیسی رسوائے زمانہ کتابیں لہذا اس اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے علماء

دیوبند کی کفری عبارات ہی موضوع مناظرہ قرار پائیں گی پھر حسب ترتیب

یکے بعد دیگرے دوسرے مسائل۔

۳: — فریقین کے مشترکہ دستخط سے حلقہ کے محقانہ میں درخواست گزار کے

پر مشین حاصل کیا جائے۔ ہرگز ایک طرفہ درخواست نہ گذاری جائے

تاکہ نقص امن کا اندیشہ نہ ہو۔

۴: — مناظرہ ایسے مقام پر ہو جو فریقین میں سے کسی ایک کا بھی نہ ہو۔

۵: — فریقین میں سے کسی ایک کی امن کی ذمہ داری لینا کافی ہے۔

۶: — فریقین کو آغاز مناظرہ سے پیش تر معتمد شخصیتوں اور مستند کتابوں کی

فہرست دینی ہوگی۔

۷: — مناظرہ تقریری ہوگا (عوام کے لئے یہی مفید ہے) بدرجہ مجبوری تحریری

۸: — مناظرہ میں فریقین لاؤڈ اسپیکر استعمال کر سکتے ہیں۔

۹: — مناظرہ دن میں ہوگا فریقین مناظرہ کمیٹی کے توسط سے اس کا وقت

اور اس کی مدت وغیرہ متعین کریں گے۔

۱۰: — فریقین میں سے جو بھی وقت معینہ پر میدان مناظرہ میں حاضر نہ ہوگا اس

کی شکست اور اس کا فرار سمجھا جائے گا۔

۱۱: — فریقین کو اپنا اپنا مناظرہ صدر منتخب کرنے کا اختیار ہوگا۔

۱۲: — مناظرہ کا کوئی حکم منتخب نہ ہوگا بلکہ عوام ہی حکم ہوں گے۔

فریقین مناظرہ کیٹی کے توسط سے مناظرہ کا وقت متعین کریں گے۔ آیا ہر مناظر کو کتنا وقت دیا جائے۔

فریقین پابند ہوں گے کہ مناظر کی کہی ہوئی بات پر تحریر کا مطالبہ کریں اور فریق کو تحریر دینی ہوگی۔

اور کچھ خصوصی ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

۱۔ چیلنج دینے میں احتیاط برتنی چاہئے البتہ چیلنج قبول کرنے میں کسی طرح کی غفلت و کوتاہی نہ ہو۔

۲۔ جہاں تک ہو سکے تنہا مناظرہ نہ کیا جائے۔ پہلے بہت ہی صاحب صلاحیت معین مناظر منتخب کیا جائے۔ (مناظرہ شخص اور شخصیت کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک قوم کا معاملہ ہے)

۳۔ اگر مناظرہ یقینی ہوتا نظر آئے تو تاریخ متعین کرنے میں اتنا وقفہ ضرور ہو کہ اتنے دنوں میں جماعت کے بہترین افراد کو اکٹھا کیا جاسکے۔

۴۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھا جائے کہ مناظرہ میں جماعت کے آزمودہ کار اکابر کو شریک کیا جائے اس سے کبھی غفلت نہ برقی جائے۔

۵۔ فریق کو کمزور دیکھ کر اپنا اسٹیج ہرگز نہ گزرورنہ رکھا جائے۔

۶۔ کسی پر اعتماد کے بغیر مناظرہ میں جانے والے حضرات کام آنے والی

کتاہوں کا انبار اپنے ساتھ لیتے جائیں
تمہا بساط سخن میں اک شاطر
ہم کو چالیں بتائے گا اب کون

ارشادات نظامی



۱:- اگر تم سرفراز اور سر بلند ہو کر رہنا چاہتے ہو تو ایک ہو کے رہو۔ مل جل کے رہو۔ جماعت سے کٹ جانا تباہی و بربادی ہے۔

۲:- قرآن کو ذہن کے سانچے میں نہ ڈھالا جائے بلکہ خود ذہن کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنا چاہئے۔

۳:- مومن کا مومن سے اتحاد ہوتا ہے غیر مومن سے نہیں! ایمان میں متحد ہو جائیں گے تو ایمان کے تحت جو بھی مسائل آئیں گے اس میں خود بخود اتحاد ہو جائے گا۔

۴:- جب اللہ تعالیٰ کے کہنے سے مصطفیٰ کافر کو کافر کہہ رہے ہیں تو پھر اس لمبی چوڑی زمین پر کون ہے شریعت کا ٹھیکیدار جو یہ کہے کہ کافر کو کافر نہیں کہنا چاہئے۔ قرآن سے بڑھ کر ہمارے لئے فیصلے کی کون سی کتاب ہو سکتی ہے۔

۵:- اسلام پہلے خون کا رشتہ نہیں دیکھتا بلکہ ایمان کا رشتہ دیکھتا ہے جو سرکار کائنات کا ہو گیا وہ پوری دنیا کے اسلام سے مل گیا! درجو سرکار سے کٹ گیا وہ پوری دنیا کے اسلام سے کٹ گیا۔

۶:- اے دانشورو! آج تم کھربوں روپیہ اس بات پر خرچ کرتے ہو کہ انسانوں کو کیسے مارا جائے اور میرے مصطفیٰ علیہ التیمۃ والثناء مسجد نبوی میں کھجوروں کی چٹائی پر بیٹھ کر یہ سوچا کرتے تھے کہ انسانوں کو جلا یا کیسے جائے۔

۷:- سنی مسلمان اپنی علامتوں کو باقی رکھتا ہے چھوڑتا نہیں۔ قوم جن چیزوں سے پہچانی جاتی ہے اسے مٹاتی نہیں بلکہ زندہ رکھتی ہے اگر اسے ایک قوم کچھ حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو اپنے شخص کو برقرار رکھے گی۔

(خطبات نظامی)



جماعتی و تنظیمی سرگرمیاں

قوم جب اتفاق کھو بیٹھی اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی
ایک کا ایک ہو گیا بدخواہ لگی غیروں کی پڑنے تم پہ نگاہ

- جماعتی ذہن و فکر
- آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت
- اغراض و مقاصد، اصول اور طریق کار
- آل انڈیا سنی جمعیتہ العلماء ربیہ
- جمعیتہ العلماء ہند دہلی کا بائیکاٹ
- کل ہند تبلیغ سیرت کمیٹی
- آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ
- سیاسی حیثیت
- سیاسی بصیرت
- آل کرناٹک تنظیم عظمت مصطفیٰ
- ادارہ شریعہ ربیہ
- ادارہ شریعہ پٹنہ
- مدارس عربیہ قیام و تاسیس
- محسوس فکر

جماعتی ذہن و فکر

جماعت افراد کا مجموعہ ہے اور اسلام کے عقیدہ

توحید سے لے کر تمام اعمال و عبادات اس بنیادی حقیقت سے خالی نہیں کہ ملت اسلامیہ کے لئے فوز و فلاح متحد اور منظم ہونے میں ہے مختلف اور منتشر ہونے میں نہیں۔ گویا قومی و ملی ہستی کے تحفظ و بقا کے لئے قوم کے تمام افراد کا ایک جماعتی دھماکے میں منسلک اور منظم ہونا ایک بنیادی چیز ہے جس سے ایمان و عمل کی دعوت و اصلاح کا دینی فریضہ ادا کیا جاسکے اسی لئے قرآن و سنت میں جابجا جماعتی شیرازہ بندی پر زور دیا گیا۔ علیکم بالجماعت والسمع والطاعت۔ لہ

لیکن قوم و ملت کی بکھری ہوئی طاقتوں کو یکجا اور متحد کرنے کی یہ تحریک آسانیوں کی نہیں سرتاسر مشکلوں اور آزمائشوں کی راہ ہے جس پر رب تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی صاحب عزم بندے ہی کو آمادہ عمل فرماتا ہے۔ نصرت و تائید خداوندی سے اسے انشراح قلب اور وسعت ذہن و فکر حاصل ہوتی ہے تاکہ اعلائے کلمہ حق، دعوت و اصلاح اور عزم و ارادے کی راہ میں ساری مشکلیں غبار خاکستر اور خس و خاشاک بن کر اڑ جائیں۔

حضرت خطیب مشرق، جماعت کے ان حوصلہ مند لوگوں میں سے تھے جن کا عزم و ارادہ کبھی بھی وقت اور حالات کا قیدی نہیں رہا۔ بلکہ انہوں نے "مردے از غیب" کے مصداق وقت اور حالات کو اپنے عزم اور منصوبوں کا پابند بنایا۔ ان کا ضمیر اس احساس سے کبھی خالی نہیں رہا۔ کہ جب تک زندہ رہیں گے مسلک و جماعت کے فروغ و ارتقاء کے لئے زندہ رہیں گے۔ وہ اپنی قوم و جماعت کا حال دیکھ کر اس قدر گھائل ہو چکے تھے جس کے مرہم کی تلاش میں ایسی سخت سے سخت اور سنگلاخ زمین کے سفر کے عادی بن چکے تھے۔ جو سفر ان کے معاصرین کے لئے انتہائی دشوار اور ٹھن تھا جماعت کا درد اور قوم و ملت کے منتظم کرنے کا مقصد ہمیشہ ان کے دل کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مطلوب اور ان کی روحانی عشق و

لے ترمذی شریف

شفیگی کا محبوب ہا اگر ان کی جماعتی زندگی کے کارناموں پہ ایک سرسری لنگاہ ڈرا جائے تو یہ اندازہ ہوگا کہ ان کی زندگی کی نہ کوئی ایسی طلوع ہوئی نہ کوئی ایسی شام ان پر گزری کہ موصوف نے اپنے جماعتی مقصد کی اس تمنائیں اپنے بسترِ غم و اندوہ پر بے قراری کی کروٹیں نہ بدلی ہوں یہ ان کے جماعتی ذہن اور ایک عملی زندگی ہی کا اثر تھا کہ وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے جن کی زندگی کو عملی پروگرام رکھتی تھی اور خود اس میں کوہِ دراپنی تمام تر خدمات اس عملِ عظیم کے لئے وقف فرما دیا کرتے تھے اور اس بات کا اعتراف تو سبھوں کو تھا کہ جماعتی امور میں فکری پختگی اور اصابت لائے میں آپ کی مثال نہیں۔

ہندوستان کے معروف و مشہور شہر کلکتہ کے خوش عقیدہ مسلمانوں کے نام پاسبان ملت کا یہ پیغام ان کے ملی درد و کرب اور جماعتی سرگرمیوں کا منظر اہم ہے۔ وہ فرطے ہیں:-

”کلکتہ اپنی کثرت آبادی وغیرہ کے لحاظ سے دنیا کے ممتاز ترین شہروں میں ایک ہے مسلم محلوں میں قدم قدم پر مساجد ہیں۔ پورا شہر متعدد دفاتر ہوں کے زیر اثر ہے۔ میلاد و قیام، عرس و فاتحہ کرنے والوں کی بہت بڑی اکثریت ہے یہ سب کچھ ہے لیکن ملک کے سب سے بڑے شہر میں ہمارا کوئی تنظیمی ادارہ نہیں ہے جہاں مختلف خالق ہوں و اداروں کے سربراہان بیٹھ کر مسلم مسائل کا حل تلاش کر سکیں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ سنی مسلمان یہ کہہ سکیں کہ یہ ہمارا ادارہ ہے۔ یہ ہمارا تنظیمی مرکز ہے۔ ہمارے عوام پر اس لگاؤ کے اعتماد و تکیہ کے بیٹھے ہیں مگر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنی منتشر طاقت کو ایک مرکز پر سمیٹ نہیں پاتے۔ الگ الگ امامت، مسجد، مدرسہ، خاندان یہ سب سلامت رہیں مگر مسلمانوں کے وہ مسائل جو سب کے لئے قدر مشترک ہیں ان کے لئے مشترکہ جدوجہد سے کسی ایسے مرکزی ادارہ کی تشکیل ضرور ہے جہاں بیک وقت ہماری منتشر طاقت سمٹ سکے اور اس کمی کو پوری کرنے کے لئے کسی کو آسمان سے نہیں بھیجا جائے گا۔ یہ خود ہماری اور آپ کی

مشترکہ ذمہ داری ہے۔ ہماری عدم توجہی اور خانہ جنگی کے باعث ہمارے ہی عوام ہم سے کٹتے جا رہے ہیں۔ سوچئے جگر پھٹ جانے کی جگہ ہے یہ ہمارا کتنا بڑا جماعتی و ملی نقصان ہے۔ خدا وہ دن نہ لائے کہ ہم سے ہمارے عوام کا اعتماد اٹھ جائے! اب بھی وقت ہے سر جوڑ کر بیٹھئے اور ایک مرکزی ادارہ کی تشکیل کے لئے اپنی بھرپور توانائی کو بروکھا لاکر وقت کے اہم تقاضوں کو پورا کیجئے۔ جماعتی شیرازہ بندی کو محض چند جلسوں اور کانفرنسوں کو سپرد نہ کیجئے۔ بلکہ مشترکہ تنظیم کی داغ بیل ڈالنے اس کے لئے ہماری ہر ممکن خدمات حاضر ہیں۔ ایک دن سے ایک مہینے کا وقت دے سکتا ہوں مگر صرف تنظیمی امور کے لئے۔

موصوف کی یہ دعوتیں للہریت اور خلوص پر مبنی تھیں اور یہ جو کچھ بھی تھا آپ کے بے لوث جذبہ ایثار اور دینی ذمہ داری کے احساس کے تحت تھا ان میں کسی ذاتی غرض و مفاد کا کوئی دخل نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ ان کی فلک شگاف آواز حق اور غفلت شکن صدائیں ملک کے گوشے گوشے میں ٹکرائیں اور عوام خواہم کے حق گو، حق نگر، اور حق پسند افراد جان و دل سے آپ کی ہمنوائی کے لئے آمادہ عمل ہو جاتے اور آپ ان کے باہمی اشتراک و تعاون کی برکتوں سے باطل قوتوں کی سرکوبی کے لئے متعدد تنظیموں، انجمنوں، اداروں، مسجدوں، عید گاہوں اور دوسری تحریکوں کے پورے نصب کرتے رہے اور پھر ان تنظیمی پلیٹ فارم سے اپنے داخلی و خارجی محاذ پر مسلک و ملت کے دامن تقدس پر رینگتے ہوئے کیڑوں کو دور کرنے اور بیمار قوم کا مداوا پیش کرنے میں تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے جن کا ثبوت موصوف کی جدوجہد کے زمانے کی چھوڑی ہوئی درجنوں یار گاریں ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم یہاں اجمال لیکن قدرے تفصیل سے کرتے ہیں۔ مثلاً

آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت جس طرح سرکارِ دو عالم ﷺ

کا مبارک زمانہ، جو پہلی بھونچال سے خالی نہیں رہا۔ اسی طرح یہ چودھویں صدی بھی ایسی ضمیر فروتن اور دین فروش جماعتوں سے خالی نہیں رہ سکی۔ چنانچہ مذہبِ حق اہلسنت و جماعت کو مٹانے کے لئے نہ جانے اس وقت کی کتنی باطل و گمراہ اور نوزائیدہ جماعتیں اپنے اپنے چولے بدل کر بدعتیہ کی کاہر پھیلانے میں مصروف تھیں جن کا تعاقب وقت کے بہت سے علمائے حق اور ذوی الاحترام اکابر نے کیا وہیں حضرت پاسبانِ ملت نے بھی تحریر و تقریر اور بحث و مناظرہ کے ذریعہ ان کا رد و ابطال کیا۔ لیکن اس وقت کی تمام جماعتوں میں انتہائی زہریلی اور خاموش لیکن سب سے زیادہ فعال و متحرک جماعت ”تبلیغی جماعت دہلی“ تھی جو ہندوستان کے سادہ لوح، حقیقت نا آشنا اور خوش عقیدہ مسلمان جو مذہب و ملت کا درد اور دین کی سچی لگن رکھتے تھے انھیں اپنے نماز اور کلمہ کے دلکش نعروں سے متاثر کر کے اپنا ہم نوا بنا رہی تھی۔ موصوف نے اپنی زبانِ جادو اثر سے تو اس کا پردہ فاش کیا ہی لیکن ان کے زہرہ نگار قلم نے بھی بڑی خوردبینی کے ساتھ اس جماعت کے حقائق کو بے نقاب کر کے عامہ مسلمین کو روشناس کرایا مثلاً اس جنت کی ٹھکیدار اور تقدس مآب جماعت کے خدوخال پر موصوف کی یہ لطیف شریعت ملاحظہ فرمائیے جس سے نہ صرف یہ کہ اس اللہ والی جماعت کی اصل شکل و صورت ابھر کر سامنے آتی ہے بلکہ جو بیلے حق کے لئے تریاق سے کم نہیں ہے۔

”مولوی الیاس صاحب جو عقیدہ و بابی مسلک کے تھے وہی اس جماعت کے مؤسس و بانی ہیں۔ اسلئے اس کا دوسرا نام ”الیاسی جماعت“ بھی ہے۔ اب ان کے بعد یہ جماعت مولوی الیاس صاحب کے صاحبزادے مولوی محمد یوسف صاحب کی سرکردگی میں کلمے اور نماز کی دعوت کا سہارا لے کر وہابی مشن کا پرچار کر رہی ہے۔“

مولوی منظور صاحب نعمانی جو کسی وقت تالیں ٹھونک کر دیوبندی پلیٹا سے اہلسنت کو چیلنج مناظرہ دیا کرتے تھے متعدد مقامات پر شکست کھانے کے

بعد مناظرہ سے توبہ کر کے وہ بھی اب ”تبلیغی جماعت“ کے ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے لکھنؤ کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا چکے ہیں۔ مناظرہ سے توبہ کے بعد ابتداءً نعمانی صاحب نے جماعت اسلامی کو اپنا مرکز توجہ بنایا تھا لیکن مودودی صاحب سے نباہ نہ ہو سکی اسلئے اس میدان کو بھی خیر باد کہنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی مودودی صاحب کے کیریکٹر و کردار کی خبر لیتے ہوئے ”الفسر قان“ میں کالم کے کالم سیاہ کر دیے جاتے ہیں۔ اس جماعت کا صدر دفتر دہلی ہے جو آستانہ محبوب الہی سے متصل ایک مسجد میں واقع ہے۔

”تبلیغی جماعت کے بارے میں مولوی حفیظ الرحمن صاحب یوہاروی، ناظم ”جمعیتہ العلماء ہند دہلی“ کا کہنا ہے کہ مولوی الیاس صاحب کو برٹش گورنمنٹ ان کی تحریک کے لئے روپیہ دیا کرتی تھی۔

رض روز مملکت خویش خسروا دانمند “
 کے مطابق اس راز سربتہ کو تبلیغی جماعت والے ہی بتا سکتے ہیں کہ انگریز بہاد
 نے کتنے لاکھ یا کتنے کروڑ روپے اس تحریک کے لئے انھیں دیئے تھے اور اب حکومت
 برطانیہ لندن سے انھیں روپیہ بھیجتی ہے یا نہیں؟ یا اب مذہب کے نام پر کمیونزم
 کی توڑ کے لئے امریکہ سے ساز باز ہو چکا ہے۔ یہ حال اس رقم میں لکھ پتی اور کروڑوں
 کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جنھوں نے اس جماعت کے لئے اپنے خزانے کے منہ کھول
 دیئے ہیں۔ اور یہ بات ان کے یہاں کچھ معیوب بھی نہیں ہے۔ چنانچہ وہابی جماعت
 کے مقتدا و پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی کو برٹش گورنمنٹ چھ سو روپے ماہانہ
 دیا کرتی تھی اور ایسے ہی اسماعیلی تحریک کے نام پر جب مولوی سید احمد صاحب
 بریلوی بحری جہاز سے سفر کر رہے تھے تو روپیہ اور راشن کا انتظام انگریز بہاد
 ہی کے ہاتھ تھا۔

اب سنئے اس کا کام کیا ہے مسلمانوں کو کلمہ کی دعوت دینا ہمارے سامنے
 تو اس قسم کی کوئی روایت نہیں کہ حضرت ابو بکر نے فاروق اعظم کو اور حضرت

فاروق نے عثمان غنی کو اور حضرت سیدنا عثمان غنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یا کسی اور صحابی نے کسی دوسرے صحابی کو کلمہ کی دعوت دی ہے۔ کلمہ کی دعوت کافر کو دی جاتی ہے نہ کہ مسلمان کو۔ چونکہ امت کی دو قسمیں ہیں ایک کا نام امت دعوت ہے اور دوسری کا نام امت اجابت۔ امت اجابت وہ ہے جس نے کلمہ کی دعوت قبول کر لیا ہو یعنی مسلمان۔ اور امت دعوت وہ ہے جس نے کلمہ کی دعوت سے انکار کر دیا ہو۔ یعنی کافر۔ اس لئے کلمہ کی دعوت کافر کے لئے ہے نہ کہ مسلمان کے لئے۔
یا للعجب! یہ کیسے بازی گر ہیں جنہیں کلمہ کی دعوت دینی چاہئے ان سے لاکھوں کروڑوں روپے لے کر دین و مذہب کی سودا بازی ہو رہی ہے۔ اور سچے پکے نمازی مسلمانوں کو خانہ خدا میں توحید و رسالت کی دعوت دی جاتی ہے۔
صل جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے“ لے

اس بدنام تحریک کے استیصال اور یخ کنی کے لئے اس وقت تک کوئی بنیادی قدم نہیں اٹھایا گیا تھا لیکن چونکہ قوم و ملت کا جو درد و غم مختلف بہران ملت کو علیحدہ علیحدہ تھا بقول جگر مجموعی طور پر حضرت پاسبان ملت کے اندر تھا۔۔۔

بے چینیاں سمیٹ کر سائے جہان کی!
جب کچھ نہ بن سکا تو مراد دل بسا دیا
انھوں نے بڑی باریک بینی سے اس جماعت کے خطرات و نتائج کو محسوس کیا۔ اور جب پانی سر سے اونچا ہوتا ہوا دیکھا تو آپ نے فرمایا ”لوہے کو لوہا کا ٹٹا ہے“ یعنی اس جماعت کی کاٹ اور اس کا ازالہ اسی طرح کی تحریک اور جماعت سے کی جانی چاہئے۔ چنانچہ آپ نے انفرادی اور اجتماعی طور پر اس مسئلے کو عوام کے سامنے رکھا۔ اور متفقہ طور پر مارچ ۱۹۶۸ء سے تبلیغی جماعت

لے پاسبان اپریل ۱۹۶۰ء

کے مقابل ”سنی تبلیغی جماعت“ کی تحریک کا آغاز کر کے اس کی کاٹ کی مہم شروع کر دی اور اس کے خلاف ایک ٹھوس اور بنیادی قدم اٹھایا اور عوام کو یہ شعور دیا کہ اہلسنت کی یہ جماعت ”سنی تبلیغی جماعت“ کے نام سے رہے گی تاکہ دونوں جماعتوں میں مابہ الامتیاز باقی رہے اور آغاز تحریک میں آپ نے اس جماعت کے

اغراض و مقاصد، اصول و طرق کار

متعین فرمایا جو دستور العمل آپ کے عملی اقدامات اور ذاتی تجربات و مشاہدات پر مبنی ہیں جس کا خاکہ مختصراً یہ ناطقین ہے :-

- اس جماعت کا نام ”سنی تبلیغی جماعت“ ہو گا۔ سنی سے مراد وہ افراد ہیں جو مسلک اعلیٰ حضرت اور حسم الحرمین سے کلیتہً مستحق ہوں۔
- اس کا مرکز الہ آباد ہو گا۔ نتائج کی روشنی میں تبدیلی بھی ہو سکتی ہے۔
- اس جماعت کا صدر، جنرل سکرٹری، معاون سکرٹری، جیسا کو فی عہدہ دار نہ ہو گا۔ جماعت کا ایک سربراہ ہو گا جو کام کرنے والوں کی فکری، علمی، عملی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان کے منصب کا تعین کر کے حلقہ تبلیغ بھی منتخب کر دے گا۔ سربراہ اعلیٰ کے ماتحت چند دوسرے امراء و مبلغین ہوں گے جنہیں کام تفویض کیا جائے گا۔
- جماعت کے اہم امور کو حل کرنے کے لئے جماعت ہی کے مخلص معاونین امراء و مبلغین پر مشتمل اس کی ایک مجلس شوریٰ ہو گی جو وقتاً فوقتاً کام کا جائزہ لینے کے علاوہ وقت کے درپیش مسائل کا حل بھی تلاش کرے گی۔
- مجلس شوریٰ سربراہ جماعت کے لئے بحیثیت معاون ہو گی اس کی پیش کردہ تجاویز کو مجلس شوریٰ عملی جامہ پہنانے کی بھرپور جدوجہد کرے گی۔
- عبوری دور ختم ہونے کے بعد سربراہ جماعت مجلس شوریٰ کی تائید و

حیثیت حاصل کر کے سنی مکتبہ فکر کے کسی بھی سینئر و معتبر اور متقی عالم کو ایمر الامراء منتخب کر کے اس کی امارت کا اعلان کر دے گا۔

- عقیدہ توحید و رسالت کے بنیادی تصورات کو پیش کرنا۔
- کتاب و سنت اور اقوال سلف کی روشنی میں ایمان و عقیدے کی اصلاح۔
- خشیت الہی اور عمل صالح کی تلقین۔
- ارکان اسلام کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت کو سمجھانا، اور فرائض و واجبات کی بالالتزام ادائیگی اور سنت نبوی پر مسلمانوں کو آمادہ کرنا تاکہ وہ اپنی سیرت و صورت دونوں میں مسلمان دکھائی دیں۔
- مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول اور احترام نبوت کا صحیح جذبہ پیدا کرنا۔
- امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو لائحہ عمل بنانا۔
- کفر و شرک اور بدعت ضلالت کا صحیح مفہوم سمجھا کر مسلمانوں میں اسلام کی صحیح اسپرٹ پیدا کرنا۔
- اصلاح مراسم مثلاً اصلاح اعراس، شادی بیاہ وغیرہ میں فحش و منکرات کی شمولیت، لڑکیوں کے جہیز میں مطلوبہ سامان کی قید، اسراف و مالش کے خلاف عملاً جدوجہد۔
- قرآن و سنت کی روشنی میں توہین نبوت جیسے ناقابل معافی جرم کو سمجھانا اور مسلمانوں کو ان سے محفوظ رکھنا۔
- قرآنی تعلیم، سیرت نبوی، فقہی مسائل کو عام کرنے کے لئے صحتمند لٹریچر کی اشاعت، وعظ و نصیحت کی مجالس کا انعقاد، مکاتب، مساجد، مدارس اور لائبریریوں کے قیام کی سعی کرنا،
- طریق کار کے لئے شرعی حدود کی رعایت، عورتوں میں اسلامی تعلیم کا رواج۔
- ملک کے علماء و مہتمم مساجد، اور تعلیم یافتہ حضرات کے ذریعہ ان کے

حلقہ اثر میں، درس قرآن، درس حدیث، مجالس وعظ و نصیحت قائم کر کے مسلمانوں میں دینی اسپرٹ پیدا کر کے "سنی تبلیغی جماعت" کو فعال اور متحرک جماعت بنانا۔

• — تبلیغی وفد برائے تبلیغ شامل ہونے سے قبل کسی دینی درس گاہ یا مستند سنی عالم سے ضروریات دین اور سنی تبلیغی جماعت کے نصاب کا پڑھنا ضروری ہوگا تاکہ تبلیغ کی افادیت مجروح نہ ہو ایسے مسائل جن کا علم نہ ہو ان کے متعلق اپنی طرف سے کچھ نہ کہا جائے بلکہ اس کے لئے مرکز کی طرف رجوع کیا جائے تبلیغی وفد میں بحیثیت معاون اور متعلم بہتر سنی مسلمان شریک ہونے کا حقدار ہوگا۔

• — اگر کچھ لوگ اس تحریک کی مخالفت کرتے ہوں خواہ اپنے ہوں یا پرانے ان سے مباحثہ میں تضييع اوقات نہ کیا جائے۔

• — یہ جماعت غیر سیاسی اور غیر الکشی ہے اس کا سیاست حاضرہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ البتہ ملکی ترقی، امن و سلامتی، سماجی فلاح و بہبود میں جذبہ حب الوطنی کے تحت اس جماعت کے مسلمان برابر کے شریک ہوں گے۔

• — بغیر کسی دعوت کے شہر، دیہات، ضلع، قصبہ و صوبہ پہنچ کر خدا اور رسول کے پیغام کو پہنچانا، جہالت و بے علمی کو اس طرح دور کرنا کہ معاشرہ کو دلوں سے پاک ہو جائے۔ اور پوری جماعت ایک چلتی پھرتی مشین ہو جائے۔

• — سنی علماء و مشائخ سے رابطہ رکھنا، اہلسنت کے اجلاس میں شرکت کرنا اور ان کی مدد کرنا، مدارس اخبار و رسائل کا تعاون اور علماء ہمدردی کرنا، آپسی اختلافات کو مٹا کر میل ملاپ کی خوشگوار فضا پیدا کرنا اس کا

نصب العین ہے۔

• — حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو ملحوظ رکھنا، نخوت، غرور، جھوٹ غیبت، بغض و حسد جیسی آلائشوں سے دل کو پاک رکھنا، صلہ رحمی، حقوق

ہمسایگان، ہزرگوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، معاملہ کی صفائی،
رفاہ عام کے لئے جماعت کے تحت انجمنوں کا قیام اور رضا کارانہ خدمات

انجام دینا۔
— کسی بھی مسجد میں تبلیغی پروگرام سے پہلے امام کی اجازت ضروری ہے اجازت
نہ ملنے پر حلفِ نثار نہ کیا جائے بلکہ عوام سے رابطہ پیدا کر کے جلسے کا
انتظام کرایا جائے۔

— تبلیغی امور میں سفر خرچ وغیرہ کے لئے کوئی معاوضہ نہ طلب کیا جائے
اس سلسلے میں مرکز سے رابطہ پیدا کر کے ہدایات حاصل کی جائیں فیوض الہیہ
ان بنیادی ضابطوں اور دستور کو مرتب کرنے کے بعد جب حالات اور
تقاضوں کے پیش نظر آپ نے ”سنی تبلیغی جماعت“ کا باضابطہ اعلان فرمایا تو اس
کے مرکزی دفتر دارالعلوم غریب نواز الہ آباد سے ماہنامہ پاسبان الہ آباد کے
ذریعہ اس کی تشہیر و فروغ کی سعی بلیغ کرتے رہے۔ پھر یہ تذکرہ آپ کی نجی مجلسوں
میں ہوتا رہا۔ اور ملت کے نو نہالوں کو اپنا ہم خیال بناتے رہے جس کے لئے
غیر معمولی کاوشیں کرنی پڑیں پھر امید افزا حالات کے پیش نظر اس جماعت کا ذکر
مجلسوں سے جلسوں تک پہنچایا اور اس طرح عام تحریر و تقریر میں اپنا درجہ جگہ
سب کو تقسیم کرتے رہے اور نہایت نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ پورے ملک کے
گوشے گوشے میں کامیاب دورے کئے۔ دیہات، قصبہ، شہر ضلع ہر مقام پر موصوف
کی اس تحریک کا پُر تپاک خیر مقدم اور پر جوش استقبال ہوتا رہا اور وہاں کے ہوشیار
و ذی شعور طبقہ نے بطیب خاطر اسے قبول کیا۔ اس کی شاخیں تمام علاقے میں قائم
کی گئیں اب تدریجاً یہ تحریک زور پکڑتی گئی اور منزل مقصود کی جانب بڑھتی
گئی اور آپ کے اخلاص و ایثار کی یہ قربانی بالآخر رنگ لا کر رہی اور پورے ملک
میں اس ہمہ کے خوشگوار اثرات و نتائج رونما ہوئے۔ اور وقت کی بہت سی دینی
ضروریات مثلاً عملی استعداد، عملی اتحاد اور علمائے سرگرمیوں کا بھرپور احساس لوگوں

میں بیدار کیا۔ اور اب آپ اس راہ کے تنہا مسافر نہیں رہے بلکہ
 ہر لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

کے مصداق:

- حضرت مولانا مفتی عبدالحلیم صاحب اشرفی ناگپور
- حضرت مولانا الحاج خواجہ نظام الدین صاحب بدایوں۔
- حضرت مولانا الحاج ظہور احمد صاحب اشرفی باسنی راجستھان
- مولانا مفتی ولی محمد صاحب ریسرچ اسکالر دارالعلوم غریب نواز الہ آباد
- مفتی باسنی۔ راجستھان۔
- حضرت مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی جامعہ قادریہ جریاکوٹ۔
- جناب الوزعلی صاحب انصاری ایم اے سکریٹری سنی تبلیغی جماعت بلوچی۔
- مولانا عبد الرزاق صاحب جلیپوری۔
- جناب مہدی حسن نظامی بلوچی۔
- مولانا عبد الجلیل صاحب مصباحی۔ الہ آباد
- مولانا حافظ عبد القیوم صاحب اعظم گڑھ
- جناب الحاج شیخ محمد اسماعیل صاحب رضوی مرحوم بیڑی مرحمت نمبر
- جناب الحاج محمد سعید صاحب رضوی
- جناب الحاج چودھری محمد علی مکرانہ
- جناب فاروقی پہلوان بھیلوارہ
- جناب مولانا عبد الشکور صاحب۔
- مولانا سمیع اللہ صاحب
- مولانا شبیر احمد صاحب
- جناب حافظ حکیم انصاری صاحب
- جیسے روشن ضمیر، غلض اور دین کے ہمدرد عوام و خواص نے حضرت پاسبان ملت

کے دوش بدوش، شانہ بٹا نہ چل کر بھر پور تائید و حمایت کا حق ادا کیا جس کے نتیجے میں راجستھان، آندھرا پردیش، گوا، مہاراشٹرا، کرناٹک، میسور، بنگال و بہار اور اتر پردیش کے مصنافات میں اس جماعت کی متعدد شاخیں قائم ہوئیں۔ جو آج بھی حضرت موصوف کے نقش قدم پر اپنے مشن پر عمل پیرا ہیں۔ بھٹی کی سرزمین پر جو کچھ اس جماعت کا کام ہوا اور ہو رہا ہے اس کا سہرا نور علی انصاری ایم اے کے سر ہے جن کے بارے میں علامہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر انھیں سوئے سے تولا جائے تو کم ہے۔ یوں ہی مولانا ظہور احمد اشرفی، مولانا مفتی ولی محمد باسنی، اور جناب مہدی حسن نظامی کے خلوص و ایثار اور ان کی مہنوائی سے علامہ بے پناہ متاثر تھے۔ حضرت موصوف اس تحریک سے کس قدر قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ اور دین کے اس کشن کے فروغ کا کتنا شدید جذبہ تھا ان کے اس اقتباس سے اندازہ کیجئے۔ فرماتے ہیں:-

”میں اس کے لئے اس حد تک فکر مند ہوں کہ میں خدا کو خواستہ مجھے ٹی بی کا مرض نہ ہو جائے۔ میں اپنی حساس طبیعت سے بہت مجبور ہوں چونکہ سنی تبلیغی جماعت کی آواز کو میں نے بہت دور تک پھیلایا۔ اور اب اس بارے میں احباب کا تقاضا بھی شدت اختیار کر رہا ہے۔“

یوں ہی جناب رازالہ آبادی کے ذریعہ علامہ سے لئے گئے انٹرویو کا یہ اقتباس بھی ان کی جماعتی احساسات کا منظر ہے۔
 رازالہ آبادی:- اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟
 نظامی:- اب سنی تبلیغی جماعت ”میرا وطن بھونا ہو گا۔ اب تک لوگوں کی دعوت پر جاتا تھا اور اب بن بلائے گلی گلی کی خاک چھانی ہے“
 ”سنی تبلیغی جماعت“ اور ”رضالامیر میری“ میری زندگی کا آخری مشن ہو گا۔

امہ پاسبان جون ۲۰۲۳ء

راز الہ آبادی :- تقریری پر وگرام سے کنارہ کشی سے قوم کا بڑا نقصان ہوگا۔
 نطاسامی :- راز صاحب! اگر سنی عوام نے میرا ساتھ دیا تو نقصان نہیں ہوگا
 بڑا فائدہ ہوگا جلسوں کے سنبھالنے والے تو بہت سے ہیں مگر "تبلیغی جماعت"
 جیسی زہریلی جماعت کا تریاق ابھی تک پیش نہیں کیا گیا، انشاء اللہ تعالیٰ
 "سنی تبلیغی جماعت" اس کی صحیح کاٹ ثابت ہوگی۔ اور اس وقت اپنے
 عوام کو اس کی سخت ضرورت ہے۔

راز الہ آبادی :- آپ کے باقی اداروں کا کیا ہوگا؟
 نطاسامی :- میں ان کی نگرانی کروں گا مگر مرکزی توجہ "سنی تبلیغی جماعت"
 پر ہوگی۔ لے

قوم کا غم مول لے کر دل کا یہ عالم ہوا
 یاد بھی آتی نہیں اپنی پریشانی مجھے

آل انڈیا سنی جمعیت العلماء کربئی اب ملک ایک نئے دور سے
 گزر رہا تھا اور ہر پانچ سال کے بعد الیکشن اور انتخابات کی ہماہمی سے پورے
 ملک بالخصوص مسلمانان اہلسنت میں قیامتِ صغریٰ جیسا منظر نظر آ رہا تھا۔ اور
 ادھر مصلحت کوش، نام نہاد "جمعیتہ علماء ہند دہلی"، بجائے اس کے کہ یہ اپنی
 سیاسی کارکردگی سے مسلمانوں کو آبرو مند زندگی دلائی اپنی کروٹیں بدل بدل
 کر کبھی سیاسی اور کبھی خالص مذہبی جماعت ہونے کا اعلان کر کے بظاہر اسلام
 و سنیت کا لبادہ اوڑھ کر موقع سے غلط فائدہ اٹھا رہی تھی۔

کبھی تو اس نے "محکمہ کسٹوڈین" کے ساتھ دل چسپی دکھا کر کیش
 ایجنٹ، کا پارٹ ادا کیا اور جیسے جیسے اس کی آمدنی کمزور پڑتی گئی۔ تو پھر
 "سنی وقف بورڈ" کے ساتھ اظہار ہمدردی کر کے کبھی قاضی بل، کبھی وقف بل،

لے تاجدار شہید اعظم نمبر۔

کا جھنڈا لے کر نگر نگر پھرتی رہی اور پورے ملک کے مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ کر کے ڈرامائی شکل میں اپنے باطل و گمراہ افراد کو اس کمیٹی میں بھرنے کی کوشش کی۔ یہ اس کی ابن الوقتی ہی تو تھی کہ وقت بورڈ اتر پردیش کے اراکین کے انتخاب میں مولانا شاہ صاحب فاخری سابق صدر ”جمعیتہ علمائے ہند اتر پردیش“ کے خلف کبر مولانا خالد فاخری کو محض اسلئے سنی وقف بورڈ میں شامل نہیں کیا گیا کہ وہ سنیوں کے نمائندہ بن کر جانا چاہتے تھے۔ یوں ہی کبھی اس جماعت نے مسلمان بچوں کی دینی تعلیم و تربیت پر غور و فکر کے نام پر ”تعلیمی کنونشن“ جبریتہ تعلیم کا اقدام کیا۔ کیونکہ اس میں اگرچہ ہر مکتبہ فکر کے علمائین مدعو تھے لیکن اس میں اسلامی بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کی اصلاح مقصود تھی تو اس سے کہیں زیادہ جمعیتہ العلماء کی نصاب بن کر اپنی کتابوں کی مارکیٹ گرم کرنے کی مقصدیت تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس کنونشن کے پس منظر میں عقائد باطلہ کی ترویج و اشاعت کی گہری سازش تھی تو بے جا نہ ہوگا۔

انہیں حالات و واقعات کی بنیاد پر اہلسنت کے وہ غیور علماء و مشائخ جو درس و تدریس، افتاء و قضا، مسجد و خانقاہ، وعظ و تبلیغ کے سوا کوئی مشغلہ نہیں رکھتے تھے۔ انہیں ان حالات نے جھنجھوڑا جس کے نتیجے میں آل ہندیا سنی جمعیتہ العلماء بھیلی، کی ایک آئینی و دستوری جماعت کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ اور وقت کے تمام علماء و سمیت سید العلماء حضرت علامہ سید آل مصطفیٰ علیہ الرحمۃ والرضوان کی صدارت و سرپرستی اور حضرت پاسبان ملت علامہ شتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ والرضوان کی کبھی نظامت اور کبھی صدارت و قیادت میں یہ جماعت سرزمین ہند پر بادل بن کر چھا گئی۔ پاسبان ملت نے حضرت سید العلماء کے شانہ بشانہ ملکی پیمانے پر اس پلیٹ فارم سے ملکی، ملی، سماجی، قومی اور سیاسی خدمات انجام دیئے۔ اور مسلمانان اہلسنت کی بھری ہوئی طاقت کو سیمیلٹے میں تاریخ ساز پارٹ ادا کیا۔ آپ نے بارہا اپنی نجی مجلسوں میں فرمایا:

”آل انڈیا سنی جمعیت العلماء ہندی“ کسی کی جاگیر و میراث نہیں اور نہ ہی کسی طبقے یا گروپ کی جماعت ہے بلکہ جو اپنے آپ کو سنی سمجھتا ہے ان سب کی یہ جماعت ہے جہاں سے بیک وقت متحد ہو کر آواز حق بلند کی جائے۔ ہاں! جو لوگ ہماری دنیا کی درسگاہوں اور خانقاہوں کے اعتبار سے اپنے آپ کو موسوم و مشہور کرتے ہیں تو وہ موسوم کریں اور علی الاعلان کریں برصغیر ہندی، منظر ہندی، برکاتی، اشرفی، رضوی، قادری، امجدی، لکھنوی اور ضرور لکھیں مگر اس میں اس قدر تعصب و تنگ نظری نہ ہو جس سے سنیت کی کار کو نقصان پہنچے۔

اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ پاسان ملت نے پر زور اور کامیاب کار میں اس پلیٹ فارم سے

جمعیت العلماء ہند دہلی کا بایرکاسٹ

کیا، اسے ایک ڈکٹیٹر شپ، عین پسند، مفاد پرست، ترانڈوز مفلوج اور قربانی کے جذبے سے خالی جماعت قرار دیتے ہوئے اپنے اور عوام کی جانب سے عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ ارشاد فرمایا کہ جمعیت علماء ہند ہماری نمائندہ جماعت نہیں۔ لہذا اس کا کوئی اقدام اور کوئی فیصلہ ملک کی بھاری اکثریت کے لئے قابل قبول نہیں جس کے نتیجے میں جمعیت العلماء ہندیوں میں ایک انقلاب برپا ہوا اور ان کے بہت سے شکایتی خطوط بھی آئے۔ مثلاً جناب عبدالجہیر لکھنوی ایڈیٹر کرسٹل سکرپچر جمعیت العلماء ہند بیکانیر کا ایک بہ خط اور حضرت پاسان ملت کی طرف سے اس کا نمسکت جواب دیکھتے چلے۔

مکرمی جناب ایڈیٹر ماہنامہ پاسان۔ الہ آباد

السلام علیکم

”ایڈیٹر پاسان کی تقریر“ کے عنوان سے رسالہ پاسان ماہ اکتوبر میں ایک مضمون شائع ہوا۔ اس تقریر کا خلاصہ عرض اس طرح ہے کہ ”جمعیت

العلمائے ہند دہلی کا بائیکاٹ کیا جاوے۔ جمعیتہ العلماء ہند دہلی کو حزب مخالف کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ ”سنی جمعیتہ العلماء“ اور دیگر مسلمانوں کو اس حزب مخالف کی انتھک کوششوں سے جن سے وہ دیوبندی خیالات مسلمانوں میں پھیلا نا چاہتے ہیں۔ خبردار رہنا چاہئے۔

”جناب والا کی یہ تقریر پڑھ کر نہ صرف مجھے ہی از حد افسوس ہوا۔ بلکہ مجھے جیسے ہزاروں قارئین کو رنج ہوا ہو گا کہ آج اس زمانے میں ویسے ہی انتشار پھیلا ہوا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ اس انتشار کے پھیلانے میں علماء ہی مدد و معاون بن رہے ہیں۔“

مجھے یقین ہے کہ وہابی عقیدہ رکھنے والی جماعت کے علاوہ بچا سوں ایسے گروہ ہندوستان میں موجود ہیں جن کے عقائد حنفی عقائد سے مختلف ہیں اور یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اپنے عقائد کی توسیع میں پوری کوشش کرتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ”جمعیتہ العلماء ہند دہلی“ نے ایسا کیا قصور کیا ہے جسکی پاداش میں جناب لاجمعیۃ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس میں مخالفت کی آڑ میں ان تمام علماء اور دیگر اشخاص کی برائی کرتے ہیں جو جمعیتہ العلماء ہند دہلی سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ عام اس کے کہ وہ دیوبندی حضرات ہوں، یا حنفی عقائد والے۔ شاید جناب والا کو یہ معلوم نہیں کہ جمعیتہ العلماء ہند نے مسلمانوں کی کیا کیا خدمات کی ہیں۔ اور یہ بھی شاید ہی معلوم ہو کہ مسلمانوں کی خدمت کرنے میں اس جماعت نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ جس شخص کی خدمت کی جارہی ہے وہ سنی عقیدہ رکھنے والا ہے، دیوبندی ہے، شیعہ ہے یا رافضی ہے۔ بلکہ بلا لحاظ عقائد یا گروہ بندی قطعی عمومیت کے ساتھ خدمت کی ہے افسوس اس بات کا ہے کہ جناب والا نے اپنی لمبی چوڑی تقریر میں یہ ظاہر نہیں کیا کہ اتنے کثیر علماء جو ”جمعیتہ العلماء ہند“ کے جھنڈے کے تحت خدمت اسلام انجام دیتے رہے! اور دے رہے ہیں ان میں کون صاحب ایسے ہیں جو

دیوبندی ہیں۔ اگر جناب والا جلنے میں کامیاب ہیں تو کیا جناب کا یہ فرض نہیں ہے کہ آپ اپنا سلسلہ گفتگو انھیں حضرات تک محدود رکھیں اور دیگر معاونین جمعیت کو بلا وجہ اپنے آزاد روقلم کا شکار نہ بنائیں۔

جناب والا کو معلوم ہونا چاہئے کہ تقاسمہ ہند کے بعد ہندوستان میں اگر مسلمانوں کی جان اور مال کی حفاظت میں کسی جماعت نے حصہ لیا۔ اور ان کو بچایا۔ تو واحد جماعت ”جمعیتہ العلمائے ہند“ کی ہے۔ اس جماعت نے ہندو کے لاتعداد مکاتب، مساجد، اور اوقاف کی جائیدادوں کو بچایا۔ لاکھوں بے گھر مسلمانوں کو جو قوتی تکلیف کی بنا پر پاکستان چلے گئے تھے پھر سے ہندوستان میں آباد کیا۔ اور ان کی زمینیں واپس دلوائیں۔

اگر جناب والا ذرا تکلیف فرما کر دہلی تشریف لے جائیں اور محکمہ کسٹوڈین کے مختلف شعبہ جات اور مرکزی وزارت ہوم سے پتہ کر لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس جمعیتہ العلمائے ہند دہلی کی کیا کیا خدمات ہیں۔

جناب والا نے فرمایا ہے :-

”ہمیں پوری حسن تدبیر سے مسلم عوام و خواص کو سمجھا دینا چاہئے کہ دیوبندیت اور سنیت کا اختلاف محض عرس و قوالی کا نہیں ہے بلکہ کلیدی اور بنیادی اختلافات ہیں اور وہ اختلاف ہے توہین نبوت اور تنقیص رسالت کا۔ چونکہ اکابر علمائے دیوبند آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دے کر وقار نبوت اور عظمت رسالت کے گھٹانے کی کوشش کی ہے اور حفظ الایمان تقویۃ الایمان، تحذیر الناس، براہین قاطعہ جیسی گندی اور پھوٹ کر کتابوں میں ایسی غارتگر ایمان عبارتیں لکھی ہیں جن سے توہین نبوت ہوتی ہے جو موجب کفر ہے۔“

جہاں تک عقائد کا سوال ہے حنفی حضرات اور دیوبندی حضرات میں

اختلاف ہو سکتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ مندرجہ بالا کتب میں حنفی عقائد پر حملے کے گئے ہیں۔

جناب والا کو حق ہے کہ ان کتابوں کا مفصل جواب رسالہ تھا اور کتب کی شکل میں تحریر فرمائیں ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جاوے اور عوام و خواص پر یہ ثابت کریں کہ حنفی عقائد دیوبندی عقائد کے مقابلے میں خالص اسلامی اصول ہیں اور وہی قابل عمل ہیں لیکن آپ کا یہ فرض نہیں ہے کہ آپ ان کتب کا حوالہ دے کر عام اور خاص مسلمانوں میں تفریق کی بنیاد کو مضبوط کریں۔ بلکہ اس انتشار کے پھیلائے کے رویہ کو چھوڑ کر اگر آپ کوئی مصالحتی صورت پیدا کریں تو زیادہ مناسب ہے اپنا زور قلم اجتماع بین المسلمین میں صرف کریں تو زیادہ باعث ثواب ہے ورنہ تفریق میں جناب کے لئے یہاں اور آخرت میں حرجی ہے۔
خدا رحم کرے۔

کچھ آدمیوں کی چند تصنیفات سے یہ سمجھ لینا کہ ان سے تو بہن نبوت اور تنہی صُ سالت ہے۔ مولانا صاحب! مجھے معاف فرمائیں گے یہ آپ کے عقیدے کی کمزوری ہے آفتاب رسالت پر کتنی ہی گندگی اچھال کر گستاخی کی جاوے، حضور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی عظمت و توقیر میں ذرہ برابر فرق نہیں۔
اخیر میں جناب والا کو یہ جتنا ناچاہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ "جمعیۃ العلمائے ہند" دہلی میں دیوبندی علماء بھی شامل ہوں مگر یہ پختہ بات ہے کہ یہ جماعت دیوبندیوں کی جماعت نہیں ہے بلکہ عام مسلمانوں کی جماعت ہے جن میں یقیناً بیسیوں قسم کے گروہ اور مختلف عقائد والے افراد شامل ہیں اور خدایت اسلام انجام دیتے ہیں اس جماعت کا سروکار اختلاف عقائد سے نہیں ہے بلکہ اسلامی خدمت سے ہے۔ امید ہے کہ جناب والا اس ناچیز کے چند کلمات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے اور بجائے تفریق اور انتشار کے اجتماع اور اتحاد پر زور قلم صرف فرمائیں گے۔ آپ کا مخلص: عبدالمجید نظامی ایڈووکیٹ ۱۰/۵/۵۹ء

حضرت پاسبان ملت کا جواب ملاحظہ فرمائیے:

کرم فرما جناب عبد المجید صاحب نظامی ایڈووکیٹ
سلام ستمون!

۱:- اولاً تو آپ نے رونا رو پایا ہے کہ میری تقریر پر آپ اور آپ جیسے ہزاروں قارئین پاسبان کو صدمہ ہوا۔ تو میرے غلصے یہ وہ غم ہے جس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں جس طرح آپ سنی جمعیتہ العلماء ہند بمبئی یا آل انڈیا تبلیغ سیرت کے ممبر یا رکن ہو کر مجھے مسرت و شادمانی نہیں دے سکے۔ بالکل اسی طرح میں جمعیتہ العلماء ہند کا ممبر ہو کر آپ کی رضا جوئی سے اپنے کو معذور پاتا ہوں ورنہ یہ غم مجھے بھی ہے، کہ آپ ہماری جماعت کے عہدیدار کیوں نہیں؟

۲:- اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ملک کی اور بہت سی جماعتیں ہیں آخرش آپ جمعیتہ العلماء ہند کے سچھے کیوں پڑ گئے؟ تو مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ سے یہ دریافت کر سکوں کہ اس ملک میں عیسائی، پارسی، موسیٰ، یہودی، چینی یہ تمام ہی مذاہب ہیں اور ان کی اشاعت ہوتی رہتی ہے آخرش ایک جماعت اسلامی میں کیا کیڑے پڑ گئے ہیں کہ جمعیتہ العلماء ہند کے سابق صدر مولوی حسین احمد صاحب صدر دیوبند نے ان لوگوں کو رافضی، خارجی، معتزلی، جہمی اور فریبکار، کافر تک کا فتویٰ دیا۔ آخرش جمعیتہ العلماء ہند، جماعت اسلامی یا اسلامی لیبل پر جتنی جماعتیں ہیں ان کے سچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئی؟ یہ اتحاد بین المسلمین ہے یا افتراق بین المسلمین؟ کیا اس ضرورت کا احساس اب جمعیتہ العلماء ہند کو جاتا رہا؟ جماعت اسلامی سے متعلق اگر حوالہ جات کی ضرورت ہو تو شیخ الاسلام نمبر ۱ کا دیکھ لینا کافی ہو گا۔

۳:- آپ نے دے لفظوں میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جمعیتہ العلماء ہند دیوبندیوں کی جماعت نہیں بلکہ عام مسلمانوں کی جماعت ہے۔ تو آپ سے اتنی

ہی گزارش ہے کہ علمائے دیوبند کے علاوہ دس پانچ ایسے حضرات کے نام کی اطلاع دیجئے جو جمعیتہ العلماء ہندورکنگ کمیٹی میں ہوں اور دیوبندی مکتبہ فکر سے متعلق نہ ہوں۔ رہ گئی عوام کی شمولیت کی بات تو وہ نادانستہ طور پر شریک ہیں یا دنیاوی مفاد کے پیش نظر۔؟

۴۔ آپ نے جمعیتہ العلماء ہند کی بعض خدمات کو سراہا ہے جمعیتہ العلمائی ہونے کی حیثیت سے آپ کو حق ہے کہ آپ اس کی خدمات کو سراہیں۔ اس مقام پر اتنی ہی گزارش ہے کہ ڈھکی چھپی باتوں کو کُریدئے نہیں۔ ورنہ مساجد اور اوقاف کے پرے میں جمعیتہ العلماء نے کیا کچھ نہیں کیا ہے اس کو ملک کا باخبر حلقہ اچھی طرح جانتا ہے۔ ۵۔ خدا کا شکر ہے کہ آگے چل کر آپ نے اس کا اعتراف کیا کہ علمائے دیوبند نے حنفی عقائد پر حملے کئے ہیں مگر یہ امر لائق افسوس ہے کہ اس حملے کو آپ نے اتنی ہی حیثیت دی کہ اس سے ابو حنیفہ کا دامن چاک چاک ہوا اور حنفیوں کے سینے پھلنی ہوئے مگر آپ کے سینے پر حراش نکٹ نہ آئی۔ یہ ہے آپ کا مذہبی احساس۔

اگر اس کا امکان ہو تو کبھی علمائے دیوبند سے دریافت کیجئے کہ آخرش آپ لوگوں نے حنفی عقائد پر حملے کیوں کئے۔ دیکھئے آپ کو کیا جواب ملتا ہے؟ ۶۔ آخر میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر بعض لوگوں نے اپنی تصانیف میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و توہین کی ہے تو سرکار رسالت مآب کی ذات گرامی اتنی ہی بلند ہے کہ ان کی توہین و تنقیص سے پیغمبر اسلام کی عظمت و توقیر میں کوئی فرق نہیں آتا۔

میرے مخلص ناصح! جس طرح آپ نے یہ سوچ لیا کہ حفظ الایمان، تقویۃ الایمان براہین قاطعہ، تحذیر الناس کی کفری عبارات سے وقار نبوت کو ٹھیس نہیں پہنچتی۔ چونکہ ان کی ذات گرامی بہت ہی بلند و بالا ہے تو آپ نے میری تقریر کے بارے میں کیوں نہ یہی سوچ لیا کہ جمعیتہ العلماء بقول آنجناب ملک کی ایک ہمہ گیر بر وقار جماعت ہے۔ لہذا ایک اشتقاق نظامی کی تقریر سے اس کا کیا بگڑ جائے گا۔ افسوس

کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر سنگین حملے کے بجائیں تو آپ بخل تہمت سے کام لیں۔ اور کان پر جوں تک نہ ریگے لیکن جمعیتہ العلماء ہند پر ایک ہلکا پھلکا سا تبصرہ آپ برداشت نہ کر سکے آپ نے تو ایک ایسا دروازہ کھول دیا کہ آج ہر اسلام دشمن کھلے بند اسلام اور پیغمبر اسلام کی توہین کرے اور مسلمان یہ سوچ کر گوارہ کر لیں کہ ہمارا مذہب اور ہمارا پیغمبر اتنا عظیم المرتبت ہے کہ ان کے بیودہ کلمات سے ان کا کچھ نہیں جگمگاتا۔ میری نظر میں تحفظ ناموس رسول کی خاطر ملک میں جتنے بھی ایچی ٹیشن ہوئے ہوں گے ان سب کو آپ نے مذموم اور قبیح سمجھا ہوگا۔

میرے غصہ و فحاح اگر ہو سکے تو کبھی ٹھنڈے دل سے سوچے اور غیر جانبدار ہو کر حالات و واقعات کا مطالعہ کیجئے اور اپنے اس مذاق ایمانی کا جائزہ لیجئے کہ رسول کریم علیہ السلام و الشہداء کے بارے میں آپ برے سے برے اور گندے سے گندے کلمات برداشت کر سکتے ہیں مگر جمعیتہ کے ساتھ غلو محبت کا یہ عالم کہ کوئی معمولی سی بات سننے کو تیار نہیں۔

وضع رہے کہ قبر اور حشر میں یہ جمعیتہ ساتھ نہ دے گی بلکہ وہی مونس و غمخوار ہوئے جس کی وفاداری سے آپ کا قدم پیچھے ہٹ رہا ہے۔

مشتاق احمد نظامی

۳ اکتوبر ۱۹۵۹ء

۱۲۔ انڈیا سنی جمعیتہ العلماء دہلی کا سب سے بڑا کارنامہ ۱۹۶۳ء کی کانپور کی صدر وزہ بین المملکتی کانفرنس ہے جو تاریخ میں اپنا ثانی نہیں رکھتی یہ پہلا موقع تھا کہ پوری دنیائے سنیت ملک کے طول و عرض سے ایک پلیٹ فارم پر مل بیٹھ کر قومی مسائل کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کرنے کو جمع ہو گئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں بے شمار اجتماعات ہوئے لیکن قومی، ملی، سیاسی و سماجی سطح پر جو وسعت مفاد اس کانفرنس میں پایا جاتا تھا۔ یہی اس کی انفرادیت کیلئے

لے پاسان آباد۔ مارچ ۱۹۵۹ء

بس ہے۔ ویسے اس کانفرنس کے روح رواں حضرت پاسبان ملت کے ان الفاظ سے
اس کانفرنس کی بے مثالی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ ۲۔ ۳۔ نومبر ۱۹۶۳ء آل انڈیا سنی جمعیتہ العلماء کا پور کی روزہ
کانفرنس کی مختصر اور جامع رپورٹ اگر مجھ سے دریافت کی جائے
تو میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تقسیم ہند کے بعد اسلامی سطح پر
بھارت کی سرزمین پر اتنی کامیاب کانفرنس نہیں ہوئی جس نے
آل انڈیا سنی جمعیتہ العلماء بمبئی کی نمائندگی پر اپنی آخری مہر لگا دی ہے
ظاہر ہے کہ مالابار، بنگلور، ممبئی، بڑودہ، دھوراجی، احمد آباد اور جستان
اڑیسہ، بنگال، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، اتر پردیش اور بہار وغیرہ سے
آئے والے ہزاروں ڈیلی گیٹس اور پانچ سو سے زائد علماء و مشائخ کرام کے علاوہ
پانچ لاکھ کا مجمع کیا تم تھا، اس مبارک اقدام کے نتیجے میں وقت کے بہت سے
تقاضے پورے کئے گئے مثلاً جگہ جگہ سنی جمعیتہ العلماء کی شاخیں قائم ہوئیں اس
کی ممبر سازی عمل میں لائی گئی، تجاویز پر بحث و مباحثہ کے بعد ان کو عملی جامہ پہنانے
کی سعی بلیغ کی گئی۔ اس جمعیت کے پریس فنڈ اور اخباری اسکیم کو مستحکم کیا گیا۔ اور
اس کی سربراہی میں مدارس، مراکب، انجمنوں اور لائبریریوں کے قیام و تاسیس
کا منصوبہ تیار ہوا۔ مدارس قدیم کو اس تنظیم سے ملحق کرانے کی تجویز پاس کی گئی۔ ملک کے
ایکیشنی مواقع پر مسلمان بالخصوص اہلسنت والجماعت کے دورے کا استعمال اور
رائے دہی سنی جمعیتہ العلماء کے استصواب اور فیصلے پر موقوف رکھا گیا مرکز جج
کیٹی اور پورٹ جج کیٹی سے بیزاری اور عدم اعتماد کی تجاویز بالفاق رائے پاس
کی گئیں۔

اور سلم پرنٹ لاء، جنرل الیکشن، دفاع وطن، خواجہ درگاہ ایکٹ، واکزاری
مقابر و مساجد، سنی مجالس اوقاف، عدم اعتماد جمعیتہ العلماء ہند ممبئی، انسداد

۱۵ ماہنامہ پاسبان نومبر، دسمبر ۶۳ء

فرقہ دارانہ فسادات، بابت اسلام کسی اردو زبان، اسلامی مطالبات، مدارس عالیہ، دینی تعلیمات، خواجہ مشن، جماعتی اتحاد، کتاب شریعت یا جہالت، اکل ہند سنی یونیورسٹی، سنی مسلم وقف بورڈ جیسے ابھرے ہوئے مسائل اور ان میں ہونے والی بدعنوانیوں کے ازالہ کا مرکزی و صوبائی حکومت سے مطالبہ کیا گیا۔

اس کانفرنس کے ہر زاویے پر حضرت خطیب مشرق کے کمال فکر و فن، غیر معمولی کدو کاوش اور جسم سوز و جاں سوز محنتوں نے آپ کی بہت سی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ اور اس میں آپ کے کلیدی رول دیکھ کر سمجھوں نے آپ کی نوع بنوع خوبیوں اور ہمہ گیر و دل گیر شخصیت ہونے کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ مثلاً حضرت مولانا حکیم نفی خاں صاحب ناظم جامعہ عربیہ الزوار العلوم جہین پور کی یہ تحریر

خطیب مشرق علامہ شتاق احمد نظامی کو میں برسوں سے جانتا ہوں اور ان کی چند در چند صلاحیتوں کا معترف ہوں لیکن اس کانفرنس نے ان کی بہت سی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کر دیا۔ شب میں تقریر کرنا اور دن میں بخار کی حالت میں تجاویز مرتب کرنا اور ایجنڈے کی ترتیب دینا وغیرہ وغیرہ انھیں کام تھا۔ سچ جائے ہم لاکھ سے زائد اجتماع پر کنٹرول کرنا کسی اور کے بس کی بات نہ تھی ان کی ایک آواز پر سناٹا چھا جاتا۔ سائے رضا کا حرکت میں آتے۔

۳۱ اکتوبر کو جب دفتر استقبال میں آپ رضا کاروں کے قائد کو ہدایت دے رہے تھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مدتوں رضا کاروں کی قیادت کر چکے ہیں میں یقین رکھتا ہوں کہ علامہ نظامی نے اس کانفرنس میں وہ رول ادا کیا ہے جو صرف انھیں کا حصہ ہے مختلف موڈ پر ان کی حکمت عملی کام آئی اور انھوں نے حسن تدبیر سے ایسی خوشگوار فضا پیدا کر دی کہ جس کا یقین آج نہ سہی کل سمجھی کو کرنا پڑے گا۔ میں علامہ نظامی

کو ایک بہت ہی کامیاب مقرر اور اہل قلم سمجھتا ہوں مگر کانفرنس
میں ان کی گونا گوں صلاحیتوں کو دیکھنے کے بعد اب میں تنہا

ان کو ایک جماعت سمجھتا ہوں۔ لے

یوں ہی خود کانپور کے خوش عقیدہ عوام و خواص اس کانفرنس میں موصوف
کی حسن کارکردگی کے معترف و مداح ہیں اور آج بھی ان کے دلوں میں موصوف کی
یادوں کے نقوش کا بحر بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً مولانا شہباز انور صاحب پرنسپل مدرسہ
احسن المدارس قدیم کانپور، مولانا میکائیل ضیائی صاحب سابق مدیر معاون پانچا
الہ آباد مولانا محمد قاسم حسینی صاحب خطیب جامع مسجد رحمن گنج، الحاج سیٹھ ابراہیم
حشمتی صاحب، وکیل ابن ارشاد احمد صاحب، الحاج ولی محمد صاحب، الحاج
جمیل حسینی صاحب، جناب عبدالجلیل حسینی صاحب، الحاج فتح محمد صاحب،
جناب مرتضیٰ حسین صاحب، جناب شکیل احمد برکاتی صاحب، الحاج قاری
صغیر احمد صاحب وغیرہ وغیرہ۔

الحمد للہ! آج بھی تادم تحریر یہ تنظیم شہزادہ محبوب ملت مولانا منصور
خاں کی سرکردگی میں عروج و ارتقا کی راہ پر گامزن ہے۔ اور قومی و ملی خدمات
انجام دے رہی ہے۔

کل بہت تبلیغ ست کھٹی

اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان
کی آزادی کے بعد کادور مسلمانوں کے لئے کس قدر بحرانی اور حوصلہ شکن ثابت ہوا۔
ایسے ہوش ربا ماحول میں جبکہ ملک کی تمام پرانی جماعتیں عالم سکرات میں تھیں۔ اور قوم
بے سرو سامانی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھی۔ یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ تقسیم ہند کے
بعد ”مسلم لیگ“ نے پاکستان کا رخ اختیار کر لیا۔ اور اس کو ادھر جانا بھی چاہیے

لے پاسبان نومبر دسمبر ۱۹۶۳ء

تھکا رہ گئی "جمعیتہ العلماء ہند دہلی" کی جماعت، سو وہ بھی مسلمانوں کے اڑے وقت کام نہ آسکی اور لکھنؤ کانفرنس میں اپنے غیر سیاسی اور خالص مذہبی جماعت ہونے کا اعلان کر دیا جس سے مسلمانوں کی کچی کچھی امیدوں پر پانی پھیر گیا۔

غرض کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان اقدس میں غیروں کی جانب سے گستاخیاں ہوتی رہیں، مذہبی آثار و نقوش پر حملے ہوتے رہے، مساجد پر قبضہ ہوتا رہا، اردو پامال ہوتی رہی اور اس طرح مسلمان فرقہ پرستوں کے ہاتھ برباد ہوتے رہے، ایسے ناگفتہ بہ حالات میں وقت کی ایک سحر طراز شخصیت جو پہاڑ کی طرح اٹل اور سمندر کی طرح لبریز تھی یعنی حضور مجاہد ملت علامہ محمد حبیب الرحمن اڑیسوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی بے مثال حرکت و عمل سے نہ صرف قوم کے بخت خفہ کو بیدار کرنے کے لئے بلکہ ملک و ملت کی بہت بڑی غفلت اعراف کو توڑنے کے لئے بقول ڈاکٹر اقبال یہ کہتے ہوئے میدان میں کود پڑے:

آجھ کو بستاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمس و سنان اول طاؤس در باب آخر

اور قوم کے حق و انصاف کی جدوجہد کی خاطر اس وقت سرزمین بریلی تشریف پر عرس اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تقریبات میں ملک و ملت کے مشاہیر علماء و مشائخ کی رائے عامہ سے ۱۹۵۵ء میں آل انڈیا تبلیغ سیرت کمیٹی کی داغ بیل ڈال دی جس کے عہدیداران اس طرح منتخب کئے گئے:-

- ۱:- حضرت مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب اڑیسہ صدر و سربراہ اعلیٰ
 - ۲:- مولانا میر شاہ عزیز احمد صاحب ابوالعلائی الہ آباد نائب صدر
 - ۳:- مولانا ابوالوفاء قصیمی غازی پوری جنرل سکریٹری
 - ۴:- مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آباد جوائنٹ سکریٹری
 - ۵:- مولانا حکیم محمد لوئس نظامی الہ آباد ناظم نشر و اشاعت
- باوجودیکہ مصروفیات و مشاغل کے لحاظ سے پاسبان ملت کا حال یکساں

سویماں“ جیسا تھا تقریر و تحریر بحث و مناظرہ اپنی تبلیغی جماعت، کل ہند جمعیتہ العلماء ہند کی مشغولیات ہی کیا کم تھیں۔ لیکن پھر بھی ان کی جرأت و ہمت مغلوب نہیں غالب رہی یہی وجہ تھی کہ ہزار پریشانیوں کے باوجود آل انڈیا تبلیغ سیرت“ کے ذریعہ قومی و ملی سرگرمیوں میں حضور مجاہد ملت کے شانہ بشانہ رہے اور اپنی حسن تدبیر، نوز بصیرت، اور بھرپور توانائیوں کے ساتھ اس تحریک کے داخلی و خارجی مشکلات کا مقابلہ کیا اور اس کے اندرونی و بیرونی طوفانوں سے نبرد آزما ہوئے۔ اور اس کے استحقاق کی سعی و کوشش فرماتے رہے۔ وہ لکھتے ہیں:

میں اپنی پریشانیوں کے باعث تبلیغ سیرت کا کام خاطر خواہ نہ انجام دے سکا۔ مگر میں آپ کو مطمئن کرتا ہوں کہ الہ آباد سے جلد تبلیغ سیرت کا وفد لے کر بمبئی آؤں گا اور اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک تبلیغ سیرت کی بنیاد مضبوط اور مستحکم نہ ہو جائے گی۔ لے

بنارس جمشید پور، کلکتہ، کٹک، دھنداد، پٹنہ، بستی، احمد آباد، گوات کے علاوہ ۷ فروری ۱۹۵۶ء سے لے کر ۸ اپریل ۱۹۵۶ء تک دہلی، اجمیر، شریف کان پور، ناگپور، اعظم گڑھ وغیرہ کی تبلیغ سیرت کی تاریخی کانفرنس اور اجتماعات آج بھی ان سرفروش مجاہدین دین و ملت کے اخلاص و ایثار کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یہ تاریخی حقیقت بھی کسی پر ڈھکی چھپی نہیں کہ جس وقت پاپونیر سوئٹزر بھارت، اخبار لکھنؤ اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں دریدہ دہنی و گستاخی کر کے رکیک چلے کر رہا تھا اس وقت یہی سرفروش شان ملت و وطن تھے جنہوں نے اس اخبار کے خلاف ۸ جنوری ۱۹۵۶ء میں احتجاجی جلسہ کیا۔ اور یوم احترام منایا جس کے نتیجے میں وزیر اعلیٰ ڈاکٹر سپہور ناندھی نے قانون میں ترمیم کی اور اسے ناقابل معافی و ناقابل ضمانت جرم قرار دے کر سزا کا مستحق قرار دیا۔ اور اس طرح ان بیہودگیوں کا سد باب ہوا۔

اس طرح مقطورے ہی دنوں میں اس جماعت نے اپنا ایک امتیازی مقام بنالیا ”ریلیجس لیڈر“ نامی کتاب کے باؤنڈ کرانے میں اور گجرات، میں ”شہدھی تحریک“ کے خلاف نعرہ حق بلند کرنے میں آل انڈیا تبلیغ سیرت نے ایک نمایاں کردار ادا کیا اور ساتھ ہی اردو زبان کو علاقائی زبان تسلیم کرانے اور اس کو اپنا جائز حق دلانے میں یہ جماعت برابر کوشاں رہی

اسی درمیان میں قاضی بل، وقف بل کا مسئلہ پیش آیا تو آل انڈیا تبلیغ سیرت اور آل انڈیا جماعت رضائے مصطفیٰ نے اس معاملے میں اپنی بھرپور طاقت صرف کی حتیٰ کہ دونوں جماعت کے اتحاد و اتفاق سے ملک بھر میں وقف بل اور قاضی بل کے خلاف احتجاجی جلسے ہوئے۔

یوں ہی غیر ملکی سپانے پر بھی یہ تحریک اثر انداز ہوئی۔ مثلاً پاکستان میں مقیم شومہروں کی بیویاں جن کے بہت سے شرعی معاملات الجھے ہوئے تھے مثلاً طلاق، خلع، فسخ سے متعلق وہاں کے ارکان حکومت سے اس جماعت کے عہدیداروں نے ضروری باتیں کیں۔ اور ان کا فقہی حل تلاش کرنے میں مایہ ناز نماندگی کی۔

غرض کہ یہ جو کچھ بھی کارروائیاں ہوتی رہیں ان میں حضرت پاسبان ملت کا عاقبت اندیشانہ مشورہ اور سیاسی بالغ نظری و حکمت عملی ضرور شامل رہی۔

آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ

۱۹۶۰ء کے آس پاس مسلمانوں کی ایسی کا دور اور قوم کی دردناک بے بسی اور ناکام حوصلوں کو دیکھ کر مولانا سید اسرار الحق، سابق ایم۔ پی، مولانا مشتاق احمد نظامی اور مولانا ارشد القادری اور دیگر علمائین و قائدین ملت نے اپنی فکر و بصیرت کی اونچی سطح پر حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ یقین کیا کہ ایک آزاد اور جمہوری ملک میں دستور کے دیئے ہوئے حقوق اور عزت و وقار کے ساتھ زندہ رہنے کے لئے ایک لازمی تقاضا ہے کہ ہمارے جماعتی نظام میں جو خلا ہے اسے پُر کیا جائے اور متحد ہو کر ملت و وطن کی نئی راہیں ہموار کی جائیں۔

چنانچہ اسی یقین کے پس منظر میں ان رہنماؤں نے ۱۱ اگست ۱۹۶۱ء میں جمشید پور کے مرکزی کابینہ کے اجلاس کی خوشگوار شام کو کروڑوں مسلمانوں کی آبرو و مندانہ زندگی کے لئے آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کا ایک جامع اور وسیع دستور مرتب و منظور کیا گیا جو تنظیم مایوسی میں امید کی ایک تابناک کرن ثابت ہوئی۔

اس جماعت نے دینی تعلیم کے فروغ، معاشی خوشحالی، مذہبی روایات کے تحفظ، اردو زبان کا جائز حق، آزاد ہندوستان کی تعمیر و ترقی، مختلف فرقوں کے درمیان امن و امان کے قیام، فرقہ پرستی کے غلط رجحانات کا خاتمہ، مقامات مقدسہ کی حفاظت اور بھارت کی سب سے بڑی اقلیت کے حقوق و مفاد سے دلچسپی لینے میں تاریخ ساز خدمات انجام دیئے۔

کل ہند سنی اوقاف کانفرنس جو جمعیتہ العلماء ہند دہلی کے خاص بانہ جملے کے خلاف واقعات و حقائق کی صحیح رپورٹ سے حکومت کو باخبر کرنے کے لئے دہلی کی سرزمین پر جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان گراؤنڈ میں ظہور پذیر ہوئی۔ وہ آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ ہی کے زیر اہتمام ۱۹۶۱ء میں منعقد کی گئی تھی جسے ہندوستان کی راجدھانی میں تقسیم ہند کے بعد سنیوں کا پہلا کامیاب تاریخی اجلاس تھا۔ یقیناً یہ پاسبان ملت کی متحرک اور فعال ذہنیت کے مظہر ہیں۔ دہلی کی اس کانفرنس نے تو اس جماعت کا سراپا اور پچا کر دیا کہ ہماری تاریخ کا ایک نیا باب کھل گیا۔

یوں ہی جیلپور کے فساد کے موقع پر آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کے اراکین نے تو ایسا جرات مندانہ اقدام کیا کہ جس وقت یہ حضرات بھڑکتے ہوئے انگاروں اور خون کے دھاروں سے کھیل رہے تھے اس وقت جمعیتہ علماء ہند دہلی کے اراکین کی زبان پر گویا فالج گر گیا تھا کہ ایک لفظ کا بیان نہ دے سکے۔

سیاسی حیثیت

چونکہ حضرت خطیب مشرق کی دینی و مذہبی حیثیت
دنیا کی دوسری حیثیتوں پر غالب رہی اس لئے

وہ طبعی طور پر سیاسی میدان میں قدم ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ فرماتے تھے اندیشہ اس کا
ہے کہ عہد ہر کہ درکان نمک رفت نمک شد

سیاسی امور میں فکری توانائی اور بالغ نگاہی کے باوجود سیاست حاضرہ
کو اپنا موضوع نہیں بناتے تھے۔ فرماتے تھے سلامتی اس میں ہے کہ گندی سیاست
سے دامن کو داغدار نہ کیا جائے۔ سیاسی امور سمجھانے والے تو بہت ہیں قوم کی گالیوں
اور کلیجہ پر پتھر کھما کر دین کی حفاظت کر لے والے بھی کچھ ہوئے چاہیں۔ لے
چنانچہ یہی وجہ تھی اگر کبھی یہ حفیر راقم الحروف ان سے گفتگوں باتیں کرتا تو
مجھے ایسا لگتا کہ انہیں سیاسی دنیا سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے۔ گویا علم و ادب کے
سوا کسی ذوق سے آشنا ہی نہیں ہیں الغرض ان کی دکان سخن میں ہر جلس کی چیزیں
دستیاب تھیں لیکن ان کی مجلس آرائی کسی سیاسی ملاوٹ یا سیاسی افسانہ سرائی کے
لئے نہیں تھی بلکہ ع

ازما بجز حکایت مہر و وفا میر سوس

کی تصویر تھی۔

موصوف اپنے دینی و مذہبی معاملات میں کسی سیاسی سمجھوتہ سے قطعاً گریز
فرما کر جگر کی زبان میں صرف اتنا کہتے تھے کہ

ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

البتہ اس سلسلے میں موصوف کی ایک بات مجھے پسند آتی۔ وہ فرماتے ہیں:

”ہمارا مذہب ہی ہماری سیاست ہے“

لیکن چونکہ اس قانون سے موجودہ سیاست میل نہیں کھاتی اس لئے حضرت

لے قہر آسمانی۔

پاسبان ملت نے مذہب و سیاست کو الگ الگ دائروں میں رکھا اور سیاسی میدان میں دوسری راہ اختیار کی یعنی وہ کسی سیاسی کنونشن یا کانفرنس میں شریک نہ ہونا یا نہ ہونا صرف عقیدے اور مسلک کے اتحاد یا عدم اتحاد پر موقوف رکھتے تھے، جو بجائے خود ایک دیانت و عظمت اور ان کے دینی تہذیب کی دلیل ہے۔

چنانچہ ۱۹۴۷ء میں کچھ صلح کل افراد نے بمبئی اور الہ آباد میں "مسلم پرسنل لا" کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں موصوف کی شرکت کے لئے جی توڑ کوشش کی گئی۔ اگرچہ اس کانفرنس میں جزوی طور پر مقصدیت کا اشتراک تھا لیکن آپ نے دعوت نامہ منظور کر دی اور عملاً اشتراک و تعاون آپ نے مناسب نہیں سمجھا کہ مبادا عوام غلط فہمی کا شکار ہو جائیں۔ اور مسلک کا نقصان ہو۔ ایک مقام پر خود اس کی وضاحت فرماتے ہیں :-

”بمبئی اور الہ آباد کے کنونشن میں براہ راست مجھے دعوت دی گئی میں نے اپنی شرکت سے معذرت چاہ لی اور شبیر احمد صاحب ایڈووکیٹ پر میں نے واضح کر دیا کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم نہیں ہونی چاہئے۔ پریس کانفرنس بھی اسی ایجنڈے پر طلب کی گئی اور اپنی تجاویز میں کھلے بندوں میں نے اپنے موقف کا اعلان کر دیا ہے۔ مسئلہ انفرادی نہیں ہے بلکہ جماعتی ہے میں اپنی شرکت سے متعلق اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تا وقتیکہ جماعتی سطح پر اس مسئلہ کو کھنگال نہ لیا جائے البتہ بعض شریکین یہ غلط تاثر دے رہے ہیں کہ میں مسلم پرسنل لا کے اصل موقف کا نفی ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

لیکن سیاسی فیصلہ سے اس قدر کنارہ کشی کا یہ معنی نہیں کہ سیاسی مہروں پر ان کی نگاہ نہیں تھی یا یہ کہ ان پر ملک کے بحرانی و مہنگامی صورت حال کا کوئی رد عمل ظاہر نہ ہوا اور حالات سے منہ موڑ کر جی لیں بلکہ ملکی وقار اور ملی تحفظ کے لئے ملک کے بگڑے ہوئے حالات کا رخ موڑنے میں موصوف ایک خاص وصف کے مالک تھے۔

لے ماہنامہ پاسبان الہ آباد۔ اگست ۱۹۷۳ء

اور اس کا ثبوت متعدد تنظیمی پلیٹ فارم اور دیگر ذرائع ابلاغ سے دیئے گئے
 فکر و بصیرت پر مبنی متعدد بیانات ہیں جن کے ذریعہ قوم کو سلجھا ہوا ذہن دیا اور
 آئینی حقوق کے دائرے میں قوم کے مشکل مسائل کا حل پیش کیا ہے ایفوں نے
 کبھی بھی کسی غیر آئینی احتجاج یا غیر قانونی ایجنیشن کی تائید و حمایت نہیں فرمائی۔
 بلکہ ایک محب وطن کی حیثیت سے ملک کے اصول کے خود پابند ہے اور اس کے
 یقین بھی فرماتے رہے۔ اس سلسلے میں ان کے بیان کا یہ اقتباس شاید عدل ہے
 ہر چند کہ ہمارا ادارہ "الف سے ی تک" غیر سیاسی ہے مگر حقائق یہ
 چشم پوشی کو نہ تو غیر سیاسی کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کے اظہار کو سیاست سے
 تعبیر کرتے ہیں۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ کسی ملک کے وزیر اعظم پر قاتلانہ حملہ
 قابل مذمت ہی کہا جائے گا۔ سیاسی اقتدار کی حیثیت دھوپ چھاؤں کی ہوتی
 ہے اس کے حصول کے لئے آئینی و دستوری اسباب ذرائع پیدا کئے جائیں نہ کہ
 قاتلانہ سازشوں سے ملک کے وقار کو مجروح کیا جائے۔

ہم اخیر میں اتنا ضرور عرض کریں گے کہ بھارتی عوام سیاسی مقاصد کے
 حصول میں غیر جذباتی و آئینی وسائل کو استعمال کریں۔ تاکہ ملکی وقار اور استحکام
 یہ آئینہ آئے۔

موصوف بحیثیت ایک ہندوستانی مسلمان کے مسلمانوں کو ہندوستان
 کا ایک ایسا ناقابل تقسیم عنصر تصور فرماتے تھے جس کے بغیر ہندوستان کی تاریخی
 عظمت ادھوری اور نامکمل ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہماری صدیوں کی ملی جلی
 تاریخ نے ہندوستانی زندگی کے تمام گوشوں کو تعمیر و ترقی کے سامانوں سے بھر دیا
 ہے۔ ہماری زبان، ہماری شاعری، ہمارا ادب، اور دوزمرہ زندگی تمام
 حقیقتیں ہیں۔ جن پر ہماری مشترکہ چھاپ ہے۔ اس لئے اس سر زمین پر ایک
 مسلمان بھی وہی دعویٰ رکھتا ہے جو دعویٰ ایک ہندو کا ہے۔ حضرت پاسبان ملت

۱۔ ماہنامہ پاسبان مئی ۱۹۷۷ء

مندرجہ ذیل جملوں میں شاید اسی تاریخی حقیقت کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں:
 ”ہمیں اپنے ملک میں ملک دوست ہو کے رہنا ہے نہ کہ ملک دشمن چین
 و پاکستان کی جارحانہ سازش کے خلاف ہمیں ایک مشترکہ محاذ بنانا ہے۔ اس کا
 واحد حل یہی ہے کہ بغض و نفرت، عداوت و فرقہ پرستی کے زہریلے جراثیم کو سم دفن
 کر دیں اور ایک صلح اور صمیمیت باشندے کی حیثیت سے ہم ملکی مفاد کا حل تلاش
 کرنے میں سرگرم عمل ہو جائیں۔ مسلمان ایک زندہ، وفا شعار، فرض شناس قوم کا
 نام ہے جس نے اپنے ماضی میں ایک روشن اور تابناک تاریخ چھوڑی ہے۔ اور کسی
 قوم کا ماضی اس کے مستقبل کا آئینہ ہے۔ امیر خسرو، چندربھان برہمن، اور محمد علی
 قطب الدین ہر ایک کی اردو شاعری میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کی ایک طویل
 داستان ہے۔ درد وطن اور قومی اتحاد کے اس مشعل نے ہندوستان کے طول
 و عرض میں اُجالا کیا۔ دہلی لکھنؤ کی محفلیں، دکن اور گجرات کی فصاحتیں جگمگا اٹھی ہیں۔

سیاسی بصیرت: اگر آپ حضرت خطیب مشرق کی سیاسی بصیرت،
 اور اجتماعی انداز فکر سمجھنا چاہتے ہیں تو ۱۹۶۳ء میں منعقدہ کان پور میں آل انڈیا
 سنی جمعیتہ العلماء کی سہ روزہ کانفرنس کا خطبہ، صدارت ملاحظہ فرمائیے جس کی،
 تجاویز کا ایک ایک نقطہ حضرت پاسان ملت کی کاوش فکر و نظر کا نتیجہ ہے۔
 مختصر ان میں سے چند تجاویز ہدیہ ناظرین ہیں:-

- ۱۔ دفاع وطن: ہندوستان کا سنی مسلمان ملک کی سالمیت اور وطن
 کے لئے ہر حملہ کا مقابلہ کرنے اور قربانی دینے میں دریغ نہیں کرے گا۔
- ۲۔ جنرل الیکشن: آنے والے جنرل الیکشنوں میں سنی مسلمان ممالک
 انڈیا سنی جمعیتہ العلماء کیلئے کے فیصلے کے مطابق اپنے ووٹ کا استعمال
 کریں گے۔

ۛ۔ انسداد فرقہ وارانہ فسادات :- یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں کہ ملک کی سالمیت کے لئے بلا تفریق مذہب ملت قومی ایکتا انتہائی ضروری ہے لہذا فرقہ وارانہ فسادات کے لئے حکومت موثر تدابیر اختیار کرے۔ جو مسلمانوں کی عزت و آبرو، جان و مال کے تحفظ کی اطمینان بخش ضمانت ہو۔

ۛ۔ مسلم یوسنل لا :- میں کسی دور میں کسی نوعیت کی کسی راہ سے ترمیم و تفسیح یا نام نہاد اسلامی اقدام ہمارے لئے قطعاً ناقابل برداشت ہے۔

ۛ۔ آرک و : بھارت کے کروڑوں باشندوں کی مشترکہ زبان ہے۔ اردو کو اس کا حق دیے میں پنڈت جواہر لال نہرو کے تاثرات کو علمی جامعہ پتنا کر اپنی فرض شناسی کا ثبوت دے۔

ۛ۔ بابت اسلام کشی : ملک کے اسکولوں اور کالجوں کے نصاب تعلیم سے بعض اسلام کش کتابوں کو خارج کی جائے۔ ورنہ یہ اجلاس اسے مداخلت فی الدین تصور کرتا ہے جو سیکولر حکومت کی پستیابی پر بدنما داغ ہے۔

ۛ۔ سنی مسلم وقف بورڈ : سنی جمعیت العلماء کا یہ عظیم الشان اجلاس سنی سینٹرل بورڈ آف یو۔ پی کے دفعہ ۷۰ کے خلاف پر زور احتجاج کرتا ہے کہ حکومت اتر پردیش اس دفعہ کو ایکٹ سے خارج کرے۔

ۛ۔ خواجہ درگاہ کا ایکٹ : وقف ایکٹ درگاہ خواجہ سے جمعیت العلماء ہند دہلی کے نامزدگی کا طریقہ ختم کیا جائے اور ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جائے جن کی تصدیق آل انڈیا سنی جمعیت العلماء کر چکی ہے۔

ۛ۔ جج کمیٹی : یہ اجلاس حکومت ہند سے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ مرکزی جج کمیٹی و رپورٹ کمیٹی میں صرف صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کو نامزد کیا جائے اور ایسے لوگ اس کمیٹی میں شامل نہ کئے جائیں۔ جو مشاہد مقدس بزرگان دین کو حرام و بدعت تصور کرتے ہیں۔

واگذاری مساجد و مقابر :

مسلمانوں کی حملہ مساجد و مقابر غیروں کی گرفت سے نکال کر جائز
حق داروں کو فوراً منتقل کیا جائے۔ لہ

آل کرناٹک تنظیم عظیم مصطفیٰ

موڈگیرہ، کرناٹک کی سرزمین پر مسلک اہلسنت کے مخالفین کی ریشہ
دوانیوں کو دیکھتے ہوئے حضرت پاسبان ملت نے ”شیموگہ کانفرنس“ طلب
کی اور اس میں صوبائی و ریاستی مسائل کو مقدم رکھتے ہوئے آپ نے علماء و مشائخ
اور ائمہ مساجد سے اپیل کی کہ یہاں آل کرناٹک ایک مذہبی تنظیم قائم کی جائے۔
چنانچہ وہاں کے بیدار مغز اور ہوش مند مسلمانوں نے اس ضرورت کو سمجھا اور
اس کی پیش رفت کی۔ آخر کار ۹ جولائی ۱۹۸۳ء کو آل کرناٹک تنظیم عظیم
مصطفیٰ قائم فرمادیا اور جناب عطاء المصطفیٰ صاحب کو اس کا سکریٹری
منتخب کیا گیا۔ پاسبان ملت نے پاسبان و تاجدار کے صفحات پر اس تنظیم کی
تشہیر و ترجمانی کا حق ادا کیا۔ اور فیصلہ کن اجتماعات کے ذریعہ عظیم حرمت
کی۔

ادارہ شرعیہ کی اس ادارے کا قیام و وجود بھی آپ کی جماعتی جدوجہد
کا ایک عظیم کارنامہ اور قابل قدر یادگار ہے دراصل
حضرت سید العلماء مولانا سید آل مصطفیٰ علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال کے
بعد پاسبان ملت نے یہ محسوس کیا کہ مہاراشٹر، کرناٹک، اور گجرات کے علاقے
میں دور دور تک مسلمانوں کے مذہبی مسائل مثلاً نکاح، طلاق، خلع، فسخ، وراثت
مفقود الخیر، اوقات اور حقوق اللہ و حقوق العباد سے متعلق معلومات فراہم کرنے
کے لئے رستی کا کوئی مرکزی دارالقضا نہیں۔ جہاں سے ہماری جماعت کا رابطہ

لہ پاسبان نمبر، دسمبر ۱۹۶۳ء

استوار ہو سکے جس کے باعث بہت سے لوگ غیر شرعی اور جہالت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

اسی بنیادی تصور کے تحت تمام پیشوایان ملت اور ائمہ مساجد کی موجودگی میں ۱۴ نومبر ۱۹۸۲ء کے مبارک مسعود دن کو مدینہ منورہ میں قلعہ دارالاسلام طبری کے لیے اسی حجرہ مبارکہ میں جو جناب سیٹھ محسن خاں ٹرسٹی مدینہ منورہ نے آپ کے قیام کے لئے دیا تھا سنی تبلیغی جماعت کے نام دیا تھا اور اسی جماعت کے زیر اہتمام ”ادارہ شرعیہ“ بھی قائم عمل میں آیا تاکہ یہ ادارہ مسلمانوں کو نظام شریعت سے آشنا کرے اور ان کی عملی زندگی کو شرعی ڈھانچے میں ڈھال کر دین کی عظیم خدمت انجام دے سکے اور قوانین اسلام کا ایسا امین و محافظ رہے کہ اختیار کی دست اندازی سے محفوظ رہ سکے۔ آپ کی یہی وہ مخدصانہ کارگزاریاں ہیں جن سے آپ کے جماعتی ذہن و فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔

فقیر عصر نائب مفتی اعظم ہند علامہ مفتی شریف الحق امجدی صدر دارالافتاء الجامعۃ الاشرفیہ (مجزوہ عربیہ یونیورسٹی) نے جناب سیٹھ محمد داؤد صاحب کے سوال پر مسئلہ حیات النبی پر سب سے پہلا فتویٰ دے کر افتتاح فرمایا جسے ادارہ شرعیہ کے جسٹس بر قلم بند کیا گیا۔ حضرت مولانا سید عبدالحق قادری چشتی نے اس کی تلقین کشتائی فرمائی اور حضرت پاسبان ملت نے اس دارالقضا کو ہمارا شرف کرنا ملک بکرات کا نمائندہ بنا کر دینی فریضہ ادا کیا۔ ایک عرصہ تک مولانا عبدالحق کوثر نظامی فاضل دارالعلوم غریب نواز الہ آباد اس ادارہ کے معتمد اور ناقل فتویٰ رہے اور ان دنوں حضرت مولانا اشرف رضا قادری مصباحی اس ادارہ کے قاضی شریعت ہیں۔ اور اپنی فقہ و درایت سے دین و ملت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

بڑی نا حق شناسی ہوگی اگر اس موقع سے جناب سیٹھ محسن خاں جناب الحاج سیٹھ سلطان اختر رضوی اور جناب سیٹھ داؤد کی لٹہیت اور علم دوستی کا تذکرہ نہ کیا جائے جنہوں نے اس ادارہ کے فروغ و ارتقاء اور دارالعلوم امام احمد رضا

سنی تبلیغی جماعت کی ترویج و اشاعت میں گراں قدر قربانی پیش کی۔ یہ حضرات ہمیشہ ہی پاسبان ملت کے رفقاء کا ثابت ہوئے جن کا ذکر موصوف اکثر اپنی تحریر و تقریر میں فرمایا کرتے تھے۔ یہ تمام حضرات دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے ہی خواہوں میں سر فہرست ہیں۔

ادارہ شرعیہ مدینہ وقت کی ایک اہم ضرورت کے تحت سواد اعظم سے منظور شدہ قوانین شریعت کا یہ محافظ ادارہ علامہ ارشد القادری کی بلند پایہ فکر و تدبیر کے علاوہ حضرت پاسبان ملت کی بے مثال سرپرستی و قیادت کا ثمرہ ہے علامہ حسن رضا خاں فی ایچ، ڈی، کے علاوہ حضرت ضیا جاوی صاحب کے علمی اشتراک و تعاون کی قربانی بھی ناقابل فراموش ہے۔

مدارس عربیہ

قیام و تاسیس و قیادت و سرپرستی

جامعہ ٹیپو۔ سرنگا پٹنم۔ کرناٹک

بنگلور اور میسور کے پروگرام پہ جب پاسبان ملت تشریف لے گئے تو آپ کا معمول یہ تھا کہ جس جگہ تشریف لے جاتے وہاں اگر کوئی مزار ہو تا تو اس پہ حاضری ضرور دیتے۔ چنانچہ شہید وطن و شہید وفا حضرت سلطان ٹیپو علیہ الرحمۃ کے مزار پہ معمول کے مطابق آپ حاضر ہوئے۔ وہاں کی مسجد اعلیٰ میں آپ نے نماز مغرب ادا فرمائی اور ٹھیک اسی کے کنائے کنائے کئی کمرے بسے ہوئے دیکھ کر آپ نے وہاں کی تنظیم کے اراکین جناب عبدالستار سید مشتاق صاحب، سید مجیب اللہ صاحب عزیز پاشا، سنی مشتاق صاحب اور دیگر احباب اہلسنت سے فرمایا کہ ان کمروں میں دارالعلوم اور دینی درس گاہ

قائم کی جائے۔ حضرت کے حکم کے مطابق جملہ اراکین حرکت میں آگئے اور پھر جنوری ۱۹۶۲ء کی مبارک تاریخ "جامعہ ٹیپو" کے افتتاح کا دن ثابت ہوا۔ جنہیں موصوف کے علاوہ حضرت مولانا حامد حسن، مولانا احمد حسن، اور مولانا منصور علی خاں اور دیگر علماء و مشائخ بھی شریک تھے۔ یہ ادارہ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کی ملحقہ شاخ ہے۔

دارالعلوم اہلسنت غوثیہ مہلی کرناٹک

یہ دینی تعلیمی درسگاہ موصوف کے کامیاب تبلیغی دورہ کا ثمرہ ہے۔ یہ درسگاہ آج علاقائی اعتبار سے مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک عرصہ تک اس کی اپنی ذاتی عمارت نہیں تھی بلکہ کرائے پر چل رہی تھی لیکن جب حضرت موصوف مہلی پر وگرام پر تشریف لے گئے تو یہ جان کر آپ کو بڑا قلق ہوا۔ اور بڑے افسوس کا اظہار فرمایا۔ اور اس کی ذاتی عمارت کی تحریک کا آغاز فرمادیا۔ کئی بار میٹنگ کی اور انتہائی محنت و مشقت جھیلنے کے بعد اپنے دامن پھیلا کر تقریباً سو لاکھ کی خطیر رقم چندہ فرمایا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ اس ادارے کے لئے آپ نے دارالعلوم غریب نواز الہ آباد سے بھی زیادہ قربانی دی ہے اور پھر ۸ جون ۱۹۶۲ء کو منڈگور کی عالیشان مسجد کا افتتاح کرنے کے بعد ۹ جون ۱۹۶۲ء کو دارالعلوم اہلسنت غوثیہ مہلی کی نئی ذاتی عمارت کے لئے سنگ بنیاد کی رسم ادا فرمائی۔ اور اسے دارالعلوم غریب نواز کی شاخ قرار دیا۔

دارالعلوم قادریہ قادری مسجد شیموگہ

قادری مسجد کا قیام و تاسیس اور اس کا افتتاح ۲۵ مئی ۱۹۸۲ء کو آپ ہی کے دست اقدس سے ہوا۔ اور اسی میں مدرسہ قادریہ بھی قائم فرمایا جو دارالعلوم غریب نواز سے ملحق کیا گیا۔ ان دونوں کی تعمیر و ترقی میں حضرت پاسبان ملت کے

کے علاوہ الحاج غوث پیر، اور جناب حیات پیر کی خدمات کا بہترین حصہ ہے۔

دارالعلوم گلشنِ مدنیہ، کپڑونج، پنج محل

۶ جنوری ۱۹۸۱ء کو کپڑونج ضلع پنج محل کی شہید اعظم کانفرنس میں علامہ نظامی نے اس مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ تقریباً لاکھ کی یہ عمارت اہلسنت کا مرکز بن سکتی ہے مولانا ریحان گلشن آبادی کو اس ادارے کا ناظم اعلیٰ منتخب فرمایا۔ اور علامہ کو سرپرستی کی ذمہ داری کے علاوہ دستور سازی و قیادت کا سارا بوجھ سپرد کیا گیا۔

مدرسہ اعلیٰ حضرت نیا پورہ بڑودہ گجرات

صوبہ گجرات نے ضلع بڑودہ کے خوش عقیدہ مسلمانوں کی خواہش اور پیہم اصرار و پیش کش پر آپ نے ۱۹۷۸ء میں اس مدرسہ کی تاسیس فرمائی جس میں متعدد علماء و مشائخ بھی موجود تھے۔ اوریوں ہی مدرسہ غوثیہ، یتیم خانہ ریوا، ایم پی جو مجاہد اسلام بابا عبد العزیز اور مولانا عبد الرزاق صاحب کے اہتمام و انتظام کے تحت مشن بہ رواں دواں ہے۔ دارالعلوم شاہ جماعت، ہاسن کزنٹک جو فاضل گرامی مولانا شریف الرحمن رونق مظفر پوری کے تعلیمی انتظام اور اراکین کی سرکردگی میں روبہ ترقی ہے۔ مدرسہ گلشن جمیر بہر یا ضلع الہ آباد جہاں کے صدر المدرسین مولانا نیاز احمد صاحب فاضل دارالعلوم غریب نواز اس ادارہ کے فروغ کے لئے اپنی بھرپور توانائی صرف کر رہے ہیں۔

مدرسہ عربیہ تعلیم الاسلام پھول پور الہ آباد، جناب وکیل صاحب مولانا

صاحب فاضل دارالعلوم غریب نواز

ابوالکلام

کے آپسی اتحاد و تعاون اور اشتراک عمل سے الحمد للہ یہ ادارہ آج بھی عروج و ارتقا کی منزلیں طے کر رہا ہے۔

دارالعلوم امام احمد رضا ہنس روڈ۔ بھائی کلمہ بلی

دارالعلوم غوثیہ نظامیہ شیوپور گورکھپور۔ بھاگل پور۔
 دارالعلوم شاہ جنگی پیر۔ منڈگور۔ بھاگل پور
 مدرسہ عربیہ دستگیرہ۔ منڈگور
 مدرسہ غریب نواز۔ گنتگل۔ اندھرا پردیش
 مدرسہ اسلامیہ عربیہ۔ روٹھان۔ بنارس
 مدرسہ ضیاء الاسلام۔ بھونڈی۔
 مدرسہ مدینۃ العلم مجددوسی۔ بنارس
 یہ ملک و ملت کی وہ درسگاہیں ہیں جن کے قیام و تاسیس اور قیادت
 و سرپرستی میں حضرت پاسبان ملت نے مرکزی و کلیدی کردار ادا کئے ہیں۔ یہ
 ان کی ایک نامکمل فہرست ہے۔
 واضح رہے یہ ادارے دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کی مرکزی درسگاہ
 سے ملحق اور اس کی شاخ بھی ہیں۔ پاسبان ملت کے ان جماعتی و تنظیمی کارہائیاں
 کے تجزیہ سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قوم و ملت کے تحفظ و بقا اور اس پر چھائی
 ہوئی نحوستوں کے خاتمہ کے لئے موصوف کی شخصیت نسخۂ کیمیا ثابت ہوئی۔
 بڑھی ہوئی ترقی و ترقی زوال پیہم کی
 ترے ظہور سے تقدیر قوم کی چمکی،

لمحکماۃ

علامہ نظامی کی جماعتی خدمات اور ان کی علمی کاوشوں اور ناقابل تسخیر
 امنگوں کے ذکر کے بعد معاً یہ احساس دامن گیر ہوتا ہے کہ اتحاد عمل کی راہ میں
 بھلا اب کون ہوگا جو اپنے فکر و فن کے گوہر لٹائے گا۔ اور اپنی زبان فیض اثر
 اور قلم شمشیر براں سے باطل کے قلعے فتح کرے گا۔ بظاہر تو محمد علی جوہر کی زبان میں

یہی محسوس ہو رہا ہے : یہ حالت ہو گئی ہے ایک ساتی کے نہ ہونے سے

یہ حالت ہو گئی ہے اور میخانہ خالی ہے
ختم کے خم بھرے ہیں اور میخانہ خالی ہے
لیکن بقول جناب خورشید جان قریشی، شری نگر کشمیر حقیقت یہ ہے کہ
آج بھی علمائے اہلسنت میں علامہ نظامی کے نقش قدم پر چلنے والے نہ جلتے کتنے بکھر
ہوئے موتی اور ہرے موجود ہیں جو واقعی حضرت کے کارناموں اور سپرد کردہ امانتوں
کی حفاظت اور ملی قیادت کے اہل ہیں۔ ضرورت صرف انھیں متحد اور مجتمع ہونے
کی ہے۔ ۱۷

لہذا اے دین و سنیت کے پاسبانو! کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت علامہ
نے ملی و قومی میدانوں میں جن قابل قدر جذبات اور حوصلوں کی قربانی دی ہے۔
ہم ان جذبات کی ترنگ اور سوز و ساز کے صحیح وارث و امین ہیں؟ اور کیا حضرت
کی پس ماندہ یادگاروں کے نصب العین اور تقاضے پر خلوص دھڑکنوں کے ساتھ
ہمیں آواز نہیں دے رہے ہیں؟

آخر ہمارے درمیان حقیقت و معنی کی کون سی خلیج حائل ہے؟ جبکہ یہ
حقیقت ہے کہ ہم سب کا مقام و منصب ایک ہی مقصد کے گرد گردش کر رہا ہے
اور وہ ہے تحفظ ناموس و توحید و رسالت اور اپنے اسلاف کی امانتوں کا پاس لحاظ!
پھر کیا وجہ ہے کہ ہماری جماعت کے متفرق حضرات اور مختلف گروہ کسی مشترک
مرکز عمل پر جمع نہیں ہو سکتے؟

کیا ہم قادری، برکاتی، اشرفی، مصباحی، رضوی، حشمتی، امجدی، حق
کی برتری کے لئے باطل کے خلاف ایک میدان عمل میں صف آرا نہیں ہو سکتے؟
یہ تمام جماعتیں تنظیمیں آپ تمامی پیشواؤں اور مخلصوں کو اپنی زبان حال
سے دعوت فکر و عمل دے رہے ہیں۔ کہ آج ضرورت ہے کہ حق کی فیروزمندی اور
باطل کی شکست و تذلیل کے لئے جملہ فرزندان اہلسنت مشرق و مغرب سے آکر یک

نقطہ پر سمٹ آئیں۔

اس لئے آئیے ہم اپنے اسلاف کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے
 آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت، آل انڈیا تبلیغ سیرت کمیٹی، اکل ہند سنی جمعیتہ العلماء ہند،
 آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ، اور دیگر تحریکوں کی تجدید و احیا کی فکر کریں اور باسان
 ملت کے ملفوظات و پیغامات کو مشعل راہ بنا کر والہانہ شیفٹنگ کے ساتھ ایک جگہ
 جمع ہو جائیں اور باطل پرستوں کی مغرور دنیا کو اس حقیقت کا یقین دلادیں کہ
 ہزاروں علاقوں، سیکڑوں خانوادوں، اور متعدد حلقوں میں بکھرے ہوئے کروڑوں
 سنی وقت کی پکار پر ہر شار دیوانوں کی طرح ایک صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔
 خدا را غیر توں کا یتور بد لئے اٹھئے اور اپنے بھرپور جذبات کے ساتھ

ان تنظیموں، مناظرہ و مباحثہ، اور تحریر و تقریر کے ذریعہ مخالفین کے دامن
 فریب کی دھجیاں اڑا کر اپنے اسلاف کی یاد تازہ کیجئے اور ان کی روح پر فتوح
 کے ایصالِ ثواب کا سامان کیجئے۔

قابلِ مبارکباد اور لائقِ تحسین ہیں مولانا ظہور احمد صاحب اشرفی،
 باسنی، مولانا ظہیر الدین صاحب رضوی خلیفہ حضور ازہری میاں قبلہ جامعہ قادریہ
 بنکاپور کرناٹک کی ایثار پسندی اور ہمارے دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے فراغ
 شدہ کچھ ابنائے قدیم مثلاً مولانا مفتی ولی محمد صاحب باسنی مفتی راجستھان، مولانا
 شہباز انور صاحب پرنسپل احسن المدارس قدیم کانپور، صوفی ملت مولانا صوفی
 افتخار احمد قادری خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ نوری نگر ضلع الہ آباد۔
 حضرت مولانا سید آل رسول صاحب حبیبی اڑیسہ، احسن الخطاط مولانا عبد المنان صاحب
 برکاتی گونڈوی مقیم حال الہ آباد، مولانا حافظ وقاری صوفی کمال الدین صاحب
 برٹی پرتاب گڈھ، مولانا عبدالمقدر رھاں صاحب ناظم اعلیٰ مدرسہ ضیائے مصطفیٰ
 جالے در بھنگہ، مولانا منظر الحق حشمتی بانی و مہتمم الجامعۃ الرضائیہ پجولی بارہ بنکی،
 مولانا شریف الرحمن صاحب رونق مظفر پوری، شیخ الحدیث دارالعلوم شاہ عت

ہاسن کرناٹک، مولانا عبدالرزاق ناظم اعلیٰ مدرسہ غوثیہ ریوا۔ ایم پی۔ مولانا عبدالحق
 صاحب خطیب نوری مسجد ساکی ناکہ ممبئی۔ مولانا نیاز احمد صاحب صدر المدرسین
 مدرسہ گلشن جمیر بہرہ آباد، مولانا ابوالکلام
 تعلیم الاسلام پھول پور الہ آباد، مولانا مصلح الدین صاحب ماہر الفتادری دارالعلوم
 بازار شہب، کنڈہ پرتاپ گڈھ، مولانا حافظ وقاری ہارون صاحب، دارالعلوم
 غریب نواز الہ آباد۔ یہ وہ حضرات ہیں جو حضرت کے لگائے ہوئے پودے،
 ”سستی تبلیغی جماعت“ کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ اور حضرت کے کارناموں
 کی آبیاری کی نیک خواہشات رکھتے ہیں اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں باطل کی
 سرکوبی کر کے دین و سنیت کی اشاعت کر رہے ہیں۔

راقم الحروف قوم و ملت کے ان پاسپالوں سے اپنی دلی تمناؤں اور
 نیک آرزوؤں کے ساتھ یہ امید کرتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کے مشن اور اس کے
 نصب العین کے لئے کشادہ دلی کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں گے۔ اور ساتھ ہی
 اپنے مادر علمی دارالعلوم غریب نواز الہ آباد جو حضرت کی سب سے عظیم یادگار ہے۔
 اپنی مخصوص دعاؤں میں اسے یاد رکھیں گے۔

جہاں کی وسعتوں پر فتح پانا اب بھی ممکن ہے
 خیالوں میں جو ہمت ہو وہ ہمت چاہئے دل میں

بلکہ علامہ نے جن کاموں کی ابتدا کی تھی انھیں تکمیل تک پہنچانے کے لئے
 میں وہی کہوں گا جو کسی شاعر نے کہا ہے یہ

اس کے ہاتھوں سے ہوئی تھی اب ترا جس کام کی
 اب ضرورت ہے جوش و خروش عسا م کی
 آؤ مل کر اس ادھورے کام کو پورا کریں
 جانے والے کی فضیلت کا علم اونچا کریں



اِختِتامِ سَیِّد

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام دے ساقی

بیعت و خلافت ————— ❁

کہسارِ حوادرث ————— ❁

علامت و وفات ————— ❁

کیفیتِ بعدِ وصال ————— ❁



بیعت خلافت

۱۴ ربیع الآخر ۱۳۰۰ء کو جب آپ رام پور

کے تقریری دورے پہ روانہ ہوئے تو معمول کے مطابق سفر کے دوران بریلی تریف
حاضر ہو کر وہاں کے مزارات مقدسہ پہ حاضری دینے کے بعد شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور
مفتی اعظم ہند علیہا الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں نیاز حاصل کرنے کے لئے
حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کو بیعت و خلافت کا شرف بخشا۔ سلسلہ عالیہ قادریہ
رضویہ وغیرہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔ اس سے
کچھ ہی دنوں قبل حضور مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمن علیہ الرحمۃ والرضوان
دلائل الخیرات کی اجازت مل چکی تھی۔

دین و ملت کے فروغ و استحکام اور ناموس سنت کے تحفظ کی کوئی ایسی
ممکنہ صورت نہیں تھی جس کے ذریعہ خطیب مشرق نے قوم و ملت کا خادمانہ حق ادا
نہ کیا ہو۔ اور رسول کے عشق و عقیدت کی شمعیں نہ جلائی ہوں۔ چنانچہ یہ بیعت
و خلافت بھی دین و سنیت کی تبلیغ و اشاعت کا محکم ذریعہ ہے اور سنت اسلاف
بھی یہی وجہ ہے کہ خطیب مشرق نے اپنی زندگی کی آخری دہائی میں اس میدان
میں بھی قدم رکھا۔ اور رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیئے۔ اگرچہ اس طرف
آپ نے کچھ تاخیر سے توجہ فرمائی اور مصروفیات کے باعث پیری مریدی اور تعویذ
نویسی سے اس قدر شغف نہیں تھا۔ جتنا کہ دیگر تبلیغی امور سے، لیکن دنیا نے جب
دیکھا کہ دین کے اس مبلغ اور عالم بے نفس کے علم و آگہی کی روشنی، نگاہ پر کیف
کی حیا، قلب میں عشق رسول کی پیش، مزاج و طبیعت کی پاکبازی، طرز تکلم کی دلنوازی
اور پیشانی پہ اخلاص و وفا کی چمکتی لکیریں ہزاروں طالبان حق کو صراط مستقیم پر
گامزن کر رہی ہیں اور دلوں میں سمع ایمانی فروزاں کر رہی ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ایسی
باغ و بہار شخصیت سے متاثر ہونا ایک طبعی تقاضا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خلق خدا
آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہونے کے لئے ٹوٹی بڑتی تھی۔ آپ کا دستور یہ تھا

کہ جب کوئی آپ کے دست حق پرست پر سلسلے سے وابستہ ہونا چاہتا تو اولاً تو اسے
آپ ملنے کی کوشش فرماتے اور اپنے پیرومرشد حضور مفتی اعظم ہند اور حضور مجاہد
یا ماہرہ شریف حاضر ہونے کی ہدایت فرماتے۔ چنانچہ بھساول جہاں آپ کے
مریدین و متوسلین کا وسیع حلقہ ہے۔ یہاں کے جناب محمد اسماعیل خاں اپنے تعزیتی
مکتوب میں لکھتے ہیں :-

یہ وہ ذات تھی جن کے ذریعہ اس گمراہ کن ماحول میں ہم لوگوں کو صراطِ مستقیم
حاصل ہوئی۔ یہ ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ ہم حضرت کے خاص الخاص لوگوں
میں شمار ہوئے۔ حضرت کا وہ احسان عظیم تو میں بھول نہیں سکتا کہ جب میں نے
سلسلے میں داخل ہونے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فوراً حضور مفتی اعظم ہند کے
درکار راستہ دکھایا۔

لیکن جب لوگوں کا اصرار بڑھ جاتا تو ایسے لوگوں کے لئے آپ اصلاح
و توجہ کا دروازہ بند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ انھیں داخل سلسلہ کر کے اپنے اورد
و وظائف کی تعلیم و ارشاد سے نوازتے تھے۔

اس سلسلے میں حضرت علامہ انوار احمد نظامی ناظم اعلیٰ دارالعلوم غریب نواز
کی چند معلوماتی سطریں ملاحظہ فرمائیے وہ لکھتے ہیں :

علامہ نظامی خدمتِ خلق کے تحت حسب ضرورت تعویذات لکھ بھی
دیتے تھے۔ بیت الانوار گیوال بیگم کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا صوفی شاہ
عین الہدیٰ علیہ الرحمۃ نے ایک چلہ کیا تھا۔ چلہ ختم ہونے پر ایک جن نے آپ کے
ایک نقش تفویض کی تھی جو جملہ امور میں مجرب و آزمودہ ہے۔ اس خانقاہ سے
علامہ کو اس نقش کی اجازت حاصل تھی۔

یہ نقش آپ جسے بھی دیتے علی العموم کارگر ثابت ہوتا لیکن وہ فرماتے
ہیں کہ تعویذ لکھنے والوں کے مزاج میں تعیش اور آرام پسندی آجاتی ہے الا اشار
اللہ خدا اپنے محبوب بندوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ اگر میں تعویذ میں لگ گیا

توجہ بالقلم وجہاد باللسان سے محروم ہو جاؤ گے گا۔ تعویذ میں تو شخص واحد کا فائدہ ہے لیکن تقریر اور تصنیف سے لاکھوں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ علامہ اپنے معمولات کی حتی الوسع پابندی فرماتے۔ رمضان کا روزہ سفر کی حالت میں بھی ترک نہیں فرماتے۔ اور بعد نماز مغرب اپنے اوراد و وظائف کی پابندی فرماتے تھے۔ لے

بقول حافظ لعل محمد صاحب قادری حضرت خطیب مشرق کے دست حق پرست پر چھ ہزار سے زائد افراد داخل سلسلہ ہوئے۔ گجرات، راجستھان، کرناٹک، مہاراشٹر، اورایم پی میں آپ کے مریدین و متوسلین کا حلقہ زیادہ وسیع ہے۔

جیسا کہ ناظرین نے سابقہ صفحات پہ دیکھا کہ علما کی کثرت ایک انار سو بیمار کی طرح تھی۔ دین و ملت کے جس محاذ پہ دیکھے حریفوں کو شکست دے رہے ہیں۔ مناظرہ، اور احقاق حق میں دیکھے تو ایک لائق حج کا کردار ادا کر رہے ہیں ایک فلک قار خطیب کی حیثیت سے دیکھے تو تبلیغ کے نام پر فراڈ کرنے والے اور دین کا بیوپار کرنے والے چہروں کو بے نقاب کر رہے ہیں صحافت میں دیکھے تو قلم پہ بے محابا قدرت اور رنگارنگ طرز تحریر سے اردو ادب میں گراں قدر اضافہ فرما رہے ہیں جماعت میں دیکھے تو ایک بلند نگاہ مفکر کی حیثیت سے ارباب علم و دانش سے اصابت فکر و نظر کی داد حاصل کر رہے ہیں، عشق رسول کا خمار دیکھے تو ان پر اس طرح مسلط ہے کہ جن کے دامن ناز کو پالنے کے لئے اپنا گریبان وحشت چاک کر رہے ہیں۔ دین و مسلک اور رشد و ہدایت کا جذبہ دیکھے تو اس قدر شدید ہے کہ تمام اقدار حیات کو مسلمان بنا دینا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے شب و روز والہانہ دوڑ رہے ہیں۔ اس ننگ و تاز میں قدم قدم پہ حادثات کا

لے قہر آسمانی۔

کھسار افسوس گھیر رہا ہے، دشواریاں حائل ہو رہی ہیں اور ہمت شکن آزمائشوں سے گزر رہے ہیں۔ کانٹوں کی سیج پر چل رہے ہیں یہ کانٹے کبھی دامن سے الجھ رہے ہیں کبھی تلواروں میں چب رہے ہیں لیکن اطاعت خداوندی، عشق رسول، اور جماعتی تقاضوں کی لگن ان کے پہلوئے دل میں اس طرح تنسلکہ مچاتی رہی کہ نہ تو انھیں دامن تارتار کی جبریلینے دیا نہ زخمی تلواروں کا احساس ہونے دیا اور جب تک ان کی رگوں میں خون زندگی رواں دواں رہا یہی کہتے ہوئے اپنے نصیبِ العین کی جانب جادہ پیمائی کرتے رہے :-

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

غرض کہ راقم الحروف اپنی خوش عقیدگی کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کے کمالات و مساعی جمیلہ کی حقیقت پر بلا مبالغہ یہ کہہ سکتا ہے کہ خطیب مشرق کی زندگی حرکت و اضطراب کے تسلسل کا نام ہے جس کے اندر بلند سے بلند تر ہونے کی سعی ہمیشہ جاتی رہی وہ اونچی سے اونچی بلندی پر پہنچ کر کبھی رکتا نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ سکون و ٹھہراؤ ہی کو وہ موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا زندگی ایک دریا کی موج کی طرح ہے وہ جب تک مضطرب ہے زندہ ہے۔ جوں ہی آسودہ ہوتی معدوم ہو گئی۔ :-

موجیم کہ آسودگی ما عدم ما ست
ما زندہ از نیم کہ آرام نیگریم

حضرت علامہ کے یہ چند جملے میری ان باتوں کی مزید تائید و توثیق کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :-

میری زندگی آرام و مصائب سے اس طرح چکنا چور ہے کہ ہر کروٹ اضطراب اور ہر سانس کراہ ہے میری شبِ غم کو روشن چراغ تو درکنار جگنوؤں کا بھی سہارا نہ ملا۔ ہر صبح درد و کرب، ہر شام شامِ غم، اس طرح زندگی کا ایک طویل

سفر ہم نے طے کیا۔ لیکن ہمارے نہ ٹھکنے والے بازو ہماری ہمت کو شکستہ نہیں
ہونے دیتے۔ میں نامساعد حالات میں مایوس ہونے کا قائل نہیں جہدِ میم ہی
کا دوسرا نام زندگی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو گویا چلتا پھرتا انسان بھی ایک
جنازہ ہے۔ لے

دنیا کے بے شمار اہل دل و اہل نظر نے دیکھا ہے کہ زندگی کی مقصد پابی
اور عشق و وفا کی راہ میں انھوں نے کتنی قربانیاں دی ہیں اور نہ جلنے والے نانو سگوار
حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ چنانچہ اس کی چند مثالیں ہدیہ ناظرین ہیں۔
ولن ضلع بڑودہ کے تاریخی دورہ پر روانہ ہونے سے قبل جناب حافظ
عبد الحفیظ صاحب سینٹا پوری نے عرض کیا حضور ولن جلنے سے پہلے یہ سن لیجئے
کہ یہ بہت ہی خطرناک ہے۔ تو آپ نے فرمایا حافظ صاحب! میں ایسی
ہی خطرناک جگہوں پہ جاتا ہوں لیکن اس یقین کے ساتھ کہ میرے پیچھے سے
پہلے میرے سرکار غوث پاک و خواجہ غریب نواز کی مدد پہنچ جاتی ہے۔ میں اپنا
نام اونچی کرنے نہیں جاتا بلکہ غوث پاک و خواجہ غریب نواز کی عظمتوں کا جھنڈا
لہرائے جاتا ہوں۔ آپ مطمئن رہئے انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔

چنانچہ ولن پہنچنے کے بعد کچھ پولیس والے و سردار اور ٹپیل کے
غنڈہ قسیم کے لوگ آپ کے پاس آکر دھونس جھا کر جب یہ مطالبہ کرنے لگے
کہ آپ یہ کھیر دیجئے کہ ہم حریف کے پیشواؤں کو کچھ نہ کہیں گے تو آپ نے
فرمایا سنو! میں اپنی جماعت کا نمائندہ ہوں۔ ترجان ہوں، میں یہ لکھ کر سب
کی زبان نہیں کٹوا سکتا۔ آئندہ ہمارے علماء کے لئے یہ نظیر بن جائے گی۔
ایسے ہی ایک مرتبہ جب آسنسول کے پروگرام پہ تشریف لے گئے تو
وہاں کے وہابیوں اور دیوبندیوں میں بھونچال مچ گئی چنانچہ مولوی عبدالرؤف
دیوبندی نے یہ ہوا پھیلادی کہ نظامی کافر گر آیا ہے۔ ہمارے علماء کو کافر کہے گا

لے ماہنامہ پاسبان مئی ۱۹۷۹ء و مکمل تصاریف تعلیم۔

اس نے بہت سے نوجوان لڑکوں کو آپ کے تعاقب میں لگا دیا لیکن جیسا کہ آپ کا معمول رہا کہ اگر ناموس رسول کی بات آتی اور بالخصوص جب دشمنوں سے مقابلے کی نوبت آجاتی تو اپنی بیماری اور ساری تکلیفیں بھول جلتے چنانچہ آج آپ کی طبیعت غلیل تھی۔ تمام علماء جلسہ گاہ میں جا چکے تھے اور حضرت اپنے کمرے میں نماز پڑھ کر آرام فرما رہے تھے اور نوجوان لڑکے یہ کہتے ہوئے گزر رہے تھے ”مولوی مشتاق مارا جائے گا۔ آج یہ بچ کر نہیں جائے گا۔“

لیکن علامہ کبے خوفی و بے نیازی دیکھے یہ سن کر وہ صرف حسبنّا اللہ و نِعْمَ الْوَكِيلُ پڑھتے تھے بہت دیر کے بعد جب آپ کو جلسہ گاہ تک لے جانے کے لئے کار آئی اور جلسے گاہ کی طرف آپ کو لے کر چلے تو اچانک راستے میں چور رہے پر تقریباً تین سو نوجوانوں نے آپ کی کار کو گھیر لیا۔ قربان جائے اس مرد مجاہد اور رضوی شیر کے عزم و استقلال پر آپ کی پیشانی پر ذرہ برابر شکن نہیں آئی اور نہ ہی خدا کے فضل سے وہ لوگ کچھ نقصان پہنچا سکے۔

کنک کی جامع مسجد میں آپ کی تقریر کا اعلان ہوا۔ اس وقت جامع مسجد دیوبندیوں کے قبضے میں تھی۔ دیوبندیوں کے سینے پہ سانپ لوٹنے لگا علامہ کی راہ میں رخنہ اندازی شروع کر دی تاکہ آپ کی تقریر نہ ہوسکے۔ انھوں نے مسجد کے اندرونی ہال میں تالار گادیا بجلی بھی کاٹ دی۔ دشمنان رسول کی یہ حرکت دیکھ کر آپ کے عشق رسول کا جذبہ شعلہ جوالہ بن گیا۔ اور رد و ہابیت پر اس شعر سے تقریر شروع کر دی۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھکانے میں

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

سترہ دن تک مسلسل بولتے رہے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ زمین آگ اگل رہی ہے اور آسمان انکار سے برسا رہا ہے۔ گلی گلی کوچہ کوچہ دکان دکان

مکان مکان، چوراہا چوراہا سنی و ہابی کی جنگ پھیلی ہوئی تھی ایک ہنگامہ برپا تھا۔ یہاں پر علامہ ہی کا ایک شعر یاد آیا، ہے

صحرا میں نہ کانٹے ہیں گلشن میں نہ کلیاں ہیں

اے میری محبت تو کیا آگ لگا آئی،

آپ کی اس جدوجہد کے نتیجے میں کنک کی جامع مسجد سنیوں کے ہاتھوں آئی اور مسلک اعلیٰ حضرت کا بول بالا ہوا۔ یوں ہی مناظرہ کا نتیجہ مدناپور کے موقع پر جب مخالف مناظر وقت پر مناظرہ گاہ نہیں پہنچا۔ اور آپ نے اسٹیج خالی پایا تو دن بھر علم غیب مصطفیٰ، میلاد رسول، اور حیات نبی پر اس دور و شور سے تقریر فرماتے رہے اور خیرین فتح مناتے رہے کہ ہندو دیکھ کر یہ کہہ رہے تھے کہ یہ مولانا مر جائے گا زندہ نہیں رہے گا آخر اسمیں کون سی طاقت بول رہی ہے۔

بمخملگواں مناظرہ کے لئے آندھی طوفان اور موسلا دھار بارش میں پاپریل چل کر جب مناظرہ گاہ پہنچے اور لوگوں نے ناشتے کی پیش کش کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ناشتے کا نہیں دشمن رسول سے مناظرہ کا وقت ہے۔ اے مصائب و مشکلات کی ان راہوں میں بھی ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی اور دین و ملت کی خاطر اس طرح کی نہ جانے کتنی مصیبتوں کا وہ خندہ روئی سے یہ کہتے ہوئے استقبال کرتے رہے۔

ہویدا آج اپنے زخم پہنا کر کے چھوڑ دوں گا
 لہور و رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑ دوں گا

عَلَّامَةُ الْوَقَاتِ مگر صدافِ وس! حالات کی گردشوں اور ہم علامتوں نے وقت کے اس مجاہد کو قبل از وقت بوڑھا کر دیا اور حیاتِ مستعار نے مزید

اے خطباتِ نظامی غیر مطبوعہ۔

مہلت نہیں دی۔
 یوں تو انھیں علالت و امراض کی نہ جانے کتنی صبر آزماتنزلوں سے گزرنا
 پڑا مثلاً ۲۰ مئی ۱۹۸۳ء کو فیض آباد کے دورے پہ جاتے ہوئے آپ کی جیب ایک
 بس سے ٹکرا کر سنگین حادثے کا شکار ہو گئی جس کے نتیجے میں پانچ آدمی زخمی اور دو شہید
 ہو گئے اور آپ خدا کے فضل و کرم سے بال بال بچ گئے۔ البتہ سر میں شدید چوٹ
 آئی اس کے کچھ ہی دنوں بعد درگزر دہ اور پیشاب کی تکلیف شروع ہو گئی الہ آباد
 کے ماہر ڈاکٹر گپتا نے "پراسٹیٹ" کا کامیاب آپریشن کیا۔ اور صحت یاب
 ہو کر آپ اپنے مشن میں مصروف ہو گئے۔

فلج کا پہلا حملہ: — لیکن ۳ اپریل ۱۹۸۷ء آپ کی زندگی
 کی ایسی دردناک تاریخ ہے جس دن گویا پوری دنیا کے سنیت پہ غم و اندوہ کا پہا
 ٹوٹ پڑا یعنی آپ "ناسک" ہمارا شہر میں مسلک اعلیٰ حضرت و کٹر الایمان پرورد
 گھنٹے معرکہ الآراء تقریر کرنے کے بعد جب اپنے دارالعلوم مغرب نواز الہ آباد کے
 سالانہ اجلاس (سرکار مدینہ کانفرنس) میں شرکت کے لئے ناسک اسٹیشن پہنچے
 آپ کے ہمراہ اسٹیشن تک رخصت کرنے والوں کا ایک ہجوم تھا جنہوں نے آپ
 کے لئے چائے کی پیش کش کی۔ چائے کی پیالی پوری طرح ہاتھ کی گرفت میں نہیں
 اسکی تھی کہ فاج کا شدید حملہ ہوا۔ پیالی ہاتھ سے چھوٹ کر ڈھیر ہو گئی اور آپ
 بے ہوش ہو گئے۔ یہ فاج کا پہلا حملہ تھا جس کے بعد فوراً مولانا قاری عبدالحی صاحب
 اور دیگر جاں نثار سینیوں نے آپ کو ناسک کے ہسپتال میں داخل کر دیا ناسک کے
 خوش عقیدہ سنی مسلمان اپنے قائد کی خبر گیری کے لئے ہسپتال کے ارد گرد اس طرح
 ٹوٹ پڑے جس طرح شمع پر والے پر ٹوٹتے ہیں۔ وہاں کے ڈاکٹروں نے جواب
 دیدیا۔ افاقہ کی کوئی امید نظر نہیں آئی۔

بالآخر الحاج منیر صاحب اور سید میر مختار شرفی کے ذریعہ فون پر اطلاع
 پاتے ہی الحاج سیٹھ سلطان اختر قادری، سیٹھ عبد المنان، حافظ بشیر احمد اور جناب

حافظ لعل محمد قادری اپنے محسن رہنما کے لئے تڑپ اٹھے اور بلا تاخیر ناسک پہنچ کر آپ کو "ایمبولینس" کار کے ذریعہ نہایت احتیاط سے لے کر بمبئی پہنچے اور ملک کے مشہور ترین معیاری "دار الشفاء" جیلوک ہسپتال میں ایڈمٹ کر دیا ادھر یہ حضرات علامہ کو لے کر ناسک سے بمبئی لا رہے تھے اور ادھر حضرت علامہ انوار احمد نظامی غم سے نڈھال اپنے ہمراہ گھر کے پورے قافلہ کو لے کر بمبئی کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ دوسرے ہی روز گویا تمام خوشی و اقارب آپ کی چارپائی کے گرد تھے جنہیں دیکھ کر آپ کو دلی توانائی حاصل ہوئی۔

بیماری کی اطلاع پا کر سب سے پہلا ٹیلی گرام عالی جناب محمد عثمان عار صاحب کا دعاؤں کے ساتھ موصول ہوا۔ جو اس وقت گورنر اتر پردیش کے مرتبہ عالیہ پر فائز تھے۔ اور دارالعلوم کی سرکار مدینہ کانفرنس میں ان کی شرکت کے سارے انتظامات سرکاری طور پر انجام پا چکے تھے لیکن ٹھیک اسی دن فالج کے اس حادثے کی وجہ سے یہ پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔ مولانا منصور علی خاں نے علامہ کی صورت حال کے بارے میں اخبارات اور ٹیلی گرام کے ذریعہ پورے ملک میں اعلان کر دیا۔ شدہ شدہ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ قاضی ہمارا شتر مولانا اشرف رضا قادری نے فون کے ذریعہ شہر کے مخلصین و عوامین سے رابطہ قائم کیا۔ چنانچہ وہی روز کے بعد پورا ہمارا شتر کرناٹک، کاٹھیاواڑ، گجرات اور راجستھان وغیرہ سے آپ کے چاہنے والوں کی آمد و رفت کا تانا باندا ہوا گیا۔ مہفتہ عشرہ کے بعد جب لوگوں نے آپ کا حال کچھ اچھا دیکھا تو لوگوں نے چین کی سانس لی۔ زندگی کے آثار نظر آنے لگے جیلوک کے ڈاکٹروں نے مزہ 5 (فی صد) مرض پہ کنٹرول کر لیا اور اس طرح اللہ نے آپ کو ایک نئی زندگی دی۔ مسلسل تین ماہ تک علاج کے بعد الہ آباد لائے گئے۔

تاریخ کا یہ باب نامکمل رہ جائے گا اگر آپ کے ان شیرازیوں کا تذکرہ نہ کیا جائے جنہوں نے آپ کو اس طرح ہاتھوں ہاتھ لے لیا کہ آپ کو جیلوک جیسے

گراں ہاسپٹل میں علاج کے لئے کوئی صعوبت پیش نہ آئی۔
 چنانچہ مفکر اسلام، سیاح ایشیا حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی صاحب
 لندن نے یہ خبر پاتے ہی لندن سے آپ کے علاج کے مصارف کا بندوبست
 فرمایا۔ یوں ہی مولانا شفیق الرحمن ممباسہ (کینیا) مخزنگھرات مولانا حلیف صاحب
 لندن، حاجی ولی، حاجی داؤد، حاجی چاند لندن، مولانا محمد میاں، مولانا نیاز احمد
 لندن، ان حضرات کی عنایتیں اور کرم فرمائیاں بیرون ہند سے آپ
 کے شریک حال رہیں۔

یوں ہی جناب سیٹھ عبد المنان کولانے کہا جب تک نظامی صاحب
 اچھے نہ ہو جائیں ہماری ساری تجارت ان کے علاج کے لئے وقف رہے گی۔
 جناب سیٹھ ہاشم صاحب نے خبر بھیجی کہ میں گوسے گاؤں میں ہوں مگر دل آپ کے
 ساتھ ہے میں حکم بھیجتے رہے شیٹھ مقصود احمد صاحب جن کا پورا گھر ناظر
 کامرید ہے انھوں نے کہا ہم لوگ آپ کے ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کا
 ہے میں صرف حکم ملتا ہے۔ مولانا ظہور احمد صاحب اشرفی سرخیل شاخ سنی
 تبلیغی جماعت باسنی نے اپنے دفتر کے ہاتھ اپنی تحریر بھیجی کہ اگر علاج میں کوئی
 زحمت ہو تو سنی تبلیغی جماعت اپنے ذمہ لے لے شیٹھ سلطان اختر قادری
 جن کے بارے میں علامہ اکثر فرماتے تھے کہ یہ قول کے نہیں عمل کے دھنی ہیں۔
 انھوں نے علامہ کے لئے اپنا دیدہ و دل قریش راہ کر دیا۔ یوں ہی جناب انور علی
 انصاری صاحب کمرٹری شاخ سنی تبلیغی جماعت کلمی، جناب الحاج داؤد رضوی
 اور جناب ہمدی حسن گوہر نظامی کی بھی اس موقع پر دی گئی قربانیاں فراموش
 نہیں کی جاسکتیں جو ہمہ وقت علامہ کے ساتھ ہمدردی پیش کرتے رہے اور
 خبر گیری کرتے رہے۔

غرض کہ آپ کے مخلصین و معتقدین نے اس انداز سے آپ کی خدمت
 گزاری کی کہ بسا اوقات آپ کو گمان ہوتا کہ ہم جیلوکے میں نہیں بلکہ کراچی ٹارگٹ

دبازار میں ہیں۔

چھ ماہ تک الہ آباد ہی میں مولانا انوار احمد نظامی وقت کے مشہور اطباء اور ڈاکٹروں سے رجوع کر کے علاج کر دیتے تھے اور ہزار ہا ہزار روپے پانی کی طرح بہاتے تھے۔ اسی اثنا میں کرناٹک کے جناب الحاج بڈن صاحب نے آپ کو علاج کے سلسلے میں اپنے دوستوں کے ساتھ پہنچا کر لیا۔ انھوں نے وہاں انکو میں علاج کا بندوبست کیا وہاں جو صحت و تندرستی آپ کے نصیب میں تھی۔ اسے لے کر پھر الہ آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت الحاج بڈن صاحب نے گلوگیر آوازیں کہا حضرت! آپ مایوس نہ ہوں اگر آپ حکم دیں گے تو میں خود آپ کو لے کر علاج کے لئے لندن چلوں گا ہمارا جو کچھ ہے سب آپ کا ہے اس سفر میں بنگلور، میسور، بمبئی، کاروار، انکولہ، رام نگر، داؤنگیرہ، الپور، مدگیرہ کے تمام تخلص رؤسا اور ایثار پسند معتقدین و متوسلین کے الطاف و عنایات کی آپ پر برسات ہوتی رہی۔

دوسرا حوالہ : علامہ جب کرناٹک سے بمبئی، بھساول، اور جبل پور ہوتے ہوئے الہ آباد پہنچے تو آپ کا ہشاش بشاش چہرہ دیکھ کر اعزہ و احباب کا دل فرط مسرت سے جھوم اٹھا۔ فالج کا اثر بہت حد تک ختم ہو چکا تھا طبیعت اتنی مستحیل تھی کہ چل پھر لینے کے قابل ہو گئے تھے مگر باوجودیکہ ڈاکٹروں نے سخت احتیاط و پرہیز کی ہدایت کی تھی آپ کے شہداء یوں کی جانب سے دعوتوں کا اصرار بڑھنے لگا جن کا آپ انکار نہ کر سکے۔ لوگوں نے بمبئی بلا لیا۔ وہاں سے کاٹھیاواڑ وغیرہ میں آپ نے تقریریں کیں تبلیغی دورے کئے جس سے دنیاۓ سنیت کے لئے مایوسی میں امید کی ایک کرن نظر آنے لگی لوگوں کو یہ خیال ہو گیا کہ علامہ کچھ دنوں تک اور فکر و فن کے گہر لٹائیں گے لیکن مشیت ایزدی کے سامنے کس کی چلی ہے۔ کاٹھیاواڑ کے دورے سے بمبئی واپسی ہوئی اور ۱۵ جولائی ۱۹۱۹ء کو بمبئی ہی میں آپ کے دل بہنے سے پھر فالج کا دوسرا

لا حمل ہوا گو کہ یہ حمل بھی کسی طرح کم نہ تھا لیکن مولانا مفتی اشرف رضا قادری حافظ
بشیر احمد اور سیٹھ داؤد وغیرہ کی عقیدت مندی و ہوشمندی کام آئی۔ انھوں نے
بلا تاخیر علامہ کو بھیجے کہ ”دری نرسنگ ہوم“ میں داخل کر دیا۔

جہاں کے کچھ مشق اطباء نے مرض پر بہت جلد قابو پالیا اور آپ کی طبیعت
ایک بار پھر بحال ہونے لگی۔ چراغ زندگی کی لو پھر تیز ہونے لگی۔ جس سے
دنیا کے سنیت میں ایک بار پھر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ البتہ اس بار ڈاکٹروں کا کہنا
تھا کہ اس حمل سے دماغ کی اہم نسلوں پر گہرا اثر پڑا ہے اور نسلوں کے متاثر
ہو جانے کی وجہ سے ”بلڈ سرکولیشن“ صحیح مقدار میں نہیں ہو پا رہا ہے بلکہ
دماغ پر دباؤ ڈالنے یا سفر کرنے سے قطعاً پرہیز کیا جائے۔

تیسرا اور آخری حملہ: چونکہ خطیب مشرق کی وہ واحد شخصیت
تھی جن کی تقریر کی مقبولیت و انفرادیت تادم حیات باقی رہی اس لئے آپ کی
خطابت کی شیرینی و لطافت نے آپ کے معتقدین کو پھر آپ سے اصرار کرنے
پر مجبور کر دیا۔ لہذا عوام و خواص کی خاطر داری و دل جوئی کے پیش نظر گلہ
گاہے بیس منٹ، آدھ گھنٹہ خطاب فرمانے لگے۔ دریں اثنا ریلوے کی روایتی
کانفرنس ”شہید اعظم کانفرنس“ کی تاریخ بھی آگئی مولانا منصور علی خاں، اور
مولانا مقصود علی خاں کی خواہش پر اس کانفرنس میں ۸ اگست ۱۹۹۰ء کو شہادت
کے عنوان سے آپ نے ہزار ہا ہزار مجمع سے خطاب فرمایا۔ جس تقریر کے بارے
میں لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت کی ایسی تقریر برسوں کے بعد سنی گئی۔ پورا مجمع
کیف میں ڈوبا ہوا تھا کوئی سسکیاں بھر رہا تھا کوئی اپنے ہاتھ اور اپنے دامن
سے آنسو پونچھ رہا تھا۔ لیکن کسے خبر تھی کہ ہمارا یہ خطیب ہم سے آخری اور الوداعی
خطاب کر رہا ہے۔ ۲۰ منٹ تک نہایت کامیاب تقریر کرنے کے بعد آپ
آل انڈیا سنی جمعیت العلماء کے آفس تشریف لے گئے۔ رات تو گزر گئی۔ صبح کو
طبیعت کا بگڑنا ہوا رنگ دیکھ کر آپ نے حافظ لعل محمد قادری سے فرمایا:

مجھے الہ آباد لے چلو۔ حکم کے بموجب حافظ صاحب ۹ اگست کی شام کو حضرت کو لے کر الہ آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ ۱۰ اگست ۱۹۹۹ء کے دن ۱۲ بجے جب گاڑی اتاری سی پونچنے والی تھی کہ اچانک بڑے شدید دھبے آپ پر فالج کا تیسرا اور آخری حملہ ہوا۔ آپ نے جب یہ محسوس کر لیا کہ اوراقِ حیات اب منتشر ہونے والے ہیں، زبان بھی بے قابو ہونے لگی، تو آپ نے حافظ صاحب سے چند باتیں بطور وصیت ارشاد فرمائیں۔

- ۱۔ مجھے دارالعلوم کے اسی حجرے میں دفن کیا جائے جہاں میں قیام کرتا تھا۔
 - ۲۔ نسیم رحمت کا تیسرا حصہ میرے سر ہانے رکھ دینا۔
 - ۳۔ تم دارالعلوم سے الگ مت ہونا۔ دارالعلوم ٹوٹنے نہ پائے۔
- اس کے بعد آپ نے فرمایا کلمہ طیبہ پڑھو۔ حافظ صاحب کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے فرمایا درود پاک اور قرآن شریف پڑھو۔ حافظ صاحب حکم کے مطابق درود پاک اور سورہ یس قرآن شریف سمیت قرآن کی دوسری جتنی بھی سورتیں پڑھ سکتے تھے پڑھتے رہے۔ اب آپ کی نبض حیات تھمتی ہوئی نظر آنے لگی نظام تنفس بگڑا گیا اور مکمل بیہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حافظ صاحب موصوف کا بیان ہے کہ کلمہ طیبہ یا درود پاک میں جب جب نام نامی اسم گرامی جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آتا تو حضرت انگوٹھا چومنے کے لئے ایسا ہاتھ اٹھاتے لیکن پوری طرح اٹھ نہیں پاتا تھا۔ ایک عاشقِ صادق کے عشق و وارفتگی کا تقاضا یہی ہے کہ جان جاتی رہے لیکن محبوب کی تعظیم و توقیر میں فرق نہ آنے پائے۔ حافظ صاحب کو حضرت کی اس تشویشناک حالت دیکھ کر کوئی چارہ کار نظر نہیں آ رہا تھا اتنے میں گاڑی کو جیل پورا سٹیشن پر آ کر رکی۔ جہاں سے انھوں نے فون کے ذریعہ مولانا انوار احمد نظامی کو حضرت کی صورت حال سے مطلع کیا اور کہا کہ ہم حضرت کو لے کر علیٹی میل سے آرہے ہیں۔

ادھر حضرت مولانا انوار احمد نظامی پورے دارالعلوم اور احباب اقبال کے ساتھ آبدیدہ ہو کر حضرت کے استقبال کے لئے الہ آباد پہنچے اور حضرت اسی بے ہوشی کی حالت میں رات کے اربع بجے الہ آباد پہنچے۔ مولانا انوار احمد نظامی نے بجائے گھر پہنچانے کے حضرت کو یہاں کے مشہور ہاسپٹل "پریتی ہاسپٹل" میں ایڈمٹ کیا جہاں تین ماہ تک تحقیق و تشخیص ہوتی رہی۔ ڈاکٹروں نے ہوش میں لانے کی ممکنہ تمام ترکیبیں اپنائیں لیکن ساری ترکیبیں بے اثر ثابت ہوئیں۔ مولانا انوار احمد نظامی نے بے دریغ پیسے خرچ کئے بڑی منتیں کیں لیکن افاقہ کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ امیدیں دم توڑتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ علم و فضل کا یہ آفتاب آہستہ آہستہ گویا ہم سے اوجھل ہونے لگا۔

علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ جب میں انھیں دیکھنے کے لئے "پریتی ہاسپٹل" گیا تو جو کچھ میں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ وہ بے ہوش ہیں۔ کسی کو سچاں بھی نہیں کہتے تھے میں نے بہت آوازیں دیں کچھ کہہ تو نہیں سکتے تھے مگر کبھی کبھی آنکھ کھول دیتے تھے اس کیفیت کو دیکھ کر ان کے بچپن کا ایک نقشہ میرے سامنے گھوم گیا اور میں آبدیدہ ہو گیا۔ ان کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نعت یاد تھی جس کو میں ان سے بار بار سنا کرتا تھا۔ اس کا ایک مصرع میرے ذہن میں نقش کا لجر ہو گیا تھا۔ جو آج تک یاد ہے :

حی اے موت ذرا رک جا شاید کوئی آتا ہو

ان کی یہ حالت دیکھ کر مذکورہ مصرع میری آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگا اور اندازہ یہ ہوتا تھا کہ یہ اسی مصرع کی جیتی جاگتی تصویر دیکھ کر امید و بیم کے ماحول میں کبھی آنکھیں کھولتے اور انتظار کرتے اور مایوس ہو کر پھر بند کر لیتے ہیں۔ — مرض کی یہ کیفیت تقریباً تین ماہ تک اسی افاقہ سے ناامید ہو کر بافاقہ رائے گھر لائے گئے اور وہی علامہ شتاق احمد نظامی جو زندگی بھر جدید و جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و آگہی کا سبق دیتے رہے ان کی عظمت کا جھنڈا بلند

بلند کرتے رہے اور جنگی ذات کی کریمیں ملک ملت کو نصف صدی تک منور و
 بجلی کرتی رہیں اپنے لاکھوں چاہنے والوں کو چھوڑ کر اسی بے ہوشی کے عالم میں
 ۸ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ / ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۰ء بروز دوشنبہ گیارہ بج کر
 ہم منٹ پر جو زندہ یا بندہ کا مضمون مکمل پا کر واصل بحق ہو گئے۔

الاستر جار ظل عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔

خون کے آنسو رلائے رحلت بطل جلیل

عصر حاضر پیش کر سکتا نہیں جس کا مثیل

کیفیت وصال

حضرت مولانا انوار احمد صاحب نظامی نے

راقم الحروف سے بیان فرمایا کہ میں حضرت خطیب مشرق کے وصال کے بعد آپ
 کے پہلو میں بیٹھا تھا کہ دو تین گھنٹے کے بعد کچھ اجنبی حضرات آئے جن سے میں نا آشنا
 تھا انھوں نے حضرت کا آخری دیدار کرنا چاہا اس وقت آپ کے جسدِ خاکی
 پہ معمولی سی ہلکی پتلی چادر پڑی تھی جب میں نے چہرہ سے چادر ہٹائی تو یہ دیکھ کر
 حیران رہ گیا کہ آپ کا چہرہ پسینے سے شرابور دمک رہا تھا پسینہ پوچھنے کے
 بعد پھر پسینہ آجاتا جبکہ یہ کیفیت نہیں ہونی چاہئے۔

یوں ہی یہ بات بھی تعجب خیز تھی کہ جس وقت آپ کو غسل دیا جاتا تھا
 اس وقت آپ کا پورا جسم روئی کے گالے کی مانند ملائم تھا جس طرح اور جس طرح
 چاہتے موڑ لیتے جبکہ عموماً معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

تجہیز و تکفین کے بعد جب عورتوں نے آخری دیدار کی خواہش کی تو آپ کا
 چہرہ کھول دیا گیا عورتیں چہرہ دیکھ کر بے تحاشا رونے لگیں اس وقت یہ منظر
 دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ جیسے ہی عورتوں نے رونا شروع کیا آپ کی
 آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گیا۔ اور اس وقت تک آنسوؤں کی دھار بندھی

رہی۔ جب تک عورتوں نے اپنی آہ و بکا بند نہ کر لیں۔ یہ منظر دیکھنے والوں میں
مولانا خورشید انور بھی تھے۔

میرے خیال میں یہ ساری کیفیات حضرت خطیب مشرق علیہ الرحمۃ کے
حسن عاقبت کی ایک تہید اور آخرت کی سرخروئی کا گویا اہتمام ہیں۔ جنہیں
اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ظاہر فرمادی ہیں۔ بہر حال پورا ملک اپنے محبوب منہا
کے وصال کی خبر پا کر آنسوؤں کا سیلاب بہا رہا تھا جب لوگوں نے آبدیدہ
ہو کر آپ کے جنازہ کو اپنے کاندھوں پہ اٹھایا (جس میں راقم الحروف ناصر انجم
مصابیحی بھی شامل تھا) تو صبر و سکین کا دامن آپ کے چاہنے والوں کے ہاتھ
سے چھوٹ گیا۔ اس وقت یہ محسوس کر کے سمجھوں نے سیلِ اشک بہا دیا کہ

بارِ احباب جو اٹھاتا تھا

دوشِ احباب پہ سوار ہے آج

ملک کے سیاسی حالات اس وقت اچھے نہیں تھے کیونکہ ۲۹ اور
۳۱ اکتوبر ۱۹۹۷ء کی تاریخ صرف بابری مسجد جس کا تنازعہ برسوں سے چلا آ رہا
ہے اسی کی فیصلہ کن تاریخ نہیں تھی بلکہ پورے ملک ہندوستان کے مستقبل
کے لئے ایک آزمائش کی گھڑی تھی جس دن کچھ غیر سیکولر جماعتیں مثلاً بی جے پی،
شیو سینا اور دھرم پریشد نے گویا بابری مسجد کو منہدم کرنے کا عزم منہم
کر لیا تھا۔ ہر چار جانب سراپنگی کا عالم تھا۔ موصلاتی نظام درہم برہم، اور
آمد و رفت کی راہیں مسدود تھیں۔ ایسے میں پورا ملک اپنے عظیم رہنما کے آخری
دیدار اور نماز جنازہ میں شرکت کے لئے بے تاب ہو کر رہ گیا۔ لیکن ایسے ناگفتہ
حالات میں جب کہ ۲۹ اکتوبر کی تاریخ کو کمر فیو کا نفاذ بھی عمل میں آتا تھا اس
کے باوجود آپ کے ہزاروں معتقدین و متوسلین اعزاء و اقرباء، خویش و احباب
نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔

قاضی شہر الہ آباد حضرت علامہ قاری مقبول حسین صاحب قبلہ حبیبی نے

دائرہ شاہ اجل کی مسجد کے قریب وسیع میدان میں نماز جنازہ پڑھائی۔ اور
حضرت خطیب مشرق کی وصیت کے مطابق دارالعلوم کے اسی حجرے میں تدفین
عمل میں آئی جو آج آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ اس وقت گویا سمجھوں کو یہ محسوس
ہو رہا تھا کہ آج ایک عہد کی تاریخ ہمیشہ کے لئے دھند لکوں میں گم ہو گئی۔
آسماں تیری لمحہ پہ شبم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی گہبانی کرے

حضرت کے وصال پر کچھ تاریخی مادے ملاحظہ فرمائیے جن سے بارگاہ
خداوندی میں ان کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے :-

عزت مآب پاسبان ملت مشتاق احمد	امیر حبیب علامہ نظامی بمقصد رسد
۹۰ ۶ ۱۹	۹۰ ۶ ۱۹
خطیب مشرق کوکب ایمان	خطیب مشرق کمال ہند
۱۱ ۵ ۱۲	۱۱ ۵ ۱۲
خطیب مشرق لعل بے بہا	خطیب مشرق طالب حق
۱۱ ۵ ۱۲	۱۱ ۵ ۱۲
خطیب مشرق نیک حسب	امیر حبیب فیض نبی حبیب انجمن
۱۱ ۵ ۱۲	۱۱ ۵ ۱۲
پاسبان ملت ذی فہم	پاسبان ملت سخن فہم
۱۱ ۵ ۱۲	۱۱ ۵ ۱۲
حضرت شیریں داں علامہ مشتاق احمد نظامی	پاسبان ملت مادی سنی جمعیتہ العلماء
۹۰ ۶ ۱۹	۹۰ ۶ ۱۹
عالم بے بدل رہبر سنی جمعیتہ العلماء	حبیب بارگاہ روحانی مشتاق احمد
۱۱ ۵ ۱۲	۱۱ ۵ ۱۲

واللہ پاسبان ملت داخل بہشت جامع فنون پاسبان ملت وادخلی جنتی

۱۹ ۶ ۹۰

۱۹ ۶ ۹۰

یا حق مروت رسیدی مشتاق احمد پرنوار کاسایہ

استخراج مولانا منصور علی خاں سکر پٹری سنی جمعیتہ العلماء
بکبی۔

ورق تمام شد و قصہ نامت تمام بماند
شب آخر آمد و صد گونه گفتگو باقیست

ناچیز:- ناصح کمالی نجم مصباحی
استاذ دارالعلوم غریب نواز - الہ آباد
فون: ۶۰۴۴۲۵



خطیب مشرق اُربابِ علم و دانش کی نظر میں



جان کر منجھ لے خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں روپا کریں گے جامِ دیمیانہ مجھے

خطیب مشرق حضرت علامہ نظامی علیہ الرحمۃ
والرضوان ملک و ملت کی ایک ایسی معرکہ اللہ
اور بہت جیت شخصیت کا نام ہے جس کے
علم و فضل، فکر و نظریہ کی بلند پروازی
زبان و قلم کی پختگی اور قومی و ملی خدمات
کا اعتراف نہ صرف ملک کے ارباب
علم و دانش کو ہے بلکہ بیرون ملک بھی
حضرت علامہ نظامی کی عبقری شخصیت
مسلمہ ہے۔ چند تاثرات حاضر خدمت ہیں
جنہیں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

عاجز و فقیر: ناصر انجم مصباحی
استاذ دارالعلوم مغرب نواز - لاہ آباد
فر: ۹۰۳۳۲۲

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان بریلی شریف

حضرت مولانا انوار احمد نظامی ناظم اعلیٰ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد (جنہیں حضور مفتی اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل ہے) نے خون کے آنسو کے کچھ مضامین پڑھ کر آپ کو سنائے بسنکر حضرت نے فرمایا:

”مشتاق نے اس کتاب کی ترتیب میں بڑی محنت اور کوشش کی ہے۔“

اور بے انتہا مسرور ہو کر مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اس کو خون کے آنسو کہا جائے یا خوشی کے آنسو۔ اور اس کے بعد اپنی جیب خاص سے ۲۵ روپے دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کو جلد دوم کی اشاعت میں میری طرف سے شامل کر لیا جائے۔ لے

حضور محنت راعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کچھوچھو شریف

نظامی کی تقریر سن کر مجھے اپنے بڑھاپے اور اپنی موت کا غم جاتا رہا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد میرا مشن کمزور نہ ہوگا۔ لے

حضور محافل علیہ الرحمۃ والرضوان

بھیونڈی کے مناظرہ میں علامہ کی مناظرانہ گرفت اور حاضر جوابی سے خوش ہو کر آپ نے فرمایا:

”اگر میرے پاس بہیر جواہر اہوتے تو مولانا مشتاق کو بہیر جواہر سے وزن کر دیتا۔“

حضور حافظ علیہ الرحمۃ والرضوان بانی الجمعیۃ فیہ مبارک ہو۔

ہمارے مولانا مشتاق احمد نظامی دورِ حاضر کے مولانا ہدایت رسول الخٹیم میں لے خون کے آنسو دوم لے ماہنامہ پاسبان مئی جون ۱۹۶۲ء لے خطبات نظامی لے ماہنامہ حجاز جدید نومبر ۱۹۶۲ء

حضور شیربشہ اہلسنت علیہ الرحمۃ والرضوان لکھنو۔

”میں مشتاق کو اولاد کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔“

قوة عضدي المولانا مشتاق احمد نصري الله على النفاق والشفقة
حضرت علامہ سبطین رضا خان صاحب قبلہ بریلی شریف۔
(دربار اکاساف)

اس میں شک نہیں کہ اس دورِ قحط الرجال میں مولانا کی ذات بسا غنیمت تھی تجریدِ تقریر میں اپنے ہم عصر علماء میں ان کی انفرادیت مسلم تھی نہ جلنے کتنوں کو ان کے قلم نے قلم بکڑنا سکھایا اور وہ مصنف ہو گئے۔ اور نہ جلنے کتنوں نے ان کا انداز اڑایا اور وہ مقرر بن گئے۔ وہ شہنشاہِ خطابت و خطیبِ مشرق تو تھے ہی میدانِ مناظرہ کے بھی ایک چمچے شہسوار تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ حضرت شیربشہ سنتِ مناظرِ اعظم حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب کے تیار کردہ و تربیت یافتہ تھے اعلیٰ حضرت امام اہلسنت اور حضرت مفتی اعظم ہند علیہما الرحمۃ والرضوان اور ان کے اہل خاندان سے انھیں قلبی لگاؤ تھا اور دلی محبت تھی۔

ہمیں ملاقات ہوئی تو ہمشاش بشاش چہرہ کے ساتھ ملتے نہ کہ چہرہ کا زاویہ بگاڑ کر خلاص و محبت سے پیش آتے ان کے مزاج میں تواضع و انکساری بھی تھی اور ان تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوجود انتہائی سادہ لوح انسان تھے۔

شراحِ بخاری، تائیدِ مہدی، شریف الحق امجد، صد دارالافتاء الی الاثر مبارک۔

علامہ مشتاق احمد نظامی اہلسنت کے ایک بے باک مناظر، ایک بے مثل خطیب، ایک صاحب طرز الشا پر داز اور میدانِ توصیف کے ایک لاجواب محقق تھے۔
علامہ نظامی کی دائمی مفارقت میرے لئے دو طرح سے انتہائی جانگس
اول یہ کہ وہ مذہبِ اہلسنت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ایسے ترجمان تھے جو اپنی

لے ماہنامہ پاسبان فروری ۱۹۵۹ء لے تعزیتی مکتوب۔

نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ان کی وجہ سے ہزاروں بد مذہب راہ راست پر آئے۔
 ہزاروں صلح کل متعلقہ بنے اور کروڑوں اہلسنت ایقان و اطمینان کو
 دولت سے مالا مال ہوئے۔ ان کی آواز کی گھن گرج مہجے کی شیرینی، طرز بیان کی
 دل نشینی، دلائل کی پختگی، ان کی تقریر سحر ہلال کی طرح سننے والوں پر اثر پیدا
 کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ اخیر وقت تک ان کی تقریر کی دل کشی میں کمی نہیں پڑی ہوئی۔
 انیسویں کہ ملت ایک ایسے خطیب سے محروم ہو گئی۔ فالہ اللہ المشتکی وھو المستغیا
 دوسرے یہ کہ مجھ بے مایہ نکتے پر بہت زیادہ ہر بان ہے میری مصیبتوں
 میں میرے مولس و عم خوار نہیں کار ساز ہے۔ لہ

ساحر البیاحات حضرت علامہ عبد المصطفیٰ صاحب قبلہ اعظم گڑھ

عزیز محترم جناب مولانا مشتاق احمد نظامی زید مجدکم

السلام علیکم!

”کر بلا کا مسافر“ اپنی پوری شان انفرادیت کے ساتھ نظر نواز ہوا۔
 بلاشبہ نیاں سنیت کے لئے ۱۹۶۰ء کا بہترین علمی تبلیغی تحفہ ہے میں آپ کی
 اس جدوجہد پر دل کی گہرائیوں سے ہر یہ مبارک پیش کرتا ہوں اور یقین فرمائیے
 کہ میری حقیر دعائیں اور نیک تمنائیں ہر دم ہر قدم پر آپ کی رفیق و ہمدم ہیں۔
 آپ کو مولیٰ تعالیٰ سعادت کو نین سے سرفراز اور دولت دارین
 مالا مال فرمائے۔ آمین۔ ۲۰

بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب عظمیٰ سابق صدر مدرسین الجامعہ الشریفیہ

مناظرہ سکروٹی کا تذکرہ فرماتے ہوئے بحر العلوم رقمطراز ہیں:
 اس موقع پر مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی کی ایک غیر معمولی سعادت

۲۰ پاسبان۔ ۲۸۔ ۱۹۶۰ لہ تعزیتی مکتوب۔

بھی ناقابل فراموش ہے تیسرے دن جب مخلفین کا کس بل نکل گیا اور وہ میدان
 مناظرہ سے اٹھ گئے تو میں نے حضرت مجاہد ملت سے اجازت چاہی۔ نظامی صاحب
 نے بھی رخصت چاہی۔ کام واقعی تمام تھا۔ ہم دونوں کو رخصت مل گئی۔ ہم لوگ تین
 میل پیدل چل کر اس طرح آئے کہ پورے راستے میں گھٹنوں گھٹنوں پانی بھرا تھا۔
 اعضا رشل تھے اور جسم تھک کر چور تھا۔ مخلفین کو معلوم ہوا کہ علامہ نظامی تو چلے
 گئے پھر کیا تھا شور مچا دیا کہ سنی مناظر بھاگ گئے۔ لوگ حضرت مجاہد ملت کے
 پاس آئے اور آپ نے فوراً واپسی کے لئے خط لکھا۔ ادھر لوگ تھکے ماندے ہوئے
 پر بیٹھے ادھر حضرت کا خط نظامی صاحب کو ملا۔ میں ان کی اس سعادت مندی
 کو داد دوں گا کہ معلوم ہوتے ہوئے بھی کہ اب عملا ہماری وہاں ضرورت نہیں۔
 صرف حضرت کے حکم پر لئے قدم اسی طرح تین میل پیدل واپس ہوئے جیسے
 آئے تھے جبکہ میں تعمیل ارشاد نہ کر سکا۔ جو لوگ نظامی صاحب کی شخصیت
 سے واقف ہیں وہ اس اطاعت شعاری کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ لہ

لیقت سید شاہ عیسیٰ احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ العلانیہ چک الہ آباد۔

خطیب شریعہ حضرت علامہ نظامی مرحوم و مغفور کی یاد آتے ہی آج بھیر
 جذبات امنڈ پڑتے ہیں اور بے شمار یادوں کی دنیا میں تلاطم جاگ اٹھتے ہیں۔
 ان کی شخصیت اگر دارو عمل اور مجاہدانہ زندگی کے کارنامے ان کی یادوں کو
 باقی رکھنے کے ضامن بن چکے ہیں۔ اللہ کے ایسے نیک بندے بہت کم پیدا
 ہوتے ہیں جس نے ساری زندگی بڑی ذمہ داری کے ساتھ تمام کی۔ اور جو لمحے
 لمحے کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اسلامی کارناموں کا قلعہ تعمیر کیا تعلیمات
 حق کے فروغ و ارتقا اور عقیدہ و مسلک کے تحفظ و بقا کے لئے جتنے بھی نمایاں
 خدمات کے راستے ہو سکتے ہیں ان تمام راہوں پر چل کر موصوف نے دینی
 لہ دیوبند کی خانہ تلاشی۔

خدمات کے فرائض انجام دیئے اور رہتی دنیا تک اپنے حق میں داد و تحسین اور
 دے کے خیر و مغفرت کے دروازے وا کر گئے۔ ذیل نے دیکھا ہے کہ اغراض اور
 مقاصد کی تکمیل کے لئے کتنی بار سنگلاخ اور پرخار راہوں سے گزرنا پڑا ہے
 کبھی اپنوں نے تکلیف پہنچائی ہے تو کبھی غیروں نے روڑے اٹکانے کی کوشش
 کی مگر ایک سچے عاشق رسول کے پارے استقلال اور مجاہدانہ رفتار میں کبھی کوئی
 لوح نہ آئی اور ہزاروں آفات و مصائب کی آندھیوں سے ٹکراتے ہوئے بحر یک
 و منصوبہ کو تقویت پہنچاتے رہے۔ کامیابی و سرخروئی نے قدم قدم پر ان کا استقبا
 کیا اور صلہ عظیم سے سرفراز کر کے دینی خدمت گزاروں کے باب میں نمایاں مقام
 حاصل کیا۔

وہ ایک سچے عاشق رسول تھے۔ توہین رسالت کرنے والوں کو اپنے
 کبھی برداشت نہیں کیا تصنیف و تالیف، صحافت و خطابت کے ذریعہ ہر محاذ
 پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بلند کرتے ہوئے رد و مایہ کا فریضہ انجام دیتے
 رہے۔ اس موضوع پر علامہ کی بعض حقیقی و علمی تصانیف نے امت مرحومہ پر
 احسان عظیم فرمایا ہے۔ لے

مولانا رشید القادری صاحب جمشید پور

اسمیں کوئی شک نہیں کہ مولانا ایک تہائی صدی سے اپنے مسلسل تبلیغی
 اسفار کے ذریعہ طول و عرض میں دین و سنیت کی جو عظیم خدمات انجام دے رہے
 ہیں اس کے تابندہ نقوش اور لہکتے ہوئے آثار دینی اداروں مذہبی تنظیموں اور
 جتنی جاگتی مسلم آبادیوں کی صورت میں جگہ جگہ دیکھتے جاسکتے ہیں لیکن الہ آباد
 کی سرزمین پر ان کے عشق و اخلاص اور محبت و ایثار کا وہ نقش دیکھنے کی مجھے
 ایک عرصہ سے خواہش تھی جسے ملک کے طول و عرض میں دارالعلوم غریب کہتے ہیں

تہذیب و تمدن کے عالمی مرکز کی سرپرستی و رٹ اسلامک مشن برطانیہ۔

خطیب مشرق کی شخصیت نصف صدی تک ہندوستان کے افق
سنیت پر چھائی رہی انھوں نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے نقطہ نظر کو اپنی
جادو بیانی سے عوام کے دلوں میں جاگزیں کیا۔ اور عشق مصطفیٰ کا سوز لاکھوں
انسانوں کے دلوں میں برپا کر دیا۔ ۱۷

تہذیب و تمدن کے عالمی مرکز کی سرپرستی و رٹ اسلامک مشن برطانیہ۔

”جماعت اسلامی کا شیش محل“ خطیب الملت علامہ مشتاق احمد
صاحب نظامی کا ”خون کے آنسو“ کے بعد دوسرا شاہکار ہے۔ سچ جاننے
وقت کی قلت مانع ہو گئی ورنہ جی سی چاہ رہا تھا کہ پوری کتاب پڑھ کر ہی ٹھو
پیش لفظ نے میرے اشتیاق کو اس قدر بڑھا دیا کہ اب میں سر سے پر تک
مشتاق نظر آ رہا ہوں پیش لفظ ہی سے یہ اندازہ باسانی لگ جاتا ہے کہ اس
کتاب کا اندازہ کچھ ایسا ہے ۱۸ آنکھیں میری باقی ان کا۔ ۱۷

تہذیب و تمدن کے عالمی مرکز کی سرپرستی و رٹ اسلامک مشن برطانیہ۔

آپ سے اہلسنت و جماعت کی عظمت قائم تھی۔ ناموس سنیت کے بہت
بڑے محافظ تھے۔ پاسبان اور نہایت عمدہ تصانیف کے ذریعہ آفاقی سطح
پر اپنے تبلیغ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اپنی اثر آفریں تقاریر اور نورانی
خطابات سے ایک عرصہ تک بھارت کے مسلمانوں کے ایمان و ایقان کی آبیاری
فرمائی۔ میرے پاس الفاظ نہیں جن سے اپنے قلبی تاثرات بیان کر سکوں۔

اس دور میں مرحوم! اسلاف کا پیکر جمیل اور اخلاف کے لئے مینارہ نور

۱۷ حجاز جدید دہلی جنوری فروری ۱۹۹۱ء ۱۸ جماعت اسلامی کا شیش محل۔

تھے۔ مشائخ کے ممدوح، علماء کے ممدوح، خطباء کے رہنما اور اہل قلم کے رہنما
تھے۔ سبک کے محافظ، عقائد صادقہ کے پاسبان، اور عصر حاضر میں ایشیا کے
ناقابلِ تخریب مناظر، جملہ اوصاف حمیدہ کے جامع، وہ عظیم قلم کار جو ہر سنی عالم و شیخ
کے وصال پر تڑپ تڑپ جلتے تھے۔ اور وارفتگی کے عالم میں پکاراٹھتے تھے۔

اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں

جی میں کیا آیا کہ پا بند نشیمن ہو گئیں

نہ جانے پا بند نشیمن ہونا آپ نے کیسے گوارہ فرمایا مجھے تو یوں

مُسوس ہو رہا ہے کہ آپ آزاد ہو گئے۔ اور ہم پا بند۔ رہا نشیمن کا تعلق!

تو وہ مقام جو آپ نے حاصل کیا اب اور کون کرے؟

علامہ نسیم بستوی مدظلہ العالی کے ایک مکتوب گرامی میں "دعوتِ فکر"

پر خطیب مشرقِ رحمۃ اللہ علیہ کی پسند کا اظہار تھا اس وقت دل میں آیا کہ حضرت

صاحبِ فراش ہیں صحبتِ بانی پر احوالِ زندگی طلب کروں گا۔ اور پھر مضمون کی

شکل دی جائے گی۔ مگر ہائے افسوس

ہلے بسا آرزو کہ خاک شدہ

خون کے آنسو نسیمِ رحمت، فردوسِ ادب، عقائدِ اہلسنت، کربلا کا

مسافر، ہند کے راجہ، جماعتِ اسلامی کا شیش محل اور پاسبان کے فائل میری

آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ ایک ایک کو تصویر میں پڑھا اور پڑھتا

چلا گیا۔ نہ معلوم! آج لذتِ کچھ سوا تھی! پھر ان تصورات کو علمی جامہ

پہنایا۔ اور فوراً کتاب، دیوبند کا نیا دین، ہاتھوں میں لی! ابتدائیہ دیکھا اور

دیکھتا ہی چلا گیا۔ ہر لفظ عجائبات کی دنیا لئے ہوئے تھا۔ حالانکہ یہی کتاب

جب پہلی بار میری نظر سے گذری تو میں نے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی

یوں ہی ورق گردانی کی۔ اور کہتے ہوئے چھوڑ دی کہ "خون کے آنسو" کے

بعد معاملہ ختم۔ لیکن آج اس کتاب کے ابتدائیہ نے۔ روئگئے کھڑے کر دیئے
 مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جن مشتاق ہاتھوں نے ان الفاظ کی حسین صورت
 میں۔ جواہرات کی کڑیاں پر دیں۔ ان ہاتھوں کے مشتاق الفاظ بھی روئے ہیں
 اسی لئے تو میرے قلب و جگر آج بے حد متاثر کر رہے ہیں۔ اس پر میری چھٹی محسوس
 فیصلہ دے رہی تھی۔ کہ اہل علم و قلم جب اس دار فانی سے راہی بقا ہوئے ہیں
 تو ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک نقطہ، غم و الم کا دائرہ بن جاتا ہے یہی
 وجہ ہے کہ مصنف کی قدر و قیمت اس کی دنیوی زندگی میں اتنی نہیں ہوتی جتنی
 قید حیات سے آزادی پر۔

خطیب مشرق علیہ الرحمۃ ان خوش قسمت مصنفین کی صف میں ممتاز
 مقام رکھتے ہیں جنہیں ہر جگہ قدر و منزلت حاصل رہی۔ لے

حضرت مولانا ابوالقادر مصباحی ہالینڈ۔

وہ شیرنیستاں سنیت، باطل شکن جرات و ہمت والا بے باک جری
 اور بہادر، دور اندیش مصلح اور مفکر، اہل کید کی چالوں کو تار جالنے والا، وہ چیتے
 کی نظر اور شیر کی جرات و بسالت والا، ایمان عقائد کے لئے، سیاست و مصلحت
 کو روند ڈالنے والا جو محبوب رب العلین کی عزت و شوکت کے لئے تاحیات
 بے چین و مضطرب رہا۔

علامہ نظامی علیہ الرحمۃ ہمارے علمائے سلف کی بزمِ دوشیہ کے محرم راز تھے
 ان کی رشحاتِ قلوب و اذہان کی طائیت کا نسخہ کیسیا تھے۔ تقریر و خطابت
 کے تو بادشاہ تھے۔ مولائے قدیم نے ان کو شیریں بیانی و قادر الکلامی جاؤت
 علمی و دسترس، اپنے مشن سے خلوص و عقیدت اور بالخصوص تفہیم کا ملکہ عطا فرمایا
 تھا۔ باریک سے باریک مفہوم کو تمثیل کا جامہ پہنا کر سامعین کے قلوب میں تار و تاب
 لے تعزیتی مکتوب۔

ان کا خاصہ تقاضا۔

علامہ موصوف کی متعدد تصانیف اور پاسبان کے ادارے ان کے
قالب کی بے قرار روح کے آئینہ دار ہیں لیکن بے لوگ ان کی تقاریر کو فراموش کر
جائیں مگر انھوں نے اپنے خوں بار قلم سے صفحہ قرطاس پر جو کچھ رقم کر دیا ہے
وہ اہل ذوق کو ان کا مشتاق رکھنے کے لئے از بس ہے۔ ان کی زندگی کا تو ملحہ
محفوظ رکھنے کے لائق ہے سبیت کے فروغ و استحکام میں رضوی پرچم تلے،
محدث اعظم ہند کچھو چھوی مفتی اعظم ہند، سید العلماء، حضور حافظ ملت، مجاہد
امین شریعت وغیرہم علیہم الرحمۃ کے ساتھ جو قافلہ رواں دواں تھا۔ علامہ نظامی
اس کے بے باک نقیبوں میں شامل تھے جن کی خدمات کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ یہ
اکابر انھیں اور ان جیسے گھینوں کے قدر شناس تھے اور علامہ نظامی ان کے
حق میں ان جیلے جواں مردوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ جو اشارہ ابرو پر اعدا
اسلام سے برسر پیکار ہونا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ لہ

حضرت مولانا غلام مصطفیٰ اکوثر راج شاہی پاکستان

عزیز گرامی وجاہت رسول ایم اے کی وساطت سے خون کے آنسو کی
دونوں جلدیں مجھ تک پہنچیں سحر نگاری کا یہ اثر ہوا کہ جب تک دونوں جلدیں
ختم نہ ہوئیں دم نہ لیا اظہار حقیقت کا یہ انداز عجیب نرالا ہے ہر منصف مزاج
آپ کی اس خدمت کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گا۔ ہزاروں ناواقف واقف
ہوں گے۔ ہزاروں گم کردہ راہ، راہ نجات پائیں گے۔ لہ

حضرت علامہ عبدالحکیم شرف تادی جامعہ نظامیہ لاہور

مولائے کریم جل مجدہ نے انھیں زبان و قلم پر پورا کنٹرول عطا فرمایا تھا
لہ حجاز جدید جنوری فروری ۱۹۱۳ء ۱۵ پاسبان نومبر ۱۹۶۳ء

اسی لئے خطابت کا اسٹیج ہو، مناظرہ کارن ہو یا تصنیف و صحافت کا میدان ہر جگہ وہ ممتاز اور نمایاں نظر آتے تھے۔ انھوں نے ماہنامہ پاسبان جاری کیا اور طویل عرصہ تک کامیابی سے چلاتے رہے۔ سنی تبلیغی جماعت قائم کی۔ دارالعلوم غریب نواز گیارہ ایک دنیا انھیں خون کے آنسوؤں کے مولف کی حیثیت سے جانتی تھی۔ میدان مناظرہ میں بڑے بڑے چغادری مناظروں کو بچھاڑا اور تمام زندگی پر حیم اسلام بلند کرنے اور سنیت کا پھر یہ الہ لانے کے بعد اپنے رب کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ انھوں نے بڑی کامیابیوں پر مصروف زندگی گزاری۔ لے

مولانا سید عبدالحق قادری چشتی علیہ الرحمۃ دھوراجی۔

بابونظامی بھٹی سے دھوراجی تک میرے شریک سفر رہے سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بابو مشتاق احمد نظامی نے تقریباً ڈھائی ہزار روپے سے زائد کی ایک قطعہ زمین جو وسط شہر الہ آباد میں ہے اس کو دارالعلوم کے لئے وقف کر دیا ہے۔ میرے نظامی کئی کروڑ سنی مسلمانوں کے نمائندے ہیں۔ اب تک انھوں نے مناظرہ، تحریر و تقریر سے سنیت کی خدمات انجام دی ہیں۔ بابو نظامی نے اپنے مدرسے کا نام دارالعلوم غریب نواز رکھ کر میرا دل جیت لیا ہے۔ یہ ان کا نہیں بلکہ میرا دارالعلوم ہے۔ لے

حضرت علامہ سید محمد حسان صنا خان قبلہ سجادہ نشین خانقاہ ضویری ملی ٹریف

چونکہ موصوف کی ذات اعلیٰ کردار کی حامل تھی اور بالخصوص دیوبند و بابیہ کے لئے تو شمشیر برہنہ تھی جیسا کہ تصنیفات اور ان کی دیگر خدمات سے ظاہر ہے۔ حضرت علامہ نظامی صاحب قبلہ پوری ملت اسلامیہ کے لئے مولیٰ تھے۔ لے تعزیتی مکتوب۔ لے پاسبان ستمبر ۱۹۶۳ء لے تعزیتی مکتوب۔

مولانا سید محمد شمس میاں کچھوچھو شریف

حضرت علامہ نظامی صاحب نور اللہ مرقدہ کی حیات و خدمات ان کی بیکراں شخصیت، ان کی انفرادیت، اہلسنت و جماعت کے تشخص کی علامت تھی، ان کی زبان پر امام رضا کا خاموش قلم بولتا تھا۔ ان میں اور ہم میں فرق یہ ہے کہ ہم بولتے ہیں تو آپ جیسے لوگ سنتے ہیں لیکن جب وہ بولتے تھے تو مفتی اعظم محدث اعظم، حافظ ملت، مجاہد ملت، صدر العلماء، صدر الافاضل، صدر الشریعہ جیسے لوگ سنتے تھے۔ لہ

اور بقول الحاج حافظ لعل محمد قادری معتمد دارالعلوم غریب نواز الہ آباد ضلع گونڈہ موضع اترولہ کے دو روزہ اجلاس میں پہلے روز تقریر کے بعد علامہ سید شمس میاں نےعوام سے کہا کہ آج تو میں نے تقریر کی اور کل کے اجلاس میں وہ شخصیت تشریف لارہی ہے جن کے لئے تقریر پیدا کی گئی اور جو تقریر کے لئے پیدا کی گئی۔

مولانا منصور علی خاں سکرٹری آل انڈیا سنی جمعیت العلماء اہل سنت

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خطیب مشرقِ ردوہا بیہ کے میدان میں ہم سب کے اہم ہیں انھوں نے اندازِ خطابت و طرزِ نگارش کو نیا اسلوب دیا ہے۔ مسالکِ اہلسنت کی ترجافی کا انھیں کو حق ہے انھوں نے کتنوں کو خطیب بنا دیا ہے۔ ایک لمحہ کا ساتھ نہ تھا بلکہ مکمل ۲۵ سال کا رابطہ تھا ان کی شفقت و محبت کم و زنی و ذرہ نوازی ان کا احسان زندگی بھر لائے گا۔

علی ان کی شفقت دلایا کونے گی مجھے۔ ۷

۱۷ مجاز جدید جنوری فروری ۱۹۹۹ء ۷۲۷ پاسبان اسلام آباد و تعزیتی مکتوب۔

محبت محترم مولانا ڈاکٹر غلام محییٰ الحسن مصباحی جامعہ مہارود دہلی۔

جن دو جلیل القدر شخصیتوں کی تقریریں سننے کے لئے میں نے کنوینشن
میں شہر حال کیا تھا ان میں سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ مارہروی
رحمۃ اللہ علیہ اور دوسری نامی گرامی شخصیت حضرت پاسبان ملت علامہ نظامیہ
صاحب کی تھی۔ اشرافیہ میں ہونے والی تقریریں بھی تھی اور سمجھی بھی تھی۔ اس فصاحت
وبلاغت اور نکتہ آفرینی نے قریب سے مل کر بات کرنے کی مزید خواہش دل میں
ڈال دی تھی ان کی باتوں میں گہرائی بھی تھی اور گیرائی بھی، بلاشبہ وہ پڑھے لکھے انسان
تھے۔ سستی شہرت کے قائل نہیں تھے۔ کچھ کر دکھانے کو بہتر اور افضل سمجھتے تھے
جب تک زندہ رہے زبان و قلم خدمت دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے
وقف رہا۔ مال و دولت کا دافر حصہ قوم کے غریب و نادار طلبہ کی کفالت میں
خرچ ہوتا تھا۔ زبان لسان العصر تھی، دین کی اہم باتوں کو روزمرہ کی زندگی
میں پیش آنے والی چیزوں سے اس طرح مثال دے کر سمجھاتے کہ ادنیٰ درجے کا
دماغ رکھنے والا انسان بھی آسانی سے سمجھ لیتا۔ ہاں اتنی بات ضرور تھی کہ ان
کی تقریر کا لطف اسی وقت دو بالا ہوتا تھا جب وہ اپنوں میں بولتے۔
سنگلاخ زمین میں نہ تو تقریر کرنے کو بہتر سمجھتے اور نہ ہی اس کے لئے راضی ہوتے
دوران تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی "مرکز تعلیمات اسلامی" کے زیر اہتمام مدعو
کرنا چاہا۔ اس سلسلے میں الہ آباد حاضر ہو کر دولت کدے پر حاضری دی، مگر
علامہ نے یہی فرمایا کہ وہاں کی زمین میرے لئے سازگار نہیں ہے۔ میں نے خاموشی
اختیار کر لی۔ جرح و قدرح کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

بہر حال فن خطابت کے کچھ ایسے اسرار و رموز سننے انہیں واقفیت
تھی کہ جس کے سبب مدتوں ان کی تقریر کا غلغلہ رہا۔ حوادثِ ایام سے ان
کے اس فن پر ذرہ برابر بھی اثر نہ پڑا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے

وہ یہ ہے کہ علامہ نظامی وہ واحد ذات تھی جن کی خطابت کا سکہ تادم زلیست چلتا رہا۔ نظامی صاحب عام علماء سے ہٹ کر جداگانہ طرز فکر کے مالک تھے۔ چھوٹوں کو ابھارنا باصلاحیت کی ہمت افزائی کرنا ان کے حسب صلاحیت نشوونما کرنا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ ہر طبقہ میں مقبول تھے۔ چھوٹے بڑے سب ان کی عزت کرتے تھے اور علامہ اپنے تبسم ریز ہونٹوں سے سب کو اپنے قریب کر لیتے تھے ان کی شخصیت کو ہمہ گیر بنانے میں ان کے اس خلق حسن کا اہم کردار رہا ہے۔ لہ

جَنَابِ عَبَّادِ الْغَنِيِّ مَہَا جَرَدَنِي مَدِينَةُ مَنُورٍ

”خون کے آنسو“ حضرت قبلہ مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب قادری نے اس حقیر کو بغرض مطالعہ عنایت کی۔ اکثر اس قسم کی کتابیں مولانا موصوف عنایت کیا کرتے ہیں مگر جو خوبی آپ کی مذکورہ بالا کتاب میں پائی گئی وہ کہیں دیکھنے میں نہیں آئی جن حقائق کو آپ نے مخالف گروہ کی کتابوں کے حوالہ جات سے بیان اور ظاہر کیا۔ درحقیقت ”ان کا جو تا ان کا سر“ کے مصداق ہے۔ فی الحقیقت آپ نے عام مسلمانوں کے ساتھ بڑا احسان کیا ہے جن کو علماء سوء اور قوم کے رہنماؤں نے ”فٹ بال“ بنا رکھا ہے۔ خدا کرے عوام مسلمان ان حقائق کو پڑھیں اور پھر سوچیں اور ہدایت پائیں۔ آپ نے جس قدر محنت اور وسیع مطالعہ کے بعد اس کتاب کو ترتیب دے کر حقائق کو بیان فرمایا، قابل تحسین و داد ہے۔ لہ

مَوْلَانَا قَاضِي عَبَّادِ السَّمِيعِ قَاضِي شَہَرِ کَآپُورِ

خطیب مشرق علامہ شتاق احمد نظامی ہماری جماعت کے خالص مذہبی

لہ محاذ جدید مارچ اپریل ۱۹۹۱ء لہ خون کے آنسو دوم

دینی پیشوا درہنما ہیں۔ آج تک انھوں نے سیاست حاضر سے اپنا دامن طوٹ نہیں کیا۔ ملک دوستی میں ان کے بیانات شائع ہوئے ہیں مگر وقت کی سیاسی سرگرمیوں میں انھوں نے کبھی بھی حصہ نہیں لیا۔ اس کی روشن دلیل یہ ہے کہ علامہ نظامی برسوں سے ”آل انڈیا سنی جمعیتہ العلماء“ بمبئی کے جنرل سکریٹری ہیں مگر موصوف نے کبھی کسی مسئلہ میں غیر آئینی احتجاج یا ایجنڈیشن وغیرہ جیسی ہنگامی تحریک کے لئے جماعت کو استعمال نہیں کیا۔ ہم نے موصوف کو بہت قریب سے دیکھا ہے ان کے سیلے میں اپنی جماعت کے لئے اک تڑپتا ہوا دل ہے۔ وہ ایک ساحر البیان مقرر ہی نہیں بلکہ مدرس، مناظر اور اپنے مخصوص طرز نگارش کے ایک ممتاز صاحب قلم ہیں۔ ۲۵، ۳۰ سال کی طویل مدت میں جو ادارے کام نہ کر سکے محض پانچ برس کے مختصر وقفہ میں علامہ نظامی نے الہ آباد جیسی سنگلاخ زمین میں دارالعلوم غریب نواز کو باغ و بہار بن کر اپنے عزم راسخ کا عملی ثبوت دیدیا۔ ماہنامہ پاسبان الہ آباد کو رابطہ بنا کر اپنے زور قلم سے مسلسل اپنی سوچی ہوئی قوم کو جگاتے رہے۔ ماہنامہ پاسبان نے اپنے قارئین کے قلب و جگر پر جو نقوش چھوڑے وہ مٹنا تو درکنار ابھی دھندلے بھی نہیں ہوئے ہیں۔

عالمگیر محمد عثمان عار سابق گورنر اتر پردیش۔ عار منزل بیکانیر۔

علامہ عالم و مبلغ دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے انسان تھے۔ ان کے وصال سے علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے پر ہونا مشکل ہے۔ ۲۵

مولانا سید اسرار الحق سابق ایم۔ پی۔ و صدر آل انڈیا قومی ایکٹائیٹی کوڑہ۔

ہندوستان کا بچہ مولانا مشتاق احمد نظامی سے متاثر ہے۔ مولانا مشتاق احمد نظامی مجھ سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے وہ مکتبہ بریلوی کے

۱۵ ماہنامہ پاسبان جنوری ۱۹۶۲ء ۲۵ تعزیتی مکتوب۔

ہونا رپوت ہی نہیں بلکہ تاریخ میں یاد رکھنے والے مولانا مشتاق احمد
 نظامی طبقہ اہلسنت میں فراموش نہیں کئے جاسکتے۔ مولانا کے ساتھ جب بھی شب
 دروز گزارے گئے تو اپنی خدمات اور مذہبی تعلیم کا ایک نہ بھولنے والا وقت
 گزارا۔ ہندوپاک کا کوئی بھی علاقہ ایسا نہیں تھا جہاں مولانا مشتاق احمد نظامی
 کی خطابت کا سکہ نہ بیٹھا ہو۔ موصوف کی متعدد تصانیف آج بھی ہندوپاک
 کے مدرسوں اور علمی مکتبہ فکر کے لوگوں میں پڑھی اور یاد کی جاتی ہیں۔ دینی خدمات
 کے سلسلے میں آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ اور سنی جمعیۃ العلماء اذین تبلیغ اہلسنت اور
 جماعت رضائے مصطفیٰ کا کوئی ایسا اسٹیج نہ تھا جو مولانا کے دم قدم سے
 پر رونق نہ رہا ہو۔ اور مولانا کا قائم کردہ دارالعلوم غریب نواز ایک امانت
 مسلمان اسے زندہ رکھنے کے لئے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیں۔ لے

علامہ محمد امین کامل سہسری علیہ الرحمۃ بیہا

خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کی ذات گرامی اپنے
 تنوع کے اعتبار سے ایسی ہمہ گیر ہے کہ ان کے معاصرین میں بحیثیت مجموعی کوئی
 دوسری مثال نظر نہیں آتی ایک ہی وقت میں بے مثل خطیب، صاحب طرز انشا
 پرداز، تحقیق بدوش منت، ایک چلتی پھرتی انجن اور ایک متحرک درس گاہ ہیں
 آج ملک کی نہ جانے کتنی درس گاہیں حضرت مدوح کی جدوجہد کی رہیں منت
 ہیں۔ علامہ نظامی کی تحریک پر مسلمانانِ میسور نے شیر میسور کے جوار میں ”جامعہ شیپو“
 قائم کی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ نظامی صاحب کی جرأت و حق گوئی اور شیپو شہید کی
 تاریخی روایات جامعہ شیپو کا بنیادی مقصد تعلیم ہو گا۔ لے

۱۵ ہفت روزہ نیشنل ایکٹا دہلی ستمبر ۱۹۹۷ء لے پاس بان مئی ۱۹۹۷ء

مولانا عبد اللہ خاں اعظمی ایم۔ پی راجیہ جہانمی دہلی۔

مولانا مرحوم زندگی بھر مسلک کی اشاعت اور تحفظ مذہب کے لئے بے چین رہے ان کی خدمات اہلسنت کے لئے یادگار رہیں گی۔ لہ
علامہ مفتی عبد القدیر صاحب ناگپور۔

حضرت کی خدمات بالخصوص سنیت کی اشاعت پر زندگی لگا دینا اور تصنیف و تالیف اور تقریر اور تعلیمی و اصلاحی اداروں کا قیام عمل میں لایا۔ یہ ساری خوبیاں صرف حضرت کی ذات میں موجود تھیں کسی دوسرے عالم میں نہیں یہ قدرت کی عطا تھی کہ جیسی آپ کی تقریر تھی اس سے بڑھ کر آپ کی تحریر تھی۔ لہ
حضرت علامہ مفتی جلال الدین قادری براؤں شریف۔

مولانا مشتاق احمد نظامی کی ذات گرامی قابل صد ہزار تحسین ہے کہ انھوں نے باطل کی نقاب کشائی فرما کر احقاق حق کیا لہ
مولانا حکیم نقی خاں ناظم جامعہ عربیہ نوار العلوم جین پور۔

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کو میں برسوں سے جانتا ہوں اور ان کی چند در چند صلاحیتوں کا معترف ہوں لیکن اس کا نفرنس نے ان کی بہت سی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کر دیا۔ ۲۰ اکتوبر سے ۳ اکتوبر تک مشب میں تقریر کرنا اور دن میں بخار کی حالت میں تجاویر مرتب کرنا اور ایجنڈے کی ترتیب دینا وغیرہ وغیرہ یہ انھیں کا کام تھا۔ پچھلے ۴ لاکھ سے زائد اجتماع پر کنٹرول کرنا کسی اور کے بس کی بات تھی۔ ان کی ایک آواز پر سناٹا لے تعزیتی مکتوب لے

چھا جاتا۔ سارے رضا کار حرکت میں آجاتے۔

۳۱ اکتوبر کو جب دفتر مجلس استقبالیہ میں آپ رضا کاروں کے قائد کو ہدایت دے رہے تھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مدتوں رضا کاروں کی قیادت کر چکے ہیں میں یقین رکھتا ہوں کہ علامہ نظامی نے اس کانفرنس میں وہ رول ادا کیا جو صرف انھیں کا حصہ ہے مختلف موڑ پر ان کی حکمت عملی کام آئی۔ اور انھوں نے حسن تدبیر سے ایسی خوشگوار فضا پیدا کر دی کہ جس کا یقین آج نہ سہی کل سبھی کو کرنا ہو گا۔ میں علامہ نظامی کو ایک بہت ہی کامیاب مقرر اور اہل قلم سمجھتا ہوں مگر کانفرنس میں ان کی گونا گوں صلاحیتوں کو دیکھنے کے بعد اب میں تمنا ان کو ایک جماعت سمجھتا ہوں۔ لہ

استاذی حضرت علامہ سید اختر مصباحی سابق شیخ الادب الجامعۃ الاشرفیہ یحجاز مدظلہ

یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اہلسنت و جماعت کے خطباء و مقررین کا تقریر و خطابت کے میدان میں کوئی جواب نہیں لیکن میں نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں تو سبحان اللہ حضرت مولانا ابوالوفا قصی غازی پوری اور خطیب مشرق مولانا مشتاق احمد نظامی کو مدھی اسٹیج کی دنیا میں آفتاب و ماہتاب پایا۔ ان کی تقریروں میں موجوں کا تلاطم بھی ہوتا اور آبشار کی روانی بھی شیر کی گھنچ بھی ہوتی اور ریل کی چھباہٹ بھی۔ علم و فن کی روانی بھی ہوتی اور فکر و بصیرت کا ٹھہراؤ بھی، معنی آفرینی کا کمال بھی ہوتا اور الفاظ کا حسن انتخاب بھی، مدح و ستائش کے پھول بھی جھڑتے اور نقد و نظر کے تیز بھی چلتے جس سے محفل میں اک سماں بندھ جاتا اور سامعین و حاضرین ہمہ تن گوش ہو جاتے۔

حضرت مفتی عبدالرشید ناگپوری علیہ الرحمہ کی دعوت پر دس روزہ پروگرام میں مجھے بھی حضرت نظامی صاحب کی رفاقت میسر آئی تھی۔ جامعہ

عربیہ ناگپور میں قیام تھا اور وہیں سے وہ جلسوں میں شریک ہو کر اپنی خطابت کا جو ہر دکھاتے بخل خدا آپ کی تقریر سننے کے لئے ٹوٹی پڑتی تھی۔
ہندوستان کے گوشے گوشے میں آپ کی خطابت کی دھوم مچی مگر نظام قدرت دیکھے آخری وقت میں فالج کے شدید حملہ نے انھیں بے زبان بنا دیا بولتی ہوئی زبان خاموش ہو گئی، سکتہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

جی خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری
جب اس کی رگوں میں خون زندگی رواں تھا جب اس کی نگاہ برق
کی کوئی تاب نہ لاسکتا تھا جب وہ اپنی ایک جست میں شکار کو دبوچ لیا
کرتا تھا اور اس کا فولادی پنجہ اپنے شکار کی گردن توڑ کر اس کے چلی پھڑے
اڑا دیا کرتا تھا جب اس کی شوکت و حشمت کا ڈنکا بج رہا تھا اور جب اس
کی ایک چنگھاڑ پورے جنگل کا سناٹا توڑ کر فلک پہاڑوں سے ٹکرا جاتی تھی
اور وحوش و طیور ہر بیت و دبدبہ سے سہم اٹھتے تھے۔

ضیغم ڈکارتا ہوا نکلا کچھار سے

ہاں وہ شیرنستان اہلسنت تھا۔ وہ میدان خطابت کا شہ سوار
تھا۔ وہ بولتا تھا تو مرد مجاہد کا گرم خون اس کی رگوں میں برق تپاں بن جایا
کرتا تھا۔ اس کے چہرے پر فاروقی عظمت و جلال کی لکیریں ہو دیا ہو جاتے
تھیں۔ اس کے ہاتھ ہوا میں اس طرح لہرتے کہ ضربت بیدار لہتی کا نقشہ چشم تصور
کے سامنے پھر جاتا اور اس کے لمحے کی کاٹ ایسی تھی کہ ذوالفقار حیدری کا کمان
ہونے لگتا۔

دل دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

لہ حجاز حیدر۔ دہلی دسمبر ۱۹۹۰ء

جناب خورشید خان قریشی ہری نگر۔

یہ ہندوستان ہے۔ اس ملک میں موت کے بعد ہی کسی مخلص اور سرزوش
ستی عالم دین اور زبان و قلم کے بے تاج بادشاہ کے بارے میں جاننے کی کوشش
کی جاتی ہے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے درمیان ایک نگینہ، ایک ہیرا اور
موتی موجود ہے جو اپنی عالمانہ صلاحیت و قیادت، بلند خیالی اور اپنی بے باکی
سے ذہنوں کو تازگی بخشتا ہے اور گم کردہ راہوں کو راہ دکھاتا ہے۔ موت کے
بعد ہی لوگ جان پاتے ہیں کہ ہمارے درمیان ایک صاحب بصیرت، ایک
صاحب دل، ایک صاحب دانش موجود تھا۔ بیشک علامہ نظامی صاحب
ملکی سطح پر پیش تر حصوں میں دینی سیاسی، سماجی خدمت کی بنیاد پر مقبول
بن جانے کے واقعی مستحق تھے۔ ان کی خوبی یہ تھی کہ انھوں نے اپنی پوری عمر میں
تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ قلمی خدمت کی لیکن قلم کا سودا نہیں کیا۔

حضرت پاسبان ملت شہرت و مقبولیت اور نام و نمود کے قابل نہ
تھے جو ان کی عظمت و دیانت کی دلیل ہے وہ دین کے بارے میں دو ٹوک
بات کہتے تھے۔ ان کے دل میں جو بات ہوتی تھی وہی زبان پر آتی تھی۔ بستی
نظام الدین دہلی کی تبلیغی جماعت کے مرکز کی طرف سے حنفی مسلک کے روپ میں
نگو نگر کلمہ اور نماز کی آڑ میں عالمی سطح پر بد عقیدگی پھیلانے کے دفاع میں حضرت
موصوف نے تقریباً ۱۳ سال قبل ان کے طرز عمل پر کل ہند سطح پر اہلسنت و
جماعت کی ایک اصلاحی تحریک سنی تبلیغی جماعت کی بنیاد ڈالی تھی۔ ملک میں
جب بھی علمائے اہلسنت کے علم و ادب کا ذکر ہوگا تو ان کی خدمات کو سہرے
حروف سے لکھا جائے گا۔ افسوس اس کا ہے کہ ہم نے قوم کے اس درد مند
اور بلند پایہ مفکر کو کالفرنسوں اور اسٹیجوں پر صرف ایک مبلغ اور مناظر کی حیثیت
سے متعارف کرایا۔

عصر حاضر میں اہلسنت کے علم دوست اور بے مثال عالم دین تھے۔
جو باریک بینی کے ساتھ حالات و واقعات کا مشاہدہ کرتے تھے۔ لہ

جناب شکیل بدایونی بمبئی۔

پاسبان الہ آباد کے مدیر محترم مولانا مشتاق احمد نظامی صاحب کا بے حد
شکر گزار ہوں کہ اس دور میں جبکہ مادیت کا عنصر ذہنوں پر چھایا ہوا ہے
اور انسانیت ایک تاریک راہ سے گزر رہی ہے پاسبان نے روحانیت
کی تبلیغ کر کے ہماری تہذیب کو بلند کرنے کی ہم جاری کر دی ہے۔ سچ انسانیت
کی تعمیر کرنے اور روحانیت کو نکھارنے کا سہرا یقینی طور پر پاسبان کے
سر ہے۔ لہ

مولانا ظہیر الدین قادری۔ ایڈیٹر استقامت کان پور یو۔ پی۔

علامہ نظامی کا شمار اکابر علماء میں تھا آپ اہلسنت و جماعت کے
ایک عظیم قائد اور ایک ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ بہترین مناظر بے مثال
مقرر، بہت سی کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم صحافی تھے۔
علوم دینیہ میں آپ کسی محدث و مدرس سے کم نہ تھے۔ اردو ادب میں آپ کو
بے پناہ ہمارت حاصل تھی۔ دلائل و براہین میں آپ لاثانی تھے بحیثیت
مجموعی آپ اپنی ذات سے مجمع الکامالات تھے۔ ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالم
اسلام میں آپ کے لئے محبت و عقیدت کے زبردست جذبات پائے جاتے
ہیں۔ آپ کی شخصیت میں ایسی کشش تھی جو مقابل کو خود بخود ان کی پیروی و
تالبعاری پر مجبور کر دیتی تھی۔ لہ

لہ حجاز جدید دہلی۔ مارچ، اپریل ۱۹۹۱ء لہ ماہنامہ پاسبان جولائی ۱۹۶۱ء
لہ تعزیتی مکتوب۔

علامہ مفتی اشفاق حسین صاحب نعیمی

مکہ مکرمہ سے جب مدینہ منورہ حاضر ہوا تو شیخ الاسلام حضرت مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے سر ہاتھ آپ کی تصنیف لطیف "خون کے آنسو" جلد اول رکھی ہے۔ درمیان گفتگو اس کتاب کے ساتھ متعدد بار آپ کا تذکرہ رہا۔ اور حضرت نے بے پناہ دعائیں آپ کو دیں اور مجھ سے تاکید فرمائی ہے کہ ہندوستان پہنچ کر خون کے آنسو حصہ دوم ضرور بھجوا دینا۔

میرے بھائی مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ "خون کے آنسو" مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علماء و مشائخ کے دلوں میں اپنا گھر بنا چکی ہے جس کی مقبولیت کی یہ بہت بڑی ضمانت ہے۔ اے

مولانا شبیہ الفتادری پوکھریوی۔

کہوشتاق احمد کو کہ آئیں اس کو پڑھنے کو
قصیدہ لکھ رہا ہوں ایک مداح محسود کا
سید افتخار اکابر و اعظم علامہ شتاق احمد نظامی کی عہد آفرین ات
گرامی جن کی ہر سہرا داسے کرشمہ قدرت کا حسن جھلکتا ہے میں نے ان کی تحریرو
تقریر اور علم و فن کے کروفر کی سالاہ سال کی عقیدت کی بنیاد پر کچھ لکھنے پڑھنے
کی جرات نہیں کی ہے بلکہ ان کو سنیت کی آبرو سمجھتے ہوئے نذرانہ داد و تحسین
کے لئے قلم کی روشنائی کا غذیر اہل پڑی ہے

زباں کلک تو حافظہ چہ شکران گوید
کہ تحفہ سخنش می بر بند دست بدست

۱۷ پاسبان نومبر دسمبر ۱۹۶۳ء

ویسے تو ہمارے ناخداے ملت بہت سارے ہیں لیکن خلوص کی نعمت جو علامہ نظامی صاحب میں ہے بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن

اوروں کی ازاں اور مجاہد کی ازاں اور

پاسبان کی تحریر بالخصوص "شذرات" کی تحریر نے اچھے اچھے ادیبوں سے خراج تحسین حاصل کیا۔ اور بہت سے لوگوں کو اس زمانے میں میں نے یہ کہتے سنا کہ "نظامی کی تحریر کی لذت سے لذت ہو کر ابوالکلام آزاد کی لذت بھول گیا"۔

کس کو یا رہے کہ خورشید کے آگے چمکے

شمع گل ہوتی ہے سورج کی ضیا سے پہلے

میں "پاسبان" کے صفحات پر ان کے سوز دل کو سنیت کے لئے تحریری شکل میں شعلوں کی صورت اختیار کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ اور آرزو تھی کہ ان کی تقریر بھی سن لوں لیکن خدا نے ۱۹۵۹ء میں ایک مثالی جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پوکھر پر منظر پر میں جو میرا بھی وطن مالوٹ ہے منعقد ہوا جس میں محدث اعظم حضور مجاہد ملت، علامہ نظامی، مفتی عبداللہ مبارکپوری وغیرہم تشریف لائے۔ پاسبان کے ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ نظامی کے طائر وقار کا اشیانہ پہلے ہی سے میرے ذہن میں تھا جیسے ہی علامہ نظامی کی تقریر شروع ہوئی۔ میں جلسہ میں شریک ہو گیا چونکہ اسٹیج اکابر و اعظم پر تھا۔ اسلئے سامنے فرش پر شوق سماعت کا مجسمہ بن کر بیٹھ گیا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ زبان کا جادو ہے جو سارے مجمع کو مسحور کئے ہوئے ہے اور جمال معنی کی برہم زلفیں ان کے فن کی مشاطگی کو داد دینے کے لئے بے چین ہو رہی ہیں اور الفاظ کے کام و دہن سے موتیوں کی شکل میں اہل ایمان کے لئے

لالہ کے جگر کی ٹھنڈک اور باطل کے ایوان کے لئے ایک دہکتا ہوا انگارہ
پیدا کر رہے ہیں۔

علامہ نظامی نے سنیت کیلئے بہت کچھ دیا ہے۔ اپنے بعد اکثر علماء کو
دیوبندیت کی تردید کا نیا اور موثر انداز عطا کیا ہے خواہ تحریر ہو یا تقریر
یہ دونوں چیزیں ان کے در کی پہرہ دار ہیں اور ان کی فطری ہیں۔ ان کے کسب
کو مطلقاً دخل نہیں ان کا قلم خود بخود مضمون اگلتا ہے اور ان کی زبان پر خود بخود
الفاظ نکلنے کے لئے مچلتے ہیں حضرت حافظ نے کیا خوب کہا ہے۔

آب حیوانش ز منقار بلاغت می چکد

زاع کلک او بنام ایزد چہ عالی مشرب است

علامہ نظامی اپنے اسلاف کی یادگار ہیں، علامہ نظامی اہلسنت کے
سچے فدائی ہیں سنیت کے ایک جان نثار سپاہی ہیں آمیشد اعلی الکفار
دُخماء بینہم کی علی تفسیر ہیں۔

باورید گر این جا بود زباں دالے

غریب شہر سخنہائے گفتنی دالے

الفاظ و کلمات کی مرصع کاری، بیان و تعبیر کی رعنائی اور فکر و استدلال
کی نکتہ بینی، یہ سب سنیت کے لئے موثر انداز تردید ہیں۔ علامہ نظامی امام
اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے مسلاک کے سچے
اور پاک باطن تر جان ہیں۔ وہ دشمن رسول سے ہنس کر بات کرنا بھی ناموس
عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین عظیم سمجھتے ہیں۔

میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے وہ لاف زنی، اور

ہوا بندی سے کوسوں دور رہتے ہیں ان کا مرکز فکر صرف سنت کا نمود ہے
دوسرا کون ہے جو اپنے عشرت کدے سے لے کر محاذ جنگ تک صرف سنیت

ہی کی ترویج و اشاعت اور دشمنوں کی مذمت و مداخلت کا نقشہ اور خاکہ
تیار کرتا ہو۔ ۵

بلائے جاں ہے غالب اسکی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا ۱

علامہ ضعیف جالوی پٹنہ

خطیب مشرق اپنی جماعت کے مقتدر عالم کی حیثیت سے معروف
شخصیت ہیں آل انڈیا سنی جمعیت العلماء و علما کے پلیٹ فارم سے اور ماہنامہ
پاسبان الہ آباد کے صفحات پر دین و ملت کی جو خدمات انھوں نے انجام دی
ہیں انھیں زندہ رکھنے کے لئے کافی تھیں۔ لیکن ایک عرشی خیال منکر، ایک
عطار در قم ادیب، ایک زمرہ نگار مصنف، اور ایک فلک قار خطیب
ہونے کی حیثیت سے انھوں نے جو مقام حاصل کیا ہے اسے شریا کا عروج
حاصل ہوا۔ اور یہیں سے ان کی عظمت شان اور جلالت قدر کا سرغ ملتا ہے۔
میری اپنی نگاہ میں حضرت موصوف ایک بالغ نظر اور بلند نگاہ
مفکر ہیں، ایک متحرک اور فعال شخصیت ہیں۔ گرم سیر اور بلند گام ہیں۔ تھکنا
جانتے ہی نہیں۔ منزل پر پہنچ کر بھی آسودہ منزل نہیں ہوتے۔ نبض شناس
اور مزاج آشنا ہیں۔ ہواؤں کے رخ کو بھی پہچانتے ہیں اور وقت کے تیزو کو
بھی سمجھتے ہیں، بے غبار دل رکھتے ہیں، بے میل طبیعت پائی ہے، فطرت
صلح پسند واقع ہوئی ہے۔ لیکن جب ان کے سامنے دینی صداقتوں کو جھٹلایا
جاتا ہے تو بے نیام ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ سے
بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ دینی خدمت کا جذبہ اتنا شدید ہے کہ تمام اقدار
حیات کو مسلمان بنا دینا چاہتے ہیں لیکن اسلام ان کے نزدیک وہی معتبر ہے

جو بریلوی نقطہ نگاہ رکھتا ہے اور جو صرف بریلوی مکتبہ فکر ہی کی آغوش میں پلتا، چنانچہ افعال و اعمال کے لئے بھی وہی پیمانے ان کے نزدیک معتبر ہیں جن پر بریلوی کی چھاپ ہے۔ فکر و نگاہ کے لئے بھی وہی زاویے قابل و ثوق ہیں جن پر بریلوی کی عینک چڑھی ہو بغرض ان کے نزدیک وہی سکہ رائج الوقت ہے جو بریلی اور صرف بریلی کی نکسال میں ڈھلتا ہو۔ اس بات میں اتنے سخت ہیں کہ بات بات پر محاسبہ کرتے ہیں حتیٰ کہ احساسات و جذبات پر بھی محاسبہ مقرر کرتے ہیں اور فکر و نگاہ پر بھی پہرہ بٹھاتے ہیں۔ ان کے نزدیک عقیدے کی صحت اور ایمان کی سلامتی مدار ایمان ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تحریروں میں سارا زور قلم عقیدہ ایمان ہی کی اصلاح کے لئے صرف کرتے ہیں۔ ۱۷

مولانا عبید اللہ القدوس سہرہ

وہ چاہتے تھے کہ مسلم عوام میں احقاق حق اور ابطال باطل کا جذبہ پیدا ہو اور مسلمان حق و باطل کی صحیح معرفت حاصل کر کے معنوں کے درمیان خط امتیاز کھینچ سکے۔ اور بزرگوں کے نقوش قدم پر چل کر سیرتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والسلام کے خوگر بن جائیں جو حقیقت میں صراطِ مستقیم ہے۔ ان کا ارادہ تھا کہ اہلسنت کے اداروں میں ایسی ٹھوس تعلیم دی جائے کہ ہر ادارہ کا ہر فارغ التحصیل علامہ نظامی بن جائے۔ اور بہت حد تک اپنے اس مشن میں کامیاب ہوئے۔ زندگی کے ہر لمحے میں قوم و ملت کے لئے بے چین و بے قرار رہے۔ ۱۸

مولانا سید سربانی مہتمم دارالعلوم ربانیہ باندہ

موصوف ملک کے بے مثال خطیب، حاضر جواب مناظر، سنیت کے

۱۷ تعزیتی مکتوب۔ ۱۸ قہرستانی۔

عظیم مفکر اور نہایت درجہ بالغ نظر صحافی و مصنف بھی تھے۔ ۱۷

مولانا شاہد حسن نعیمی سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن شاخ برطانیہ۔

علامہ مشتاق احمد نظامی ہندوستان میں عصر حاضر کے تمام سنی مقررین کے پیش رو تھے انھوں نے فن خطابت اور فن تقریر کو مدارس اسلامیہ میں ایک پرکشش اور بامقصد منزل بنایا۔ اور علامہ نظامی کی محبوبیت اور مقبولیت کو دیکھ کر سیکڑوں علمائے اس میدان کو اپنی دینی خدمات کو محور بنایا۔ وہ عقیدہ کے فلسفیانہ اسلوب کو محبت کی زبان دینے والے منفرد مبلغ تھے نیز جماعتی زندگی میں پریس، رسائل اور صحافتی سرگرمیوں کے ذریعہ انھوں نے ایک ٹھوس اور مثبت فکر کی بنیاد ڈالی۔ ۱۸

مولانا غلام مصطفیٰ صاحب قبلہ بھاگلپور۔

میں مولانا مشتاق نظامی کو اس وقت سے جانتا ہوں جبکہ ہم دونوں مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن صاحب قبلہ کی درس گاہ میں پڑھتے تھے۔ میان سے سینئر جماعت میں تھا اپنی فراغت کے بعد موصوف کی تقریر کا شہرہ سنا مدتوں بعد جب ان کی تقریر سنی تو محو حیرت رہا۔

آج جبکہ خون کے آنسو دیکھی تو یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ مولانا نظامی کو شاہکار قلم کہوں یا شاہکار خطابت پس تو یہ ہے کہ وہ زبان و قلم دونوں کے بادشاہ ہیں۔ اب تو میں خون کے آنسو سے میدان مناظرہ میں بہت کام لیتا ہوں۔ ۱۹

جناب وجاہت رسول صاحب ایم اے اکنائکس مشرقی پاکستان۔
”خون کے آنسو“ میں نے پڑھا۔ گھر گھر کو پڑھا یا اور دوسروں کو

۱۷ اشرفیہ دسمبر جنوری ۱۹۹۱ء ۱۸ حجاز جدید جنوری فروری ۱۹۹۱ء ۱۹ خون کے آنسو دوم۔

بھی مطالعہ کے لئے دی۔ کتاب پڑھنے کے بعد بے ساختہ علامہ مشتاق احمد
 نظامی مظلہ العالی کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ
 علیہ وسلم کے صدقے میں خطیب مشرق کی عمر دراز فرمائے اور خدمت اسلام اور
 تائید المسند کی زیادہ سے زیادہ خدمت کا موقع عنایت فرمائے۔
 باتیں وہی ہیں جو ہم لوگ سنتے آئے ہیں لیکن علامہ نے جس نئے طرز نگارش
 اور انوکھے انداز کی بنیاد رکھی ہے وہ قابل صد ستائش ہے اور مسلمانوں کی آئندہ
 نسلوں کے لئے نمونہ تقلید۔ تنقید و تردید کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے وہ اپنی
 جگہ پر نہایت جامع اور دلچسپ ہے تصویر کے دونوں رخ کو اس خوبی سے
 اور ترتیب سے پیش کیا گیا ہے کہ اغیار کو بھی مجال انکار نہیں اور اس کے اوپر
 علامہ کا لٹ کی شکل میں مخصوص اور انوکھے انداز میں تبصرہ اور پھر چھتے ہوئے
 نہایت ہی مناسب اور موزوں اشعار کیا کہنا لطف ہی آجاتا ہے غیروں
 کے دل و جگر میں یقیناً شتر بن کر چھتے ہوں گے اور علامہ نے لمبی لمبی دستار
 وجہ کے پیچھے جن کریمہ چہروں کی نقاب کشائی کی ہے یقیناً غیر بھی اسے دیکھ کر
 حیرت پڑے ہیں۔ انشاء اللہ یہ کتاب بہتوں کے لئے راہ ہدایت ثابت ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی اخیر حسین صاحب قادری کوٹہ

ان کی ادائے دلنوازی ہزاروں لاکھوں کو اپنی طرف مرکوز کئے ہوئے
 تھی۔ انسو کے قطرات ان کی روح پر فتوح کو سلام کہتے ہیں۔ ۲۰

مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی سابق مدیر ہمامہ شرفیہ مبارکپور

حضرت نظامی صاحب علیہ الرحمہ کی پوری حیات تبلیغ مسلک المسند
 سے عبارت تھی۔ آپ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ملت کا درد رکھتے تھے حلاوتِ نبوی

۱۰ پاسبان نومبر دسمبر ۱۹۶۳ء ۲۰ تعزیتی مکتوب

اور منطقی دلائل کی مرصع کاری آپ کی خطابت کا خاص عنصر تھی۔ ۱۔

مولانا قاری محمد اسماعیل مصباحی۔ ڈاکٹر ارادو سینٹر راجپل۔

ان کی بذلہ سنجی، شعر و ادب سے ان کا تعلق، دم گفتگو ان کی زیر لب مسکراہٹ اور تنظیم و جماعت کی اہمیت کے متعلق ان کا ایثار پسندانہ رویہ بڑا ہی پُر اثر ہوتا تھا۔ ان کی یاد برسوں ذہن کو منور کرتی رہے گی۔ ۲۔

حضرت سید محمد کمال احملی نائب سجادہ شیخ اکرہ حضرت شاہ محمد جمال آباد۔

حضرت موصوف نے پاسبان ملت کے سالانہ فاتحہ میں حضرت بابا ملت کے سلسلے میں اپنے جن خیالات کا اظہار کیا وہ اپنی جگہ انوکھا اور پاسبان ملت کی حیات کا وہ اہم گوشہ تھا جس پر ان کے علاوہ کسی نے روشنی نہیں ڈالی۔ حضرت موصوف نے اپنی تقریر میں کہا کہ ایک میان میں جس طرح دو تلواریں نہیں رہتیں اسی طرح الہ آباد میں پاسبان ملت کی شہرت پر خالقانہ والوں کو بھی دل برداشتہ ہونا چاہئے تھا مگر میں یہ دیکھتا ہوں کہ پاسبان ملت کا معاملہ ہی الگ تھا۔ مجھے تو ایسا گمان ہوتا ہے کہ اہل خالقانہ یہ سمجھتے تھے کہ پاسبان ملت ہمارا ہی پیغام نشر کر رہے ہیں۔ کسی خالقانہ سے بھی ان کے خلاف کبھی کوئی آواز نہیں اٹھی۔ اور ہر خالقانہ نے ان کو اپنی خالقانہ کا نقیب سمجھا موصوف نے اپنی تقریر میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس طرح مارہرہ شریف نے دنیا کو احمد رضا عطا کیا اسی طرح الہ آباد کے ان دو اور خالقانہ ہوں کے صاحبان سجادگان کی دعاؤں نے دنیا کو مشتاق احمد نظامی دیا۔ گویا وہ ان تمام بزرگوں کے خوابوں کی تعبیر تھے۔ مولانا موصوف نے ہمیشہ عشق رسول اور احترام سادات کا سبق دیا۔ دارالعلوم ان کے خوابوں کی تعبیر ہے۔

۱۔ تعزیتی مکتوب ۲۔ حجاز جدید جنوری فروری ۱۹۹۱ء

میں ان کے تمام طلباء سے یہی خواہش رکھتا ہوں کہ وہ دارالعلوم کی ترقی کیلئے
 کمر بستہ ہوں اور عشق رسول کی وہ منہ جو پاسبان ملت نے پلائی ہے اس کے
 نشہ میں ہمیشہ سرشار رہیں اور احترام سادات کا جو سبق پاسبان ملت نے پڑھا
 ہے طلباء ہمیشہ اس راہ پر گامزن رہیں۔ یہی پاسبان ملت کی بارگاہ میں صحیح
 نذرانہ عقیدت ہے۔

حضرت موصوف نے اپنی گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ ان کے والد
 حضرت قطب اللہ الصمد مولانا شاہ سید احمد اجلی علیہ الرحمۃ والرضوان سجادہ
 نشین دائرہ شاہ اجل نے کبھی پاسبان ملت، خطیب مشرق یا مولانا مشتاق
 نظامی وغیرہ نہیں کہا ہمیشہ مشتاق فرماتے۔

اکثر میں نے سوچا کہ ایسا کیوں ہے لیکن جب میں نے اس کا تجربہ
 کیا تو مجھے ایسا اندازہ ہوا کہ وہ بے حد محبت فرماتے ہیں اور لفظ مشتاق
 میں مجھے جو مزہ ملا وہ بیان سے باہر ہے۔ مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت
 سجادہ نشین موصوف انھیں ایسے خوابوں کی تعبیر سمجھتے تھے ان کے خواب
 اور ان کی تحریک بھی عشق رسول تھی۔ اور پاسبان ملت بھی ساری زندگی
 عشق رسول کا درس دیتے رہے۔ یہی قدر مشترک تھی جس کے باعث اللہ کے
 یہ قطب پاسبان ملت سے اتنی محبت رکھتے تھے کہ ہمیشہ محبت سے مشتاق ہی
 کہا جس سے گویا شہر ٹپکتا تھا۔

ہر دائرے نے سمجھا انھیں اپنا ہم نوا
 عشق رسول نے تمھیں کیا بنا دیا

شہیر مولانا نسیم بستوی صاحب

صی ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں سے

میری نظر میں خطیب مشرق علامہ نظامی صاحب تقریر و خطابت ہی کے بادشاہ نہیں بلکہ اسلامی فکر کے حامل تحریر و انشاء کے بھی ایک ممتاز و منفرد تاجدار ہیں۔ آپ نے ادعائے سبیل سے بدلتے ہوئے حکمت و الموعظۃ الحسنۃ کی روشنی میں اسلام و سنیت کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس کی پوری دنیا نے سنیت معترف ہے۔

بہت لوگ ہیں اور بہت لوگ آئیں گے لیکن ان میں خطیب مشرق جیسی تاریخ ساز شخصیت کسی کی نہ ہوگی۔ ہم لوگوں کو علامہ پر بہت ناز و محبت تھی اور وہ بھی اپنی بے پناہ عنایت و شفقت سے نوازتے تھے جیسے حضرت ایک عالی ظرف، وسیع النظر اور بہترین اخلاق و کردار کے پیکر تھے۔ اپنے بڑوں کا شایان شان ادب و احترام اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنا یہ دونوں وصف آپ کی ذات میں حد کمال تک پایا جاتا تھا۔ مجھ جیسے کم علم، ناچیز کو آپ ہی نے ادیب شہیر کے خطاب سے نوازا تھا۔ آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہیں تھا جس ماحول میں تشریف فرما ہوتے ان کی شان افرادیت نمایاں معلوم ہوتی تھی۔ ۱۹۵۷ء سے آج تک علامہ نظامی علیہ الرحمۃ کو جہاں بھی دیکھا ایک رنگ اور ایک ہی وضع میں دیکھا۔ لے

برادر گرامی مولانا حافظ فتح احمد رستوی مصباحی

علامہ نظامی کا روانہ المہنت کے سپہ سالار تھے، تدریس، تحریر اور تقریر میں یگانہ روزگار اور شعروادب میں پروقار تھے۔ انھوں نے سنگلاخ وادیوں میں دین کے گلستاں کھلائے ان کی تبلیغی مساعی جمیلہ کا پورا ہندوستان رہن منت ہے۔ آپ کی خطابت کی گھن گرج سے باطل لرزہ براندام تھا۔ آپ کی خدمات کو ملت کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ آپ جلسوں

لے تعزیتی مکتوب

کافر نسوں اور مناظروں کی کامیابی کی ضمانت تھے تیگفتہ شخصیت، دانشمند
ذہانت اور منسا طبعیت کے مالک تھے انتہائی وسیع النظر اور احسن تفہیم کے
منظر، زبان و قلم کے بادشاہ اور سکھ راج الوقت تھے نیرودہ نوازی، بزرگوں
کا ادب اور مروت و رواداری میں تو آپ کی مثال نہیں ملے۔

جناب میر مختار اشرفی ایڈیٹر اسٹار ناسک۔

علامہ کو دنیا نے ایک مقرر ایک مناظر اور ایک شاعر کی حیثیت سے جانا
مگر علامہ تو ایک لی کامل تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۵۹ء میں مالیکاؤں
آل انڈیائی جمعیۃ العلماء کی کانفرنس میں ہندوستان کے تمام علماء و اکابر شریک
تھے حضور مفتی اعظم، حضرت سید العلماء، حضرت مفتی برہان الحق، حضرت سید راشد
حسنی، سید مختار اشرف، مجاہد ملت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یہ ساری
شخصیتیں اسٹیج پر موجود تھیں اور ایسے ہزاروں علماء کی موجودگی میں حضرت
علامہ نظامی نے دو مرتبہ اس قدر جامع مانع اور اتنے بہترین انداز میں تقریر فرمائی
کہ حضور محدث اعظم ہند اسی اسٹیج پر کیف و وجد میں ڈوب گئے اور اسی عالم
وجد میں علامہ کو شہنشاہ خطابت کہہ کر نعرہ بکیر و نعرہ رسالت کی صدائیں
بلند فرمانے لگے اور حضور مفتی اعظم ہند ہر لفظ پر سبحان اللہ ماشاء اللہ کی مقدس
صدائیں بلند فرماتے رہے۔

مولانا محمد عاصم صاحب عظمی ایم اے ایل، ٹی، پی۔ ایچ۔ ڈی۔

علامہ نظامی عظیم مقرر، صاحب طرز ادیب و مصنف، قادر الکلام
مشکلم اور عظیم ملت کا شعور رکھنے والے مفکر تھے نصف صدی پر محیط
آپ کے گونا گوں کارنامے تاریخ ملت کے زریں باب کی حیثیت سے تابندہ ہیں گے۔

۱۰ تعزیتی مکتوب ۱۱ تعزیتی مکتوب۔

حضرت نہال مخدومی صاحب۔ آندھرا پردیش

علامہ مشتاق نظامی صاحب قبلہ کے ارشادات کی سماعت کے لئے ہزاروں سامعین بہت دور دراز سے آئے ہوئے ہیں ہر اجلاس میں ایک بھم غفیر رہتا ہے۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی۔ اجلاس کا سامعین پر تاثر کیا ہے کیا تحریر کروں جو بھی شرکت کرتا ہے اکتساب فیض سے خالی نہیں جاتا ہے۔ بندہ بھی آندھرا پردیش ضلع کڑپہ نزد پور کا باشندہ ہے۔ جج کرام کو جہاز پر سوار کرنے کے لئے آیا تھا۔ خوش قسمتی سے اجلاس میں شرکت کرنے کا موقع ملا اور آج تک مقیم ہوں ایسا سعادت افروز موقع پھر کہاں ملے بخدا علامہ کا بیان دل میں اتر جاتا ہے۔ یقیناً علامہ خطیب مشرق ہیں۔ لے نہال مخدومی۔ ادارۃ المخدم لے پی۔

جناب ولی محمد صاحب گورجی بھڑوچ۔ گجرات۔

ہماری حقیر دعوت پر ایڈیٹر پاسان مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی گجرات کے دورے پر تشریف لائے جو محض ایک سہفتے کا پروگرام تھا مگر کچھ نہ پوچھئے مولانا نظامی کی ہر دل عزیزی کا عالم، ۱۷ اکتوبر سے ۱۶ نومبر تک مسلسل آپکی تقاریر کا سلسلہ جاری رہا۔ پورے گجرات کی وہابیت بوکھلا گئی اور سنہوں میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ سورت، بھڑوچ، مقام انکلیشور، لہارا، بڑودہ، ٹنکاری بندر، جمبوسر، پادرہ، ولن، وغیرہ میں آپ کے روح پرور بیانات ہوئے۔ آپکی تقریریں نوٹ کی جاتی تھیں۔ پورے گجرات کو اس بات کا اعتراف ہے کہ مسلک اہلسنت کو دلائل اور قانون کی روشنی میں پیش کرنا اور دیوبندیوں کا سنجیدہ و متین رد کرنا یہ علامہ نظامی کا خاص

لے ہفت روزہ تاجدار ممبئی ۲۸ دسمبر ۱۹۴۳ء

فن تقریر ہے۔ علامہ نظامی کے دورے کا خاص اثر یہ ہے کہ ہزاروں ایسے افراد جو بد مذہب تھے اب وہ متصلب و کٹر سنی ہو گئے اور سیکڑوں وہ لوگ جو مذہب تھے وہ حلقہ سنیت میں داخل ہو گئے۔ اے

مولانا سید افضل حسین اجملی سجادہ نشین دارہ شاہ محمد جمال آباد

الہ آباد کے مایہ ناز فرزند حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کی خدمات اظہار من الشمس ہیں انھوں نے تدریس کے فرائض انجام دیے تو تقاریر کے ذریعہ عشق رسول کا درس دیا اور بد عقیدہ مکتبہ فکر کی گھناؤنی سازشوں کو بے نقاب کیا بحیثیت مناظر ہر محاذ پر نبرد آزما ہوئے تو بحیثیت مصنف اپنی تصنیفات سے باطل عقیدہ والوں کی دار و گیر کی۔ دارالعلوم غریب نواز کی بنیاد ڈال کر دیوبندی مکتبہ فکر کی کوششوں کو ناکام کیا اور یہاں کی پرانی روایات کو برقرار رکھا اگر انھوں نے عشق رسول کو ایک تحریک کی شکل نہ دی ہوتی اور ناموس رسول پر حملہ کرنے والوں سے اعلان جنگ نہ کیا ہوتا تو دشمنان رسول اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر الہ آباد کو دیوبندی مکتبہ فکر کا اہم مرکز بنا دیتے۔ اے

فرض شناس سنیو!

بادل گر جے ہجلیان تر میں، سب نے اپنا رخ بدل دیا اگر آفریں صد آفریں اے فرض شناس سنیو! تم نے اپنا سمت سفر نہیں بدلا۔ مجھے تم سے یہ امید تھی اور اب لگوا ہی تیل ہے انشا اللہ فتح تمہاری ہی ہوگی تمہیں یقین رکھنا چاہیے کہ حق کبھی ہارتا نہیں اگرچہ ایک دنیا نے میرے حسین رضی اللہ عنہ کو خون میں خرابو دیکھا ہے مگر کبھی حق نگو دنیا نے حیات کا سہرا حسین ہی کے سر باندھا ہے آج تم بھی یدیت کے نرغے میں ہو اور اقبال تمہیں در سے آواز دے رہا ہے آگے اولاد ابراہیم ہے، نمود ہے !! کیا کسی کو پھر کسی کا امتیاز مقصود ہے؟ میں تمہیں ثبات قدمی کی دعائیں دیتا ہوں میں بظاہر دور ہوں مگر میرا دل تم سے بہت قریب ہے۔

اے پاسبان دسمبر ۱۹۶۱ء ۲۳۷ تعزیتی مکتوب۔

دُکابِ عِشا

بر وصالِ خطیبِ مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ

غیروں کے رفیق، اپنوں کے حامی نہ ہے
بہرِ چشمہ اوصافِ گرامی نہ رہے
کیوں خون بہائیں نہ ہماری آنکھیں
علامہ مشتاق نظامی نہ ہے

اک نازِ شیشِ دوراں کا ہے ماتم ہر سو
اک صاحبِ عرفاں کا ہے ماتم ہر سو
پترِ مردہ ہیں گل، اشکِ فشاں ہیں طبل
اک جانِ گلستاں کا ہے ماتم ہر سو

ہر گامِ پگرتوں کو اٹھائے گا کون !
بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھائے گا کون
اوجھل ہوئے آنکھوں سے خطیبِ مشرق
سوئی ہوئی ملت کو جگائے گا کون

برسائے گل و لالہ ہمہ وقت بہار
شبِ نیم کے گہر کو تاکتے چرخِ نثار
مشتاقِ نظامی ہوئے واصلِ بائد
معمور ہے نور سے حضرت کا مزار

نتیجہ فکر: جتنا علقہ شبلی بی کام۔ بی بی کلکتہ